اصلاح المساجد

تالیف

فضیلۃ الشیخ جمال الدین بن محمد قاسمی رحمہ اللہ

تحقیق: محدث العصر ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

مکتبہ قدوسیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

اصلاح المساجد

اصلاح المساجد

تالیف

فضیلۃ الشیخ جمال الدین بن محمد قاسمی رحمہ اللہ

تحقیق

محدث العصر ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

ترجمہ

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

مسلک کتاب وسنت کے فروغ کے لئے کوشاں
خوبصورت اور معیاری مطبوعات

مکتبہ قدوسیہ

ناشر ________ ابوبکر قدوسی

اشاعت ________ فروری 2003ء

مطبع ________ موٹروے پریس

MAKTABA QUDDUSIA
REHMAN MARKET GHAZNI STREET URDU BAZAR
LAHORE - PAKISTAN. Ph: 7351124 - 7230585
Fax: 92 - 42 - 7230585 Email: qadusia@brain.net.pk

فہرست مضامین

باب اول: مساجد کی بدعتوں کے بیان میں

باب چہارم: خاص وعام اسباق کے بیان میں

باب پنجم

باب ششم: مساجد ثلاثہ سے متعلق مشروع اور بدعت کے کاموں کے بیان میں

باب ہفتم: متفرق بدعتوں کے بیان میں

مساجد کے آباد کار

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾

(التوبہ: ۱۸)

"اللہ کی مسجدوں کے آباد کار تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں۔ انہی سے توقع ہے کہ وہ سیدھی راہ پر چلیں گے۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مساجد: روئے زمین کا سب سے بہتر حصہ ہیں' احتراماً انہیں "بیت اللہ" اللہ کا گھر بھی کہا جاتا ہے' اسلام اور مسلمانوں کا مرکزی مقام یہی مسجدیں ہیں جو جمال و جلال سے آراستہ' زمین کا سب سے پاکیزہ متبرک' مقدس اور صاف ستھرا حصہ ہیں۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کا مساجد سے تعلق اور وابستگی جزو زندگی بن جائے۔ ایسے لوگ عرش الٰہی کے سائے میں جگہ پائیں گے' مسجد سے قلبی لگاؤ اور پابندی کے ساتھ اس کی حاضری ایمان کی علامت ہے۔ مسجد کی صفائی و ستھرائی جزو ایمان ہے۔

مساجد روز اول سے رشد و ہدایت اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور ملی و قومی جدو جہد کا مرکز رہی ہیں۔ یہیں سے اسلام کا پیغام ساری دنیا میں نشر ہوتا ہے۔ ملت اسلامیہ کی علمی' قومی اور روحانی قوتوں کا یہی سرچشمہ ہیں' یہیں سے امت محمدیؐ نے ماضی میں بھی اسلام کا سبق سیکھا تھا اور آئندہ بھی مسلمانوں کا سب سے بڑا علمی اور روحانی مرکز مسجدیں ہی رہیں گی۔

افسوس ۔۔۔ مسلمانوں کے ملی انحطاط سے مسجدیں بھی متاثر ہوئیں اور حسب ارشاد نبویؐ "مساجد ھم عامرۃ وھی خراب من الھدی" مسجدیں آباد ہوں گی لیکن ہدایت سے ویران رہیں گی' ہدایت سے ویرانی اور محرومی اب عام طور پر مساجد کا المیہ بن گئی ہے۔

مسجدیں! اپنے شرعی مقاصد اور روح سے خالی ہوتی جا رہی ہیں' جاہل اور بد دین' بے نمازی متولیوں کی اجارہ داری کے سبب مسجدوں کا ماحول بے روح اور وحشت ناک ہوتا جا رہا ہے' مسجدیں گندی' گرد آلود' ویران' اور خستہ حال ہوتی جا رہی ہیں' جاہل ائمہ کی کثرت سے مسجدوں میں بدعات و رسومات عام ہوتی جا رہی ہیں۔ اذان' اقامت' اور نماز سے پہلے اور بعد مختلف قسم کی بدعات کا رواج عام ہو گیا ہے۔ بعض

مسجدوں میں نماز کے بعد جماعت کے ساتھ درود و سلام کا ورد اور اس میں بعض شرکیہ کلمات کا اضافہ نماز کا جزو بن چکے ہیں۔ دعاء ثانیہ کا ایسا التزام کہ اس کے بغیر نماز کو نامکمل سمجھا جاتا ہے' جمعہ کے خطبات کا حال اور بھی برا ہے۔ بعض مساجد میں اب تک ترکی دور خلافت کے مطبوعہ خطبات منبروں پر پڑھے جاتے ہیں' جنہیں نہ کوئی سمجھنے والا ہوتا ہے اور نہ ان میں عصر حاضر کے مسائل کا کوئی حل ہوتا ہے۔ افسوس! مسجدیں بڑی حد تک ہدایت سے محروم اور ویران ہو چکی ہیں ۔ اسلام اور مسلمانوں کا یہ عظیم قلعہ مسمار ہوتا جا رہا ہے' جس سے ملت اسلامیہ کی نشو ونما پر بڑا برا اثر پڑ رہا ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ شام کے مشہور سلفی عالم علامہ شیخ محمد جمال الدین القاسمی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب " اصلاح المساجد' من البدع والعوائد " میں ان تمام بدعات و رسومات اور متولیان و ائمہ کی پیدا کردہ برائیوں پر خوب سیر حاصل بحث کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی دکھتی رگ پکڑی ہے اور مساجد سے متعلق چھوٹی بڑی تمام باتوں پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ جن کو پڑھ کر مساجد سے متعلق شریعت کا حقیقی مطمع نظر کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

اس کتاب کی صحت اور اہمیت اس لحاظ سے بھی اور بڑھ گئی ہے کہ اس کی تصحیح اور احادیث کی تحقیق محدث العصر علامہ محمد ناصر الدین البانی نے فرمائی ہے جو اس وقت پوری دنیا میں فن حدیث کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب اردو زبان میں اپنے موضوع پر انوکھی اور مستند ہے۔

کتاب کا اردو ترجمہ ہندوستان کی مشہور اسلامی یونیورسٹی جامعہ سلفیہ بنارس کے ریکٹر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے کیا ہے جو نہایت صحیح' سلیس اور عام فہم ہے۔

کتاب کی کتابت اور طباعت کے سلسلہ میں ادارہ الدار السلفیہ نے اپنا اعلیٰ طباعتی معیار برقرار رکھا ہے جو دینی کتابوں کے لئے باعث عز و شرف ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر دار السلفیہ بجا طور پر فخر کرتا ہے۔

امید ہے کہ یہ مفید مجموعہ مسلمانوں کے تمام مذہبی و دینی طبقوں میں بے حد مقبول ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کتاب کے مصنف، مصحح، اردو مترجم و ناشر کو اس علمی صدقہ جاریہ کی اشاعت پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

مختار احمد ندوی

الدار السلفیہ۔ ۱۳ محمد علی بلڈنگ۔ بھنڈی بازار
بمبئی ۴۰۰۰۰۳

یکم جنوری ۱۹۸۰ء

مؤلف کتاب

ولادت اور نام و نسب:

صاحب "اصلاح المساجد" مورخہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۷ ستمبر ۱۸۶۶ء کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوالفرج اور نام محمد جمال الدین ہے' سلسلہ نسب یوں مذکور ہے۔ محمد جمال الدین بن محمد سعید بن قاسم بن صالح بن اسماعیل بن ابی بکر۔ ان کے جد امجد قاسم بن صالح شام کے امام و فقیہ مشہور تھے' انہی کی طرف منسوب ہو کر مؤلف "القاسمی" کہلائے۔ شیخ قاسم کے علاوہ مؤلف کے اجداد میں علمی خدمات کے لئے کوئی اور مشہور نہیں ہوا۔

تعلیم و تربیت:

قاسمی کا گھرانہ علم و تقویٰ کے لئے مشہور تھا۔ ان کے والد کو فقہ و ادب سے خصوصی دلچسپی تھی اور ساتھ ہی موسیقی سے بھی لگاؤ تھا۔ اسی دینی و ادبی ماحول میں قاسمی نے تربیت پائی۔ تعلیم کے قدیم طریقہ پر سب سے پہلے مؤلف نے شیخ عبدالرحمٰن مصری سے قرآن کریم پڑھا' پھر ترکی عالم شیخ محمود القوصی سے کتابت کا فن سیکھا' اس کے بعد "المدرستہ الظاہریہ" کے مکتب میں شیخ "رشید قزیہا" سے توحید' صرف' نحو' منطق' عروض اور بلاغت کی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور شیخ القراء شیخ احمد حلوانی سے تجوید کا فن سیکھا۔ شیخ سلیم عطار کے پاس شرح شذور الذہب' شرح ابن عقیل' شرح قطر الندی' مختصر المعانی' جمع الجوامع' تفسیر بیضاوی' صحیح بخاری' مؤطا' کتاب الشفاء' مصابیح السنہ' الجامع الصغیر' اور الطریقتہ المحمدیتہ وغیرہ کے اسباق پڑھے۔

آپ کے اساتذہ کی فہرست میں شیخ بکری العطار' شیخ محمد الخانی اور خود آپ کے والد کے ماموں شیخ حسن جبینة دسوتی کے نام بھی شامل ہیں۔ اس دور کے اکثر علماء سے آپ کو اجازت و سند حاصل ہے۔

تدریس و امامت:

شیخ قاسمی نے چودہ سال ہی کی عمر سے اپنے والد کی ماتحتی میں جامع سنانیہ میں تدریس کا کام سنبھال لیا تھا۔ اس کا سلسلہ ۱۳۰۳ھ تک جاری رہا۔ ۱۳۰۹ھ سے ۱۳۱۲ھ تک ماہ رمضان میں موصوف نے وادی العجم' النبک' اور بعلبک میں درس دیا۔ ۱۳۱۷ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد ان کی جگہ عام درس دینے لگے' جامع سنانیہ کی امامت اور درس عام کا سلسلہ بھی آپ کی وفات تک جاری رہا۔

زمانہ کے حالات:

شیخ قاسمی کے زمانہ میں ملک شام ترکی حکومت کے ماتحت تھا' اس دور میں لوگوں کو سیاسی آزادی نہیں حاصل تھی' حکام عدل و انصاف کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ اور اصحاب اقتدار میں رشوت ستانی کا بازار گرم تھا۔

علمی لحاظ سے بھی زمانہ کا حال اچھا نہ تھا' مدارس کم اور صحافت و طباعت کمزور تھی' لوگ مکتب کی تعلیم کے بعد مساجد یا گھروں میں تھوڑی بہت تعلیم حاصل کر لیتے تھے' اسی لئے ناخواندگی عام تھی۔ مذہبی زندگی میں جمود اور تقلید کا زور تھا' حدیث کی کتابوں کو بطور تبرک ہاتھ لگایا جاتا تھا' تفسیر کی کتابیں عوام تو درکنار خواص بھی چھو نہیں سکتے تھے۔ لوگوں کی توجہ فقہ کی صرف ان کتابوں پر تھی جنہیں متاخرین فقہاء نے تصنیف کیا تھا' صرف و نحو اور ادب کو صرف وسیلہ کے طور پر پڑھایا جاتا تھا۔

تصوف کے مختلف طریقوں کو اس وقت بہت رواج حاصل تھا' علماء دین بھی ان کو اختیار کر کے عوام کو اپنے گرد جمع کر لیتے تھے اور صالح اسلامی معاشرہ کے قیام کے

لئے کسی بھی کام سے روک دیتے تھے۔

اس دور کے سماجی حالات ابتر تھے' اجتماعی زندگی میں کوئی سرگرمی نظر نہیں آتی تھی۔ مجالس مذاکرہ' اصلاحی جمعیات اور رفاہی انجمنوں کا کوئی وجود نہ تھا' عورت جسے معاشرہ کا نصف حصہ مانا جاتا ہے' اس کے لئے کسی طرح کی کوئی خدمت پیش نہیں کر پاتی تھی۔

ان حالات میں شیخ قاسمی جیسا انسان اپنے آپ کو بالکل اجنبی محسوس کرتا تھا' اپنی صلاحیتوں سے کام لینے کا انہیں کوئی میدان نظر نہیں آتا تھا پھر بھی انہیں اپنے پیغام کی اہمیت و تقدیس اور اس کے لئے جدوجہد کی ضرورت کا پورا پورا احساس تھا۔

علمی برتری:

مروجہ تدریسی علوم کے بعد شیخ قاسمی نے اپنی گھریلو لائبریری کے سہارے اپنی معلومات کو بے حد وسیع کر لیا' اس کتب خانہ میں دو ہزار سے زائد کتابیں موجود تھیں۔ جن میں بہت کم کتابیں ایسی تھیں جن پر شیخ قاسمی نے کوئی تصحیح یا نوٹ نہ لکھا ہو۔ یہ کتب خانہ تفسیر و حدیث فقہ و تصوف' زبان و ادب اور تاریخ و اصول کے علاوہ جدید و قدیم فلسفہ' علم اجتماع' ریاضی تقابلی قانون اور دیگر ادیان و مذاہب کی کتابوں پر مشتمل تھا۔

تصانیف:

شیخ قاسمی نے تقریباً ایک سو کتابیں تصنیف کیں' ان میں تفسیر' حدیث' اصول' توحید آداب واخلاق اور تاریخ و سیاست کے علاوہ کچھ کتابیں عام موضوعات پر بھی ہیں۔ صرف ۴۹ سال کی عمر میں اتنی زیادہ اور مفید کتابیں تصنیف کر لینا موصوف کی علمی برتری اور اعلیٰ صلاحیت کی دلیل ہے۔

شیخ قاسمی ابتداء میں مسجع عبارت لکھتے تھے' پھر بعد میں شیخ محمد عبدہ کی تحریک پر مرسل اسلوب اختیار کر لیا جس میں الفاظ و ترکیب کا جمال و جلال اور مفہوم و

مطالب کے سلسلہ میں وقت پسندی نمایاں تھی۔

افکار و خیالات:

شیخ قاسمی کی تصنیفات کے مطالعہ سے ان کے یہ خیالات نمایاں ہوتے ہیں:۔

دین ایک اخلاقی مدرسہ اور اتحاد کا داعی ہے۔

عقل' اللہ کی قطعی حجت ہے' اور نقلیات کبھی عقلیات کی مخالفت و تردید نہیں کر سکتیں۔

بحث و گفتگو کا دروازہ ہر چیز حتیٰ کہ صحیحین کی حدیثوں کے بارے میں بھی کھلا ہوا ہے۔

حریت علم و تالیف کا یہ تقاضہ ہے کہ فکرو رائے کا بخل نہ کیا جائے' بلکہ انہیں علی الاعلان پیش کیا جائے۔

حق کسی قول یا مذہب میں منحصر نہیں' امت میں مجتہدین کی کثرت اللہ کا ایک احسان ہے۔

قرآن نے جنگی قوت بنانے کا حکم دیا ہے' مسلمانوں نے جب سے اس پر عمل چھوڑ دیا دشمنوں کی نگاہیں اسلامی ممالک کی جانب اٹھنے لگیں۔

مذہبی امور میں مناظرہ' جس سے کینہ اور تعصب پیدا ہو معاشرہ کی آفت ہے۔

اسلام "جنگ برائے جنگ" کا قائل نہیں' دعوت کی اشاعت میں اگر رکاوٹ پیدا ہو تو ایسی صورت میں جہاد ضروری ہے۔

لباس کا تعلق عرف و عادت سے ہے' جب تک کسی لباس سے اخلاقی نقصان نہ ہو دین اس کا مخالف نہیں۔

یہ مناسب نہیں کہ زندگی میں انسان کا کام نباتات سے کم ہو' نباتات میں برابر نمو رہتا ہے' اس لیئے انسان کو بھی گھٹنا نہیں چاہیئے۔

طریقۂ دعوت:

شیخ قاسمی کی زبان و قلم دونوں محتاط تھیں، آپ نے کبھی کسی کو نہ تو تکلیف پہنچائی نہ سخت و ست کہا، صرف دلائل و براہین کی روشنی میں آپ گفتگو کرتے تھے۔ مخالفین کے ساتھ آپ ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لیتے تھے، اس لئے آپ سے ہر شخص خوش رہتا تھا مخالفین سے بحث میں شیخ قاسمی کا مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ ان کی تحقیر و تذلیل ہو بلکہ آپ صرف یہ دیکھتے تھے کہ حق واضح ہو جائے اور خطا کار صحیح راہ پر آجائے۔

وفات:

شیخ قاسمی نے ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۱۴ء کو وفات پائی اور دمشق کے قبرستان الباب الصغیر میں دفن ہوئے۔

اہل علم کی نظر میں:

امیر البیان علامہ شکیب ارسلان نے شیخ قاسمی کی کتاب "قواعد التحدیث" کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: شیخ جمال قاسمی اسم بامسمیٰ تھے، ان کی ذات میں "جمال و قسام" بدرجہ وافر موجود تھا، معنوی جمال کا جو حصہ آپ کو قدرت سے ملا تھا بہت کم لوگوں کو ملا ہوگا۔ آپ اپنے دور میں دمشق بلکہ پورے ملک شام کا جمال تھے، علم و فضل، وسعت نظر، تیزی فہم، حسن اخلاق، اور بلندی فکر و خیال میں آپ کی ذات ایک نمونہ تھی۔

میں جب بھی دمشق جاتا تو شیخ قاسمی اور ان کے دوست شیخ عبدالرزاق البیطار سے ضرور ملتا تھا، یہ دونوں اشخاص علم و فضل کی اعلیٰ مثال اور حشویہ اور اہل جمود کے حق میں ضرب کاری تھے۔ میں ان کی مجلسوں میں گھنٹوں بیٹھتا اور دلچسپ لطائف اور اہم علمی موضوعات پر گفتگو سے محظوظ ہوتا تھا، علمی گہرائی اور اصول و فروع پر

عبور کی کوئی دوسری ایسی مثال میرے سامنے نہیں۔ میں جب ان کی تقریریں سنتا تھا تو مجھ پر خود فراموشی طاری ہو جاتی تھی اور خود کو کسی اور دنیا میں محسوس کرتا تھا۔ علمی نوادر اور حقائق و لطائف کا ایک بڑا حصہ ان سے سن کر میں نے یاد کیا ہے' اور اس تعلق پر مجھے فخر ہے۔ عالم کی تعریف میں یہ جو کہا جاتا ہے کہ "اسے سب سے پہلے اپنے شہر اور زمانہ کا علم ہوتا ہے۔" اس کا بہترین مصداق ان کی ذات تھی نئی اسلامی نسل جو شریعت کا صحیح فہم حاصل کرنا چاہتی ہے اسے میری وصیت ہے کہ وہ سب سے پہلے شیخ قاسمی کی تصنیفات کا مطالعہ کرے۔"

شیخ قاسمیؒ کی وفات کے بعد علامہ محمد رشید رضا نے "المنار" میں جو مضمون لکھا تھا اس میں فرماتے ہیں کہ "آپ شام کے علامہ نادر روزگار' اسلامی علوم کے مجدد' علم و عمل اور تعلیم و تہذیب کے ذریعہ سنت کے زندہ کرنے والے' نیز طریقہ سلف اور دور جدید کی تمدنی ترقی کے مابین حلقہ اتصال تھے۔ فقہ' اصول' تفسیر' حدیث اور ادب میں انہیں کمال حاصل تھا' اسی کے ساتھ ساتھ ان کے اندر انابت و تقویٰ ' حلم و بردباری' اور عفت و طہارت کے جوہر بھی موجود تھے۔ موصوف چودھویں صدی ہجری کے مجددین و مصلحین میں تھے۔ ان کی کتاب "قواعد التحدیث" اس فن کے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچی ہوئی ہے۔ جو دل چسپی طالب علم کو اس کتاب میں ملے گی کسی اور کتاب میں نہیں مل سکتی۔ اپنے موضوع پر یہ بے مثل کتاب ہے۔"

شیخ محمد بہجت البیطار نے "قواعد التحدیث" پر اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "جب ایک پبلشر نے مجھ سے مذکورہ کتاب کی تحقیق و تصحیح کا معاملہ کیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ استاذ محترم شیخ قاسمی کے پاکیزہ سانس کا ایک جھونکا میرے جسم میں خون حیات کی طرح دوڑ گیا ہے' میں نے اس پیش کش کو بخوشی قبول کر لیا اور اسے اپنے استاذ کے بعض حقوق کی ادائیگی تصور کرتے ہوئے کام شروع کر دیا۔

استاذ محترم رحمتہ اللہ کی زندگی کا یہ پہلو یقیناً تعجب انگیز ہے کہ پچاس سال سے کم عمر میں انہوں نے تقریباً ایک سو کتابیں تصنیف کیں' ان کے کتب خانہ میں بہ

مشکل کوئی ایسی کتاب ملے گی جس پر ان کا حاشیہ یا تصحیح نہ ہو۔ انہیں وقت کی پابندی کا خاص خیال تھا اور ہمیشہ وہ مصروف عمل رہا کرتے تھے۔ اگر عمر ساتھ دیتی تو ہمیں ان کی دوسری مفید تصنیفات سے بھی متمتع ہونے کا موقع ملتا' کیونکہ ان کا علم برابر ترقی پر تھا' وہ زمانہ کے علوم و حقائق سے مستفید ہونے کا ڈھنگ جانتے تھے اور شریعت کے بہت سے اسرار و رموز ان کی گرفت میں تھے۔ میں نے اس کتاب کی تصحیح میں بہت توجہ سے کام لیا ہے اور اس کے لئے کتنی ہی راتیں جاگ کر گزار دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس کتاب اور دوسری کتابوں سے ہمیں مستفیض فرمائے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔[1]

---

[1] شیخ قاسمی کے یہ حالات قواعد التحدیث کے مقدمہ سے ماخوذ ہیں۔ (الازہری)

مقدمہ

((اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَاهَادِيَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ))

امابعد: علامہ شام شیخ محمد جمال الدین قاسمی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "اصلاح المساجد" کا یہ دوسرا ایڈیشن ہم مسلم قاری کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ مساجد کا اور ان میں مسلمانوں کی عبادت کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے۔ اسے سمجھنے کے لئے یہ کتاب بہترین روشنی فراہم کرتی ہے۔

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں استاذ کبیر محب الدین الخطیب رحمتہ اللہ علیہ کا جو مقدمہ شائع ہوا تھا اسے ہم اس ایڈیشن میں بھی اسی طرح شائع کر رہے ہیں۔

اس ایڈیشن میں محدث شام شیخ محمد ناصر الدین البانی کے قلم سے حدیثوں کی تخریج اور بعض مشکل مقامات پر حاشیہ کا اضافہ ہے۔ جزاہ اللہ خیرا۔

میں صدیق مکرم استاذ ظافر القاسمی کا بے حد شکر گزار ہوں۔ جنہوں نے اپنے والد مرحوم کی دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب کی طباعت کے لئے بھی سہولت بہم پہنچائی۔ اس طرح وہ اپنے والد کی یاد گار زندہ کر کے اس حدیث نبوی کا مصداق بن رہے ہیں۔

اِذَا مَاتَ اِبْنُ آدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ، اَوْوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ۔

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، صرف تین اعمال باقی رہ جاتے ہیں۔ اول کوئی صدقہ جاریہ جو اس نے کیا

ہوا دوم نفع پہنچانے والا علم چھوڑا ہوا سوم ایسی اولاد چھوڑی ہو جو اس کے لئے دعا کرے۔

ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سابقہ ایڈیشن کی طرح اس ایڈیشن سے بھی' اور اسی طرح مؤلف مرحوم کی دوسری تصنیفات سے بھی لوگوں کو نفع پہنچائے۔ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ مُجِيْبٌ۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

زہیر الشاویش

بیروت ۵ / ۲ / ۱۳۹۰ھ



دیباچہ طبع اول

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ وَ الْمُصْلِحِيْنَ۔ وَ بَعْدُ:

دنیا میں مردان اصلاح کی حیثیت ان شمعوں کی ہے جن سے تاریکی میں علم و حکمت کی روشنی پھیلتی ہے، اصلاح کی اس روشنی سے ظلمت پسند آنکھوں کو تکلیف پہنچتی ہے، اور جمہور کی غفلت سے منفعت اندوزی کے خوگر اس روشنی سے کترانے لگتے ہیں، لیکن شمع اصلاح اپنا عمل جاری رکھتی ہے، مخالفانہ کوششوں کا سلسلہ بھی خفیہ و اعلانیہ جاری رہتا ہے، اور پھر نور الٰہی کو پورا غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

نیک بندوں کے مذہب کی اشاعت سے جب نور الٰہی کا اتمام ہو جاتا ہے اور اسے ماننے والوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو ایسے وقت میں ان کے مضبوط و محفوظ قلعہ کے سامنے شیطان آ کھڑا ہوتا ہے۔ جب وہ اسے باہر سے کھول نہیں پاتا تو اندر سے داخل ہونے کے لئے حق و باطل کو خلط ملط کرتا ہے اور دین میں بدعتوں کے لئے اس خیال سے لوگوں کو اکساتا ہے کہ اس طرح دین کامل ہوگا اور اس پر اچھی طرح عمل ہو سکے گا۔ دین کی مثال پانی کے چشمہ کی ہے جو پہاڑ کے دامن سے صاف و شیریں بن کر چلتا ہے، لیکن مختلف مقامات سے گزرتے ہوئے ہاتھوں کے لگنے سے اس کی صفائی و شیرینی مکدر ہو جاتی ہے، ایسے وقت میں دوسری چیزوں کو صاف کرنے والے پانی کو خود صفائی کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔

لَوْ بِغَيْرِ الْمَاءِ حَلْقِيْ شَرِقٌ كُنْتُ كَالْغَصَّانِ بِالْمَاءِ اِعْتِصَارِيْ

ترجمہ:۔ "پانی کے علاوہ کسی چیز سے اچھو لگتا ہے تو میں اسے پانی کے ذریعہ اتارتا ہوں۔"

ایسے وقت میں مصلحین کی ضرورت محسوس ہوتی ہے' اور ان کی روشنی ان قوموں میں پھیلتی ہے جن کا اللہ تعالیٰ بھلا چاہتا ہے' شاید رسول اکرم ﷺ' مصلح اعظم محمدؐ بن عبداللہ ﷺ کے اس فرمان مبارک کا یہی معنی ہے۔

يَبْعَثُ اللّٰهُ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ أَمْرَ دِيْنِهَا۔ [1]

امت کے دین کی تجدید کیلئے اللہ تعالیٰ ہر صدی میں کسی شخص کو بھیجے گا۔

شاید دینی' اخلاقی' قومی اور دیگر امور میں ہماری بد حالی کے سبب مسلم و عرب ممالک میں مصلحین کی ایک بڑی تعداد ظہور میں آئی ان مصلحین نے پورے خلوص کے ساتھ امت کو صدر اول کے فطری اسلام کی طرف پلٹنے کی دعوت دی جو چشمے کے پانی کی طرح صاف و شیریں ہے۔ ان کی دعوت میں یہ مطالبہ بھی تھا کہ یورپ نے علم و صنعت کے میدان میں جو ترقی کی ہے اس کی روشنی میں اپنے آپ کو مضبوط بنانا بھی ضروری ہے۔

سید جمال الدین قاسمیؒ کا شمار دینی اصلاح کی انہیں مشعلوں میں ہوتا ہے جن سے چودھویں صدی ہجری کی پہلی تہائی (ثلث) میں ہماری تاریک زندگیاں منور ہوئیں۔ ان کے علم وفضل سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا' پھر وہ اپنے علمی آثار کو چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے اور ان آثار نے اصلاح و تلقین کا عمل جاری رکھا۔

اس وقت ہم شیخ قاسمیؒ کی ایک انتہائی مفید و اہم کتاب اہل فضل کی خدمت میں پیش کرتے ہیں' یہ کتاب ہے "اِصْلَاحُ الْمساجِدْ مِنَ الْبِدْعِ وَالْعَوَائِدْ" ...... ہمارے خیال میں اس موضوع پر عربی زبان میں یہ ایک بے نظیر کتاب ہے۔ ہمیں قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ موجودہ اور آئندہ نسلوں کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے گا۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ۔

محب الدین الخطیب القاهرة' اول رمضان ۱۳۴۱ھ

---

[1] صحیح حدیث ہے' اس کی تخریج کے لئے ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۵۹۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَمَرَ بِالدَّعْوَةِ اِلٰی سَبِیْلِهٖ ' وَ جَعَلَ الْخَیْرَ وَالْفَضْلَ فِیْ قَبِیْلِهٖ ' وَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتِمِ النَّبِیِّیْنَ وَ اِمَامِ الْمُرْسَلِیْنَ ' وَعَلٰی آلِهٖ الطَّاهِرِیْنَ وَ اَصْحَابِهٖ الطَّیِّبِیْنَ اَمَّا بَعْدُ:

"چونکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر دین میں قطب اعظم کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی ذمہ داری کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مبعوث فرمایا ہے۔ اس لئے ہر قدرت والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس راہ پر خود کو ڈالے تاکہ بدعت و گمراہی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر نہ ہو جائے اور سنت کے مٹنے سے راہ حق کے نشانات دھندلے نہ ہو جائیں۔ چونکہ بدعات کا حال آسمان کے بادلوں جیسا ہے جنہیں کسی شمار و قطار میں نہیں رکھا جا سکتا' اس لئے میں نے مساجد سے متعلق بدعات و رسوم میں سے کچھ کو ذکر کر کے بقیہ بدعات کے احکام واضح کرنے کی کوشش کی ہے دمشق کی بعض مسجدوں میں امامت و تدریس میرا آبائی پیشہ تھا' اس طرح مجھے یہ احساس ہوا کہ مساجد میں جو بدعات و رسوم پھیل گئی ہیں ان کے بارے میں عوام کو آگاہ کرنا ضروری ہے' کیونکہ زندگی کے ہر شعبہ میں نگراں کا فرض ہے کہ وہ اپنے رفقاء و متعلقین کو صحیح راہ سے آگاہ کرے' حدیث شریف میں وارد ہے کہ:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔[1]

تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے' اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

---

[1] ابن عمرکی یہ حدیث صحیح و متفق علیہ ہے' ملاحظہ ہو "تخریج الحلال والحرام" (۲۶۷)

اسی بنیاد پر میں نے نصرت الٰہی کے بھروسے اس کام کو شروع کیا' مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کی توفیق بخشے گا۔

میں نے مختلف کتابوں کے مطالعہ کے بعد تمام مفید مسائل اس کتاب میں درج کر دیئے ہیں' اور بتقاضائے امانت جزئیات کو اصل کی طرف منسوب کیا ہے' تاکہ شکی لوگوں کو اطمینان اور مومنوں کو ثبات حاصل ہو' اس طرح اپنے موضوع پر یہ کتاب منفرد اور طالبان حق کی آرزوؤں کی تکمیل ہے۔

اس سے پہلے کسی نے اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا تھا کہ اس کے تتبع کا سوال پیدا ہو' میں نے اپنی صواب دید سے اس کی ترتیب و تبویب کا کام کیا ہے' اور اسے میں اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان سمجھتا ہوں' اور اسی سے ہم مدد چاہتے ہیں اور ہمیشہ اسی پر بھروسہ ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مُقدمہ

ا۔ راہ حق پر استقامت یا انحراف کو پرکھنے کا معیار

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَتٌه لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرِ۔ (الاحزاب:۲۱)

تم میں سے جو اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں ان کے لئے رسول اللہ صلی ﷺ کی ذات میں نمونہ ہے۔

اور فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران:۳۱)

"آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم کو دوست رکھے گا۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (الاعراف: ۱۵۸)

رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرو تاکہ راہ پا سکو۔

ایک جگہ فرمایا:

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (الانعام: ۱۵۴)

یہ میرا سیدھا راستہ ہے' اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو' وہ تمہیں اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گے' اللہ تمہیں اس کا حکم دیتا ہے

تاکہ تم متقی بن سکو۔

یہاں جس صراط مستقیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اس سے وہی راستہ مراد ہے جس پر نبی ﷺ اور صحابہ کرام چلتے تھے' یہی درمیانی راہ ہے اور اس کے خلاف تمام راستے غلط ہیں۔ صراط مستقیم سے انحراف کی صورتیں بے شمار ہیں' ان تمام کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں۔

راہ حق پر استقامت یا اس سے انحراف کو پرکھنے کا معیار رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کی راہ ہے۔ اس راہ سے منحرف ہونے والا یا تو ظالم ہو گا یا مجتہد یا تاویل پسند یا مقلد یا جاہل۔ ان میں سے بعض سزا کے مستحق ہوں گے' بعض بخش دیئے جائیں گے اور بعض کو صرف ایک نیکی ملے گی' یہ درجات نیت' مقصد اور اللہ و رسول کی اطاعت میں کوشش و تقصیر کے لحاظ سے متعین ہوں گے۔ صراط مستقیم پر وہی شخص مانا جائے گا جو نبی ﷺ کی جملہ امور میں اتباع کرے' اسی کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھے گا اور اسی کے گناہوں کی مغفرت کرے گا۔ اور جو نبی ﷺ کے قول و فعل کی مخالفت کرے گا۔ وہ بدعتی اور شیطانی راہ پر چلنے والا شمار ہو گا۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی محبت' مغفرت اور احسان کا مستحق نہیں ہو گا۔[1]

۲۔ بدعت پر وعید

یہ بات مخفی نہیں کہ نبی ﷺ' صحابہ اور تابعین سب نے مسلمانوں کو بدعت سے روکا اور اطاعت کا حکم دیا ہے کیونکہ یہی نجات کا ذریعہ ہے۔ قرآن کریم میں اس اتباع کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔

(آل عمران:۳۱)

---

[1] ملاحظہ ہو ابن قیم کی کتاب اغاثۃ اللھفان کا تیرھواں باب جس میں شیطانی چالوں کا ذکر ہے۔

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

ایک جگہ فرمایا:

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ۔ (الانعام: ۱۵۴)

یہ میرا سیدھا راستہ ہے' اسی کی پیروی کرو۔

ان آیات سے ہمارے دعویٰ کی صراحتاً تائید ہوتی ہے۔:

ابوالحجاج سعید بن جبیر مکی سے جو عظیم تابعی اور امام المفسرین مانے جاتے ہیں' مروی ہے کہ لاتتبعوا السبل میں "السبل" سے بدعات و شبہات مراد ہیں۔ ایک مقام پر ارشاد ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ' ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۔ (النساء: ۵۹)

اگر کسی معاملہ میں تمہارے اندر تنازع ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو' اگر تمہیں اللہ اور یوم آخرت پر یقین ہو' یہی بہتر اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے۔

فقہا تابعین میں میمون بن مہران کا قول ہے کہ تنازع کو اللہ کی طرف لوٹانے کے معنی قران کی طرف لوٹانا ہے' اور اللہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے کے معنی حدیث کی جانب لوٹانا ہے۔

صحیح مسلم میں عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مجھ سے پہلے جتنے نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا سب کے لئے حواری بنائے تھے جو نبی کی سنت پر عمل کرتے اور ان کے حکم کی پیروی کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد جو لوگ آئے وہ جو کچھ کہتے تھے اس پر عمل نہیں کرتے تھے' اور جن باتوں کا حکم دیا جاتا تھا انہیں بجا نہیں لاتے تھے۔ ایسے لوگوں سے ہاتھ کے ذریعہ جہاد کرنے والا مومن ہے' اور دل کے ذریعہ جہاد کرنے والا بھی مومن ہے' لیکن اس کے علاوہ

ایمان کا ایک حبہ بھی نہیں۔"

صحیح مسلم ہی میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنے خطبہ میں فرماتے تھے کہ بہترین بات کتاب اللہ ہے' اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے' اور بد ترین کام نیا کام ہے' اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے' بیہقی میں یہ بھی اضافہ ہے کہ "ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔"[1]

بخاری و مسلم اور سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی وہ مردود ہے۔[2]

امام دارمی نے ذکر کیا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے ابن مسعود سے کہا کہ میں نے مسجد میں لوگوں کو نماز کے انتظار میں حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے دیکھا' سب کے ہاتھ میں کنکریاں تھیں' ہر حلقہ میں ایک آدمی ان سے کہتا کہ سو ۱۰۰ بار اللہ اکبر پڑھو تو وہ پڑھتے۔ پھر وہ کہتا کہ سو ۱۰۰ بار لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ پڑھتے' پھر وہ کہتا کہ سو بار سبحان اللہ پڑھو تو وہ پڑھتے۔ ابن مسعود نے کہا کہ آپ کو ان سے کہنا چاہیے تھا کہ اپنی برائیوں کو شمار کرو' اور میری یہ ذمہ داری ہے کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ پھر ابن مسعود ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس آئے۔ اور کھڑے ہو کر فرمایا کہ تم لوگ یہ کیا کر رہے ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ: اے ابو عبدالرحمٰن' یہ کنکریاں ہیں جن پر ہم تکبیر و تحمید پڑھتے ہیں۔ ابن مسعود نے کہا کہ اپنی برائیوں کو شمار کرو' میرا ذمہ ہے کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی' افسوس اے امت محمدؐ' تمہاری ہلاکت کے دن کتنی تیزی سے آگئے' نبی ﷺ کے اصحاب موجود ہیں' آپ کے کپڑے اور برتن بھی محفوظ ہیں (اور تم راہ حق سے ابھی بھٹک رہے ہو) قسم ہے اس

---

[1] اسے نسائی نے بھی ذکر کیا ہے' اس کی سند صحیح ہے ملاحظہ ہو "الاجوبة النافعة" ص ۷۴ اور "الارواء" ص ۶۰۸۔

[2] حضرت عائشہؓ کی یہ روایت متفق علیہ ہے اور اس کی تخریج "الحلال والحرام" میں موجود ہے۔

ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' کیا تم محمد ﷺ کے مذہب سے بہتر مذہب پر ہو' یا گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو؟ ان لوگوں نے قسم کھا کر کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن' ہمارے ارادہ میں صرف خیر تھا۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ بہتیرے خیر ڈھونڈنے والے خیر تک نہیں پہنچ پاتے۔ [۱]

دارمی ہی نے حضرت عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ اتباع کرو' بدعت نہ اختیار کرو کیونکہ دینی امور میں تمہاری کفایت کی جا چکی ہے۔ [۲]

مزید فرمایا کہ سنت کے اندر میانہ روی بدعت میں جہد و جہد سے بہتر ہے۔ اور فرمایا علم اٹھنے سے پہلے اسے حاصل کرو' اور علم اٹھنے کے معنی علماء کا اٹھنا ہے' خبر دار...... تکلف' تعمق اور بدعت سے بچو' اور قدیم کو لازم پکڑو۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ غالم کی لغزش' قرآن سے منافق کا مجادلہ' اور گمراہ اماموں کی حکومت اسلام کی عمارت کو منہدم کر دیتی ہے۔

ان کا یہ قول بھی ہے کہ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کے متشابہات کو لے کر تم سے بحث کریں گے' ایسے لوگوں کی احادیث سے گرفت کرو' کیونکہ اصحاب الحدیث کتاب اللہ کو زیادہ جانتے ہیں۔

ابن عباس کا ارشاد ہے کہ تقویٰ اور استقامت کو لازم پکڑو' اتباع کرو اور بدعت نہ اختیار کرو۔

انہی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے ناپسندیدہ کام بدعات ہیں' اور ان مسجدوں میں اعتکاف بھی بدعت ہے جو گھروں میں ہوں۔ [۳]

---

[۱] اس کی اسناد صحیح ہے جیسا کہ میں نے "الرد علی الشیخ الحبشی" ص ۴۵ - ۴۷ میں بیان کیا ہے۔

[۲] اس کی اسناد صحیح ہے۔

[۳] ان میں سے اکثر اقوال کی سند ضعیف ہے' مصنف نے انہیں بحوالہ دارمی ابوشامہ سے نقل کیا ہے۔

سنن ابوداؤد میں حذیفہ بن یمانؓ سے مروی ہے کہ جس عبادت کو صحابہ نے نہ کیا ہو اسے تم بھی نہ کرو' کیونکہ پہلے نے بعد والے کے لئے کوئی بات نہیں چھوڑی ہے' اے قراء کی جماعت' اللہ سے ڈرو اور پہلے کے لوگوں کی راہ اختیار کرو۔[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے کلام میں مذکور ہے کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے' اس کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرنے' سنت نبوی کا اتباع کرنے اور بدعتیوں کی بدعت کو چھوڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔

محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ جس نے کسی بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کو منہدم کرنے میں مدد کی۔

ابو معشر کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن موسیٰ سے ان خواہشات کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے اندر ذرہ برابر بھلائی نہیں' یہ شیطانی وسوسے ہیں' تم قدیم طریقہ کو لازم پکڑو۔

عبدالملک بن مروان نے غضیف بن حارث سے قصوں اور منبر پر ہاتھ اٹھانے کے متعلق پوچھا تو غضیف نے جواب دیا کہ دونوں چیزیں تمہاری پسندیدہ ایجاد میں سے ہیں' میں ان کے بارے میں تمہاری موافقت نہ کروں گا کیونکہ نبی ﷺ کا یہ فرمان مجھے معلوم ہے کہ جب کوئی امت کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس کی جگہ ایک سنت ضائع ہو جاتی ہے۔ میرے نزدیک سنت کی پابندی بدعت کی ایجاد سے محبوب تر ہے۔[2]

ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے خواہ لوگ اسے بہتر سمجھیں۔[3]

---

[1] سنن میں یہ قول مجھے نہیں ملا' مصنف کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی اسے ابوداؤد کی جانب منسوب کیا ہے' مصنف نے شاید انہیں کی پیروی کی ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] اس کی اسناد ضعیف ہیں۔

[3] اس کی اسناد صحیح ہیں۔

ان تمام اقوال کو امام دارمی نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے اور ان سے امام ابوشامہ دمشقی نے اپنی کتاب "الباعث عن انکار البدع والحوادث" میں نقل کیا ہے۔

۳۔ بدعت کا مفہوم

اس لفظ کا اصل مفہوم اختراع ہے' کسی سابقہ اصل کے بغیر جو چیز وجود میں لائے جائے اسے بدعت کہتے ہیں۔ اَبْدَعَ اللّٰهُ الْخَلْقَ کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ابتداً پیدا کیا' قرآن میں وارد ہے:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے۔

اسی طرح ارشاد ہے:

قُلْ مَاكُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف: ۹)

میں اہل زمین کے پاس پہلا یا انوکھا رسول نہیں ہوں۔

اس لفظ کا اطلاق دل' زبان اور اعضاء ہر ایک کی اختراع پر ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر بدعت اس مکروہ ایجاد کو کہتے ہیں جسے دینی رنگ دے دیا جائے۔ اسی طرح "مبتدع" کا لفظ مذمت کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن اصل اشتقاق کے لحاظ سے یہ لفظ مدح و ذم دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بغیر سابقہ مثال کے کسی چیز کو بنایا جائے۔ جوہری کا قول ہے کہ "بدیع" مبتدع کو کہتے ہیں اور بدعت دین کی تکمیل کے بعد اس میں کسی ایجاد کا نام ہے۔ انتہٰی۔

جو چیز نبی ﷺ کے دور میں بصورت فعل یا تقریر نہ رہی ہو یا شرعی قاعدہ سے جس کی اجازت یا ممانعت کا علم نہ ہو اسے بدعت کہیں گے۔ اسی حکم میں صحابہ کے دور کے وہ اقوال' افعال یا تقاریر بھی داخل ہیں جن پر ان کا اتفاق ہے' اور اسی طرح ان کے اختلافی امور بھی' کیونکہ اجتہاد و تردد کی گنجائش کے باوجود انکا اختلاف رحمت

ہے۔ [1] دوسروں کے لئے صرف اتباع ضروری ہے اختراع کا کوئی حق نہیں۔

ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ "تمہیں اللہ تعالیٰ کوئی ایسی بھلائی نہیں دے سکتا جو صحابہ کرامؓ سے پوشیدہ رہ گئی ہو جب کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھی اور مخلوق میں سب سے بہتر تھے۔" اس قول میں دین کے اندر غلو کو چھوڑنے اور سلف صالح کی اقتداء کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لَاتَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَق۔

(النساء: ۱۷۱)

اے کتاب والو! اپنے مذہب میں حد سے نہ نکلو اور سوائے سچی بات کے اللہ کے ذمہ مت لگایا کرو۔

اس لئے جو شخص بھی کوئی غیر شرعی کام اس طرح کرے کہ لوگ اسے شرعی سمجھیں تو وہ غالی' بدعتی اور زبان قال یا حال سے اللہ کے بارے میں ناحق بات کہنے والا مانا جائے گا۔ مروی ہے کہ ایک آدمی نے مالک بن انس سے سوال کیا کہ میں کہاں سے احرام باندھوں؟ امام مالک نے جواب دیا کہ جہاں سے رسول اللہ نے احرام باندھا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر میں اس سے پہلے ہی سے باندھ لوں تو کیسا رہے گا؟ امام مالک نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو' مجھے تمہارے بارے میں فتنہ کا خوف ہے۔ اس نے کہا کہ بھلائی کی زیادتی میں کیا فتنہ ہو گا؟ امام مالک نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] میں کہتا ہوں کہ: اختلاف کبھی رحمت تھا نہ ہو سکتا ہے' اس کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ اگر اجتہاد و اخلاص کی بناء پر ہو گا تو بخش دیا جائے گا' اور " اختلاف أمتي رحمة " یا اس مفہوم کی دوسری حدیثیں روایت و درایت کے لحاظ سے صحیح نہیں ہیں جیسا کہ "الاحادیث الضعیفہ" میں' میں نے تحقیق کی ہے ملاحظہ ہو نمبر ۵۷ - ۶۲

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ۔ (النور : ۶۳)
مخالفت کرنے والوں کو فتنہ سے ڈرنا چاہیے۔

تمہارے اس خیال سے بڑا فتنہ کیا ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ کو جو فضیلت نہیں ملی اُسے تم حاصل کر لو گے۔[1]

۴۔ بدعت کی تقسیم

بدعات کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے' ایک مستحسن' دوم قبیح۔ حرملہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: بدعت دو طرح کی ہوتی ہے' ایک محمود اور ایک مذموم۔ جو سنت کے موافق ہو وہ محمود ہے اور جو مخالف ہو وہ مذموم"۔ انہوں نے تراویح کے بارے میں حضرت عمرؓ کے اس قول کو حجت بنایا کہ "نعمت البدعۃ"[2] یعنی یہ ایک نئی چیز ہے پہلے نہیں تھی' لیکن اس کا وجود کسی سابقہ

---

[1] الباعث لابی شامہ۔

[2] میرا قول یہ ہے کہ یہ بات دقیق نہیں اس لئے کہ نبی ﷺ نے تراویح جماعت سے ادا فرمائی' جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا ہے' بلکہ اس کے لئے ترغیب میں فرمایا کہ جو شخص امام کے ساتھ قیام کرے گا اسے پوری رات کے قیام کا ثواب ملے گا۔ اس حدیث کو صحیح سند سے اصحاب سنن وغیرہ نے بیان کیا ہے اور میں نے "صلاۃ التراویح" ص ۱۷ میں اس کی تخریج کی ہے' ایسی صورت میں باجماعت تراویح کو "محدث" یعنی نیا امر کیسے کہا جا سکتا ہے؟ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے قول "نعمت البدعۃ ھٰذہٖ" سے شرعی بدعت نہیں مراد ہے' کیونکہ ہر شرعی بدعت گمراہی ہے۔ بلکہ انھوں نے لغوی بدعت مراد لی ہے یعنی نیا کام جو پہلے نہ ہوا ہو' اور بلاشبہ ایک امام کی اقتداء میں تراویح کی باجماعت نماز حضرت عمر یا ابوبکر کے عہد میں معروف نہ تھی' اسی لئے اسے بدعت کے لفظ سے موسوم کیا' پھر اسے مستحسن اس لئے قرار دیا کہ اس کی تحسین پر شرعی دلیل موجود تھی۔ مختصراً عرض ہوا۔ لیکن یہ مسئلہ تفصیل کا طالب ہے اور یہاں اس کی گنجائش نہیں۔ تفصیل کے لئے =

امر کی تردید نہیں کرتا۔[1] اور ایسا اس لئے کہ نبی ﷺ نے قیام رمضان کی ترغیب دی اور خود مسجد میں قیام بھی فرمایا' بعض صحابہ نے کئی راتوں میں آپ کی اقتداء کی' پھر فرضیت کے خوف سے آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ جب نبی ﷺ کی وفات کے بعد یہ ڈر ختم ہو گیا تو صحابہ اکرام نے مسجد میں باجماعت قیام رمضان پر اتفاق کر لیا کیونکہ اس میں ایک ایسی سنت کا احیاء تھا جس کا نبی ﷺ نے حکم دیا تھا اور جسے آپ نے خود بھی کیا تھا اور کرنے کی ترغیب بھی دی تھی۔

اس روشنی میں بدعت حسنہ جس کے مستحب اور باعث اجر و ثواب ہونے پر اتفاق ہے' ہر اس نئے کام کو کہیں گے جو تمام شرعی قاعدوں کے موافق ہو اور اس کو کرنے سے شریعت کے کسی حکم کی مخالفت نہ ہوتی ہو جیسے مناروں' مدرسوں' مسافر خانوں وغیرہ کی تعمیر جن کا عہد اول میں وجود نہ تھا' کیونکہ اس طرح نیکی کرنے اور نیکی کے کام پر تعاون کرنے سے شرعی حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔

۵۔ دین میں بدعت مردود ہے

یہ سب کو معلوم ہے کہ عبادات کا دارومدار کتاب و سنت پر ہے' ساتھ ہی دل کا اخلاص اور صحیح توجہ الی اللہ بھی ضروری ہے' اس لئے ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان تمام عبادتوں کو ٹھکرا دے جو اصلاً یا شکلاً کتاب و سنت سے ثابت نہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ بتادیا ہے کہ دین کی تکمیل کا انعام ہم پر ہو چکا ہے' اس پر کسی طرح کی زیادتی آیت قرآن ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ۔ الخ ﴾ اور حدیث نبویؐ

= دیکھئے میرا مذکورہ رسالہ یا امام شاطبی کی "الاعتصام" ناصر الدین۔

[1] اسے بخاری نے حضرت عمرؓ کی جانب سے تراویح با جماعت کی سنت کے احیاء سے متعلق حدیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور میں نے اس کی تخریج "صلاۃ التراویح" ص ۴۷' ص ۴۸ میں کی ہے۔

((مَنْ اَحْدثَ فِیْ اَمْرِنَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَھُوَرَدٌّ)) کے مخالف ہوگی۔

اور تمام بدعات جن میں کچھ اچھی اور کچھ بری ہیں' یہ وہ اختراعات ہیں جن کا تعلق معاشی امور اور اس کے وسائل و مقاصد سے ہے' اور اس حدیث سے وہی مراد ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ "جو شخص کسی اچھے طریقے کو رواج دے گا اسے اس کا اور قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا" اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر ہمیں نماز کی رکعتوں اور سجدوں میں اضافہ کا حق حاصل ہوتا۔ (یہ بعض فضلاء کی تحقیق ہے) واللہ اعلم۔

۶- بدعتی مبغوض ہے

معلوم ہوا جو لوگ اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں وہ اللہ ہی کے لئے بغض بھی رکھتے ہیں۔ اگر تم کسی انسان سے اس لئے محبت رکھتے ہو کہ وہ اللہ کا فرمانبردار اور محبوب ہے تو یقیناً اللہ کی نافرمانی کے بعد تم اسے ناپسند کرو گے کیونکہ اب وہ اللہ کی نظر میں معتوب ہے۔ محبت کا جو سبب ہوگا اس کا مخالف بغض کا سبب بنے گا' یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں' بغض و محبت میں بھی ان کی کارفرمائی ہے' لیکن بغض و محبت میں سے ہر ایک دل کے اندر مدفون رہتا ہے' اور غلبہ کے وقت اس کا پتہ چلتا ہے' بغض و محبت رکھنے والوں کے فعل سے بھی ان دونوں اوصاف کا پتہ چلتا ہے کیونکہ محبوب سے انسان قریب اور مبغوض سے دور رہتا ہے' فعل کی صورت میں ظاہر ہونے والے اثر ہی کو دوستی اور دشمنی کا نام دیا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلْ وَالَیْتَ فِیَّ وَلِیًّا وَ هَلْ عَادَیْتَ فِیَّ عَدُوًّا۔ [1]

میرے کسی دوست کو دوست رکھا' اور میرے کسی دشمن سے دشمنی کی۔

بغض کا اثر اعراض' دوری' بے توجہی' استخفاف' سخت کلامی اور نرمی و مدد پر

---

[1] حدیث قدسی ہے' میں کہتا ہوں کہ سنت کی معتمد کتابوں میں سے کسی میں مجھے یہ نہیں ملی۔

رکاوٹ کی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے:

اللہ کے لئے جن سے دشمنی رکھی جاتی ہے ان میں بدعتی بھی ہے۔ ایسا شخص اگر کسی گمراہ کن بدعت کی دعوت دے تو اس سے دشمنی کا اظہار، بے تعلقی و تحقیر، بدعت کی مذمت اور لوگوں کو اس سے دور رکھنا مستحب ہے۔ اور اگر بدعتی ایسا عام انسان ہو جسے دوسروں کو دعوت دینے پر قدرت نہ ہو یا لوگوں کی طرف سے اس کی پیروی کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے ساتھ سختی کے بجائے نرمی کا برتاؤ کیا جائے گا اور اسے سمجھانے کی کوشش کی جائے گی کیونکہ عوام کے دل بہت جلد بدل جاتے ہیں، اگر نصیحت مفید نہ ہو تو اعراض سے بدعت کو وہ خود ناپسند کرنے لگے تو ایسی صورت میں اعراض مستحب ہوگا۔ اور اگر طبیعت کے جمود اور باطل عقیدے کی پختگی کی وجہ سے بدعت کو قبیح تصور نہ کرے تو اعراض اولیٰ ہوگا کیونکہ بدعت کی غیر معمولی مذمت نہ کی جائے گی تو اس کی اشاعت ہوگی اور فساد پھیلے گا۔ [1]

۷۔ رسم بد نکالنے پر وعید

امام مسلم وغیرہ نے وفد مضر سے متعلق حضرت جریرؓ سے مروی حدیث ذکر کی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمَلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئٌ وَ مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمَلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُنْقَصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ۔

اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے کو اس کا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا، ان میں سے کسی کے اجر میں کمی نہ ہوگی۔

---

[1] احیاء العلوم للغزالی۔

اور برا طریقہ ایجاد کرنے والے کو اس کا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ ہو گا' اور ان کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہو گی۔

۸۔ حرام و مکروہ برائیوں کا انکار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر چھوٹے بڑے نئے کام یا نئی رسم پر سختی سے نکیر کرتے تھے' خواہ اس کا تعلق معاملات سے ہو یا عبادات سے یا اذکار سے۔

برائی دو قسم کی ہوتی ہے' ایک مکروہ' دوسری حرام۔ مکروہ برائی سے روکنا مستحب اور اس پر خاموشی مکروہ ہے' اگر فاعل کو اس کی کراہت کا علم نہ ہو تو خاموشی حرام اور تنبیہ واجب ہے' کیونکہ کراہت بھی ایک شرعی حکم ہے جسے ناواقفوں تک پہنچانا ضروری ہے رہی حرام برائی تو قدرت کے بعد اس پر خاموشی اختیار کرنا حرام ہے۔[1]

۹۔ بدعات پر خاموشی کے مفاسد

اللہ' رسول اور دین کے بارے میں غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ جن چیزوں کا دین سے تعلق نہیں اور دین میں داخل کی گئی ہیں' انہیں ٹھکرا دیا جائے اور لوگوں کو ان سے متنفر کیا جائے' کیونکہ ان چیزوں پر خاموشی سے درج ذیل مفاسد پیدا ہوں گے:

(۱) عوام انہیں درست اور بہتر سمجھنے لگیں گے۔

(۲) ان سے لوگ گمراہ ہوں گے اور باطل پرستی کو سہارا ملے گا۔

(۳) عالم کی خاموشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عوام کے غلط بات منسوب کرنے کا سبب بنے گی کیونکہ وہ بدعت کو سنت کہیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات کے انتساب کا سبب بننا جائز نہیں کیونکہ اس سے عوام حدیث کی اس وعید کے مستحق ہوں گے:

---

[1] احیاء العلوم للغزالی

مَنْ كَذَّبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔[1]

مجھ پر قصداً جھوٹ کہنے والے کو جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالینا چاہیے۔

۴) ایک عالم جسے لوگ رہبر اور صالح تصور کرتے ہیں جب بدعت کا ارتکاب کرے گا تو گویا زبان حال سے وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جھوٹ منسوب کر رہا ہے۔ بدعات کا عموماً رواج اسی طرح ہوتا ہے۔ لوگ بدعتی شخص کو عالم و متقی تصور کر کے اس کے تمام اقوال و افعال کی پیروی شروع کر دیتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ مِمَّا اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِیْ اَئِمَّةً مُضِلِّیْنَ۔

امت کے بارے میں مجھے گمراہ اماموں سے ڈر ہے۔

اس حدیث کو ابن ماجہ اور ترمذی نے ذکر کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے' ایک صحیح حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِمَوْتِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔[2]

اللہ تعالیٰ لوگوں سے علم کو علماء کی موت کے سبب اٹھا لے گا' پھر جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار مان لیں' یہ لوگ بلا علم فتویٰ دے کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

---

[1] یہ صحیح اور متواتر حدیث ہے' امام طبرانی نے ایک رسالہ میں اس کے تمام طرق جمع کر دیئے ہیں یہ رسالہ مکتبہ ظاہریہ دمشق کے مخطوطات میں محفوظ ہے۔

[2] اسے بخاری و مسلم نے ذکر کیا ہے' مصنف نے حدیث کا مفہوم ذکر کیا ہے' الفاظ میں فرق ہے۔

امام طرطوشی کہتے ہیں کہ اس حدیث پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو علماء کی موجودگی میں نقصان نہیں پہنچ سکتا بلکہ علماء کے اٹھ جانے کے بعد جب نا اہل لوگ فتویٰ دیں گے تو یہ چیز باعث ہلاکت ہوگی۔ اسی مفہوم کو حضرت عمرؓ نے یوں ادا کیا ہے: امانتدار کبھی خیانت نہیں کر سکتا بلکہ غیر امانتدار کو امین بنادیا جاتا ہے تو وہ خیانت کرتا ہے۔"

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ عالم کبھی بدعت نہیں کر سکتا' البتہ جاہلوں سے فتویٰ پوچھا جاتا ہے تو وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امام ربیعہ ایک دن شدت سے رو رہے تھے' لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا مصیبت نازل ہو گئی؟ انہوں نے کہا کہ کوئی مصیبت نہیں نازل ہوئی ہے لیکن اب ایسے لوگوں سے فتویٰ پوچھا جاتا ہے جو کچھ نہیں جانتے' اور اسلام کے لئے خطرناک چیز ہے۔[1]

۱۰۔ بدعت سے غیر متعلق مسائل میں عالم کا فرض

یہ بات واضح ہے کہ سلف صالحین نے نبی ﷺ کی سیرت و سنت کو ہم تک پہنچایا' اس کی تشریح کی اور صحیح و ضعیف کے مابین امتیاز کر کے کتب حدیث کو مدون کیا۔ ایسی صورت میں ایک عالم کے لئے ضروری ہے کہ جو مسائل پیش آئیں ان میں کتاب و سنت اور صحابہ کرام کے عمل کی جانب رجوع کرے' جو موافق مسائل ہوں انکی اجازت دے اور جو مخالف ہوں ان سے منع کرے۔ یہی ایمان و اتباع کا تقاضہ ہے۔ عالم کو استحسان نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ استحسان شریعت سازی کے مترادف ہے' ابو العباس احمد بن یحییٰ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن حسن' امام ربیعہ کے پاس زیادہ بیٹھا کرتے تھے۔ وہاں لوگوں نے ایک دن سنتوں کا ذکر کیا تو مجلس میں ایک

---

[1] الباعث لابی شامتہ

آدمی نے کہا کہ اس پر عمل نہیں ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ کیا اگر جاہلوں کی کثرت ہو اور وہی حاکم بن جائیں تو سنت پر حجت ہوں گے؟ ربیعہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء کی اولاد کا کلام ہے۔[1]

۱۱۔ عوام کے لئے غلط فہمی کا باعث بننے والے امور سے علماء کا اختلاف

دین کا یہ ایک ایسا باب ہے جس کا موضوع عبادات سے متعلق عقائد کی اصلاح اور عوام کی مالوف رسوم کے حکم پر تنبیہہ ہے۔ اس پر علماء صحابہ اور خلفاء راشدین پہلے ہی عمل کر چکے ہیں اور اس باب کو صالح اور بلند طریقوں میں شمار کیا ہے۔ اس پر دانشور علماء نے بھی تنبیہہ کی ہے۔

امام ابو شامہ نے اپنی کتاب "الباعث" میں لکھا ہے کہ: "عالم کو ایسا کام نہیں کرنا چاہئے۔ جس سے عوام کسی مخالف شریعت امر کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جائیں۔ صحابہ کرام نے بعض واجب یا موکد فعل کو اس ڈر سے نہیں کیا کہ لوگ غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ وہ لوگ اس ڈر سے قربانی نہیں کرتے تھے کہ عوام اسے واجب نہ سمجھ لیں۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے، پھر دو درہم نکالکر گوشت خریدنے کا حکم دیا اور کہا کہ یہ ابن عباس کی قربانی ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ابن عباس ہر سال قربانی کرتے تھے لیکن ان کا مقصد وہی تھا جس کی طرف حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اشارہ کیا تھا۔ ابو مسعود انصاری سے مروی ہے کہ "میں قربانی اس ڈر سے چھوڑ دیتا ہوں کہ میرے پڑوسی اور گھر والے اسے دیکھ کر مجھ پر واجب نہ سمجھ لیں۔ (ان اقوال کو حافظ البیہقی نے

---

[1] الباعث لابی شامہ

کتاب المعرفۃ میں ذکر کیا ہے)[1]

ابوبکر طرطوشی کہتے ہیں کہ "غور کیجئے' قربانی کے بارے میں مسلمانوں کے دو قول ہیں' ایک یہ کہ وہ سنت ہے' اور دوسرا یہ کہ واجب ہے۔ لیکن صحابہ نے اس سنت کو اس ڈر سے چھوڑ دیا کہ کہیں لوگ اس حکم کو غلطی سے فرض نہ سمجھ لیں"۔

امام طرطوشی آگے کہتے ہیں "اسی طرح کا حضرت عثمان بن عفانؓ کا واقعہ بھی ہے وہ جب سفر پر نکلتے تھے تو پوری نماز پڑھتے تھے' لوگوں نے ان سے کہا کہ کیا آپ نبی ﷺ کے ساتھ قصر نماز نہیں پڑھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ضرور پڑھتا تھا' لیکن اس وقت میں امام ہوں' دیہاتی لوگ مجھے دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو یہ سمجھیں گے کہ اتنی ہی فرض ہے۔[2]

طرطوشی کہتے ہیں کہ "غور کیجئے' قصر کے بارے میں اہل اسلام کے دو قول ہیں' بعض لوگ اسے فرض کہتے ہیں' اور بعض سنت مانتے ہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اس فرض یا سنت کو چھوڑنے کی جرائت اس لئے کی کہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ دو ہی رکعت نماز فرض ہے۔

انہی کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ لونڈیوں کو ازار پہننے سے روکتے تھے اور فرماتے

---

[1] یہ اقوال سنن کبریٰ ۹/۲۶۵ میں بھی مذکور ہیں اور ان کی اسناد صحیح ہے۔ قربانی کا حکم صحیحین وغیرہ میں نبی ﷺ سے ثابت ہے بلکہ آپ کا یہ فرمان بھی ثابت ہے۔ کہ: مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يَضح فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا یعنی جو وسعت کے بعد بھی قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ ممکن ہے یہ بات مذکورہ اشخاص کو معلوم نہ ہوئی ہو یا معلوم ہوئی ہو تو انہوں نے اس کی تاویل کر کے مستحب مانا ہو' لیکن آخری حدیث استحباب کی تائید نہیں کرتی' فتأمل۔

[2] یہ حضرت عثمانؓ سے ثابت نہیں' دیہاتی لوگ حجۃ الوداع میں نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے' آپ بھی ان کے امام تھے لیکن اتمام آپ سے ثابت نہیں۔

تھے کہ آزاد عورتوں کے ساتھ مشابہت نہ اختیار کرو[1] اپنے لڑکے عبداللہ سے فرمایا کہ "مجھے خبر ملی ہے کہ تمہاری لڑکی ازار پہنتی ہے اگر میں اسے دیکھ لوں گا تو بہت ماروں گا"۔ طرطوشی کہتے ہیں "یہ معلوم ہے کہ ازار بھی پردہ ہے' لیکن صحابہؓ سمجھتے تھے کہ شریعت کا مقصود حدود کی محافظت ہے' تاکہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ پردہ میں آزاد اور لونڈی دونوں برابر ہیں' اس طرح ایک سنت مردہ ہوگی اور بدعت زندہ۔

ابو شامہ کہتے ہیں "قربانی کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے رویئے سے مشابہ وہ روایت ہے جسے بیہقی نے کتاب السنن[2] میں عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے نقل کیا ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ جنازے کے آگے چلتے تھے اور علیؓ پیچھے' ان سے کہا گیا کہ دونوں صاحبان تو جنازہ کے آگے چلتے تھے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ انہیں یہ معلوم تھا کہ پیچھے چلنا آگے چلنے کے مقابلہ میں اتنا ہی افضل ہے جتنا باجماعت نماز تنہا نماز کے مقابلہ میں' لیکن ان لوگوں نے عوام کی سہولت کے لئے ایسا کیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے بھی ایک مرتبہ حضرت طلحہؓ کے ایک کام پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ جس کی ظاہری شکل سے جاہل عوام کے دھوکہ میں پڑنے کا اندیشہ تھا۔ مؤطا[3] میں نافع سے مروی ہے کہ انہوں نے اسلم کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ کو احرام کی حالت میں رنگین کپڑا پہنے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ طلحہؓ یہ کیا ہے؟ طلحہؓ نے جواب دیا کہ امیر المومنین یہ مٹی سے رنگا ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے

---

[1] (اسے بیہقی (۲/۲۲۶) نے نقل کیا ہے' اس کی سند میں ایک راوی احمد بن عبدالحمید ہے جس کے حالات مجھے نہیں ملے۔ لیکن بیہقی نے اس حدیث کے بعد لکھا ہے کہ اس بارے میں حضرت عمرؓ کے اقوال صحیح ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو "المحلی" لابن حزم۔

[2] (ج ۴ ص ۲۵' اس روایت میں زائدہ بن خراس ہے' بعض نے ابن اوس بن خراس الکندی بتایا ہے۔ بیہقی اور ابن ابی حاتم نے اس راوی کے بارے میں کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی ہے۔

[3] (انہی سے بیہقی (۶۔ ۵۰) نے نقل کیا ہے' اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

فرمایا کہ لوگو تم امام ہو' لوگ تمہاری اقتداء کریں گے' اگر کوئی جاہل اس کپڑے کو دیکھے گا تو ضرور یہ کہے گا کہ طلحہؓ احرام کی حالت میں رنگین کپڑا پہنے ہوئے تھے۔ اس لئے تم یہ رنگین کپڑے نہ پہنو۔

امام غزالی نے احیاء العلوم کے باب السماع میں لکھا ہے کہ "فاسقوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا منع ہے کیونکہ انسان جن کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا انہیں کے حکم میں داخل ہوگا۔ اس لئے جب کوئی سنت اہل بدعت کا شعار بن جائے گی تو ہم اس کو ترک کرنے کا فتویٰ دیں گے تاکہ ان کے ساتھ مشابہت نہ متحقق ہو[1] اسی وجہ سے قبہ پہننا اور سر پر کچھ بال چھوڑنا اور کچھ مونڈنا ایسے علاقوں میں ممنوع ہے جہاں اہل فساد ایسا کرتے ہوں۔

شہاب الدین ابن حجر نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ بہت سے لوگ نبی ﷺ کی ولادت کے ذکر کے موقع پر جو قیام کرتے ہیں وہ بدعت ہے' اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں وارد ہے۔ لوگ اس کام کو نبی ﷺ کی تعظیم کے خیال سے کرتے ہیں' عوام کو اس خیال سے معذور مانا جا سکتا ہے لیکن خواص کے لئے ایسا کام جائز نہیں۔

بدرالدین عینی شرح بخاری میں "مدینہ کے راستہ کی مساجد" کے باب میں لکھتے ہیں کہ "جب لوگ نوافل کی سختی سے پابندی کرنے لگیں تو عالم کے لئے مناسب

---

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ اہل بدعت کے ساتھ تشبہ کی کوئی شکل نہیں' بلکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تشبہ ہے' اگر کسی سنت کو فاسق اختیار کرلیں گے تو اس سے نبی ﷺ کے ساتھ تشبہ کا سابقہ حکم ختم نہیں ہوگا۔ فاسق کفار کے ساتھ جس تشبہ سے روکا گیا ہے وہ ایسی چیزوں سے متعلق ہے جو ان کی خصوصیات مانی جاتی ہیں۔ صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے رومی جبہ پہنا تھا' اگر اس میں رومیوں کے ساتھ تشبہ نہیں ہے تو فساق اگر نبی ﷺ کا لباس پہنیں تو اس میں بدرجہ اولی تشبہ نہ ہوگا۔ (ناصرالدین)

ہے۔ کہ رخصت پر عمل کرتے ہوئے وہ نوافل کو بعض اوقات چھوڑ دے تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ وہ واجب نہیں ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ نے قربانی کے سلسلہ میں کیا تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ نے جمعہ سے قبل سنت نہ ہونے سے متعلق اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ "مناروں کی اذان نبی ﷺ کے دور میں نہیں تھی' حضرت عثمانؓ نے اس کا حکم اس وقت دیا جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور امام کی آمد اور منبر پر بیٹھنے کے وقت کی اذان وہ سن نہیں پاتے تھے۔ یہاں پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جب تیسری اذان کو جاری کیا اور مسلمان اس پر متفق ہو گئے تو اسے شرعی حیثیت حاصل ہو گئی اور اس کے اور دوسری اذان کے مابین پڑھی جانے والی نماز جائز و مستحسن ہو گئی۔[1] مغرب سے پہلے والی نماز کی طرح سنت راتبہ نہ رہی۔ ایسی صورت میں اسے پڑھنے اور چھوڑنے والے دونوں فریق ناقابل ملامت ہیں' یہی سب سے معتدل قول ہے او اسی پر امام احمد ہیں۔ البتہ اگر جاہل اسے سنت راتبہ یا واجب سمجھنے لگیں تو اس کا چھوڑنا افضل ہوگا تاکہ انہیں یہ معلوم ہو سکے کہ یہ سنت یا واجب نہیں' خصوصاً لوگوں کی مداومت کی صورت میں کبھی کبھی اسے چھوڑنا مناسب ہے تاکہ فرض سے مشابہ نہ ہو' جیسا کہ اکثر علماء (یعنی مالکیہ' حنفیہ' اور حنابلہ) جمعہ کے دن سورہ سجدہ کی قرات پر مداومت نہ کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ نبی ﷺ سے ثابت ہے' تو اگر مسنون فعل پر مداومت مکروہ ہے تو غیر مسنون پر مکروہ کیوں نہ ہوگی۔ اور اگر کوئی دونوں اذانوں کے مابین کبھی کبھی نفل یا عصر و عشاء سے قبل کی نماز کی طرح دو اذانوں کے درمیان والی نماز کی حیثیت سے سنت راتبہ نہ سمجھتے ہوئے نماز پڑھ لے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر کوئی شخص ایسے لوگوں

---

[1] میں کہتا ہوں کہ اس پر کلام ہے جسے میں نے اپنے رسالہ "الاجوبتہ النافعہ" ۲۱ - ۳۳ میں بیان کیا ہے۔ (ناصر الدین)

کے بیچ ہو جو اس نماز کو پڑھتے ہوں اور اسے یقین ہو کہ منع کرنے پر مان جائیں گے تو ایسی صورت میں اسے چھوڑنا بہتر ہو گا۔ اور اگر ان کی طرف سے مخالفت کا ڈر ہو نیز وہ نماز پڑھنے میں لوگوں کی دل جوئی اور دوسرے مفید کاموں کے وقوع کی توقع ہو تو پڑھنا بہتر ہو گا۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ ایک ہی کام کا شرعی دلیلوں کی رو سے کرنا اور چھوڑنا دونوں بتقاضائے مصلحت مستحب ہوتا ہے۔ مسلمان کبھی مستحب کام کو اس لئے چھوڑ دیتا ہے کہ اس کے کرنے میں فساد کا اندیشہ ہوتا ہے۔جس طرح نبی ﷺ نے بناء ابراہیم پر بیت اللہ کی تعمیر نہیں کی اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

> لَوْ لَا اَنَّ قَوْمَكَ حَدِيْثُوْا الْعَهْدِ بِجَاهِلِيَّةٍ لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ وَ لَا لْصِقُهَا بِالْاَرْضِ وَ لَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ' بَابًا يَدْخُلُ النَّاسُ مِنْهُ وَ بَابًا يَخْرُجُوْنَ مِنْهُ۔
>
> اگر تمہاری قوم نئی نئی مسلمان نہ ہوئی رہتی تو میں کعبہ کو گرا کر زمین کے برابر کر دیتا اور پھر نئی تعمیر سے اس کے دو دروازے رکھتا' ایک سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے سے نکلتے۔

یہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے۔ یہاں پر نبی ﷺ نے مصلحتاً لوگوں کو متنفر نہیں کیا اور ایک افضل کام کو ترک کر دیا۔ اسی وجہ سے امام احمدؒ وغیرہ نے یہ مستحب مانا ہے کہ امام لوگوں کی دل جوئی کے خیال سے افضل کام کو ترک کر دے' مثلاً اگر امام دو سلام سے وتر کو افضل جانتا ہو لیکن مقتدی ایک ہی سلام سے وتر ضروری سمجھتے ہوں اور انہیں سمجھانا مشکل ہو تو مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک ہی سلام سے وتر پڑھے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی امامت سے تنفر نہ پیدا ہو۔

اسی طرح اگر امام نماز میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا افضل سمجھتا ہو اور مقتدی اس کے مخالف ہوں تو اتفاق و دل جوئی کے خیال سے غیر افضل کام کرنا جائز و بہتر ہو گا کیونکہ فضیلت کے مقابلہ میں اتفاق کی اہمیت زیادہ ہے۔

اسی طرح سنت کا علم نہ رکھنے والوں کے سامنے سنت کی توضیح و تعلیم کے لئے غیر افضل کام کو اختیار کرنا بہتر ہے' مثلاً ثناء' اعوذ باللہ' یا بسم اللہ کو اس خیال سے بآواز بلند پڑھنا کہ لوگوں کو نماز میں اس کی مشروعیت کا علم ہو جائے جیسا کہ صحیح میں[1] میں ثابت ہے کہ عمرؓ نے ثناء کو بلند آواز سے پڑھا' وہ تکبیر تحریمہ کے بعد یہ کہتے تھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ۔

اسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے ستر سے زائد نمازیں پڑھیں' وہ تکبیر کے بعد مذکورہ دعا پڑھتے تھے۔ مسلم نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[2] اسی وجہ سے ثناء رائج ہوئی اور اس پر اکثر لوگوں نے عمل کیا۔ یوں ہی ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ اعوذ باللہ اور بہت سے صحابہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ یہ فعل جمہور ائمہ کی نظر میں جو جہر کو سنت راتبہ نہیں سمجھتے' لوگوں کو یہ بتانے کے لئے تھا کہ نماز میں اسے پڑھنا سنت ہے' جیسا کہ صحیح میں مذکور ہے کہ ابن عباسؓ نے جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ بلند آواز سے پڑھی' اور بتایا کہ انہوں نے ایسا لوگوں کو یہ بتانے کے لئے کیا کہ یہ سنت ہے۔ جنازہ کی نماز کے بارے میں لوگوں کے دو قول ہیں' کچھ لوگ کسی نوع اس میں قرات کے قائل نہیں' یہ بہت سے اسلاف اور امام ابو حنیفہ و مالک کا مذہب ہے۔ اور کچھ لوگ اس میں قرأت کو سنت مانتے ہیں جیسے امام شافعی و امام احمد۔ پھر ان میں سے بعض قرأت کو واجب کہتے ہیں اور بعض

---

[1] صحیح مسلم مراد ہے' اس حدیث کی اسناد منقطع ہے' لیکن مسلم کے علاوہ موصولاً ثابت ہے۔ جیسا کہ میں نے "ارواء السبیل" نمبر ۳۴۰ میں بیان کیا ہے۔

[2] یہ نسبت غلط ہے' صاحب "منار السبیل" نے اس کی متابعت کی ہے' چنانچہ مسلم نے اسود بن یزید کے بجائے عبدۃ سے نقل کیا ہے (۱۲:۲) اور یہ منقطع ہے جیسا کہ گزرا' البتہ اسود سے ابن ابی شیبہ وغیرہ نے اسی کے مثل نقل کیا ہے جسے میں نے مذکورہ ماخذ میں بیان کیا ہے۔

سنت و مستحب' اور یہی زیادہ معتدل مذہب ہے۔[1] اس لئے کہ سلف نے دونوں کیا ہے اور دونوں صورتیں ان میں معروف تھیں۔ اسی طرح ان سے نماز میں رفع یدین اور عدم رفع دونوں مروی ہے۔ سلام بھی ایک اور دو مروی ہے' امام کے پیچھے سراً پڑھنا اور نہ پڑھنا بھی منقول ہے' جنازے پر کبھی سات' کبھی پانچ اور کبھی چار تکبیریں کہتے تھے' اذان میں ترجیع اور عدم ترجیع دونوں مذکور ہیں' اقامت اکہری اور دوہری ہر ایک وارد ہے۔ ان امور میں ایک کو دوسرے سے ارجح قرار دیا جاسکتا ہے لیکن مرجوح کا کرنا جائز ماننا پڑے گا اور کبھی کبھی مصلحت کے تقاضے سے مرجوح کو کرنا اور راجح کو ترک کرنا بہتر قرار پائے گا۔ یہ عام اعمال میں ہوتا ہے' کیونکہ جو عمل فی نفسہ افضل ہے کبھی دوسرا عمل دوسری جگہ اس سے افضل ہو جاتا ہے' جس طرح جنس نماز جنس قرائت سے افضل ہے اور جنس قرات افضل الذکر ہے اسی طرح مفضول عمل مخصوص حالات میں افضل ہو جاتا ہے' مثلاً ایسا شخص جو افضل کو بجا لانے سے عاجز ہو اس کے حق میں مفضول ہی افضل ہو گا' جیساکہ بعض کے لئے ذکر بعض اوقات قرائت سے بہتر ہوتا ہے' اور بعض کے لئے بعض قرائت نماز سے بہتر ہوتی ہے۔ اس باب میں دراصل عمل کی نوعیت کے بجائے فائدہ کے امکان پر دارو مدار ہے۔

اعمال کی تفصیل کے اس باب میں حالات کے اختلاف کالحاظ ضروری ہے' ورنہ خرابی کا اندیشہ ہے' کیونکہ بعض لوگ جب کسی فعل کو مستحب اور راجح سمجھ لیتے ہیں تو اس کی واجبات سے زیادہ پابندی کرتے ہیں جس سے اس عمل میں خواہش کی

---

[1] مصنف کا یہ قول محل نظر ہے اس لئے کہ لا صلوٰۃ لمن لم یقراء بفاتحۃ الکتاب میں جنازہ کی نماز بھی داخل ہے' سلف کے دونوں فعل کرنے سے استدلال اس وقت درست ہو گا جبکہ ان سب نے اسے کیا ہو اور مستحب سمجھا ہو' لیکن اگر وہ مختلف ہوں تو ان کے اختلاف کو استحباب کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا' بلکہ اختلاف کی صورت میں دلیل کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ جیساکہ ہم نے کیا۔

تعصب اور جاہلانہ حمیت کا شائبہ پیدا ہو جاتا ہے' اسی طرح بعض لوگ کسی فعل کا ترک افضل جانتے ہیں تو محرمات سے زیادہ اس سے گریز کرتے ہیں' اس میں بھی تعصب و حمیت پیدا ہو جاتی ہے۔ فی الواقع یہ موقف غلط ہے' ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھنا چاہیے اور اللہ و رسول نے جو وسعت دی ہے اس کی نگہداشت کرنی چاہیے' شرعی مصالح و مقاصد کی رعایت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اللہ کا کلام تمام کلاموں سے اور رسول کا طریقہ تمام طریقوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے' آپ ہر معاملہ میں دین و دنیا کی سعادت ساتھ لائے ہیں' انسان جس طرح اس بات کو اجمالاً مانتا ہے اسی طرح تفصیل کے وقت بھی اس کا خیال رکھنا چاہیے' بہت سے لوگ نادانی' ظلم' اٹکل یا خواہش پرستی کے سبب تفصیلات کے موقع پر بھٹک جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلائے جس پر انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین تھے' ان کی رفاقت کا کیا پوچھنا!!!

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ

بلاشبہ بھلی بات کا حکم اور بری بات سے روکنا دین کے عظیم ترین شعائر اور مسلمانوں کے اہم فرائض میں سے ہے' کتاب و سنت میں اس کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (آل عمران: ۱۰۴)

تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی دعوت دے' اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے' اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اس فریضہ کو انجام دینے والوں کی تعریف میں فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کیے گئے ہو' نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس آیت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ایمان پر بھی مقدم کیا ہے حالانکہ ایمان ہی تمام نیک اعمال کی بنیاد اور ان کا سرچشمہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فریضہ کی اہمیت واضح ہو اور لوگ یہ سمجھیں کہ اس سے ایمان کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ جس قوم نے اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت برتی اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوُدَ وَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ' ذَالِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ' كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوْهُ' لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ (المائدہ: ۷۹)

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا تھا ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام کی زبانی لعنت کی گئی تھی' کیونکہ وہ نافرمانی کرتے اور حدود سے تجاوز کرتے تھے' وہ جس برائی کے مرتکب ہوئے اس سے لوگوں کو بھی نہیں روکتے تھے' بہت ہی برا کرتے تھے۔

اس آیت میں انہیں ملعون بتایا گیا ہے اور لعنت اللہ تعالیٰ کے غصہ اور غضب کی سب سے سخت صورت مانی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ' فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ۔ [1]

---

[1] حدیث صحیح ہے' مسلم وغیرہ نے اسے ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے۔ میں نے "مشکلا الفقر" میں اس کی تخریج کی ہے۔

جو شخص برائی دیکھے اسے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے' اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے' اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

نبی ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

أَيُّهَا النَّاسُ مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوْا فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ وَ قَبْلَ أَنْ تَسْتَغْفِرُوْا فَلَا يُغْفَرُ لَكُمْ' إِنَّ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ لَا يَدْفَعُ رِزْقًا وَلَا يُقَرِّبُ أَجَلًا' وَ أَنَّ الْأَحْبَارَ مِنَ الْيَهُوْدِ وَالرُّهْبَانِ مِنَ النَّصَارٰى لَمَّا تَرَكُوْا الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ الْأَنْبِيَاءِ ثُمَّ عَمُّوْا بِالْبَلَاءِ۔[1]

اے لوگو! بھلی باتوں کا حکم کرو' اور برائی سے روکو' قبل اس کے کہ تم دعاء کرو اور قبول نہ ہو' اور استغفار کرو اور مغفرت نہ ہو۔ بے شک بھلی باتوں کا حکم اور برائی سے روکنے سے نہ رزق دور ہوتا ہے نہ موت قریب۔ یہود و نصاریٰ کے علماء نے جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے انبیاء کی زبانی ان پر لعنت بھیجی' پھر سب آزمائش کی لپیٹ میں آگئے۔

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ۔[2]

ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا سب سے افضل جہاد ہے۔

نبی ﷺ سے جب یہ پوچھا گیا کہ سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو اللہ سے زیادہ ڈرے' زیادہ صلہ رحمی کرے' بھلی بات کا زیادہ حکم دے اور بری

---

[1] اس کی اسناد ضعیف ہے جیسا کہ میں نے "الضعیفة" (۲۰۹۲) میں بتایا ہے۔

[2] صحیح حدیث ہے' اس کی تخریج "الصحیحة" (۴۸۷) میں موجود ہے۔

بات سے زیادہ روکے۔

مذکورہ بیان سے یہ بات واضح ہے کہ قدرت کے بعد امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے کام میں رخصت نہیں' اس کام میں سستی کرنے والے یا اسے چھوڑ دینے والے حقوق اللہ میں تقصیر کے مرتکب ہیں' ان کا ایمان کمزور اور اللہ کا ڈر کم ہے۔ اگر کوئی دنیاوی فوائد' اور جاہ و مال کے لالچ اور نافرمانوں نیز ظالموں کی نظر میں اپنا مرتبہ گھٹنے کے ڈر سے امر بالمعروف کی ذمہ داری چھوڑتا ہے تو وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب اور اللہ کے غضب کا مستحق ہے اور اگر کسی جانی یا مالی نقصان کے اندیشہ سے خاموشی اختیار کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ بشرطیکہ نقصان یقینی اور مؤثر ہو' لیکن اس اندیشہ کے باجود اگر وہ امر و نہی کا سلسلہ جاری رکھے تو عظیم ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کا یہ عمل اللہ کی محبت اور اس کے دین کی مدد کے لئے ایثار و توجہ کی دلیل ہوگا' چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذَالِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔

اور نیک کام بتلایا کیجیو' اور بری باتوں سے منع کیا کریو' اور جو کچھ تکلیف پہنچے اس پر صبر کیجیو۔ بے شک یہ ہمت کے کام ہیں۔

حقوق اللہ کی ادائیگی کے لئے کسی بندے کا تکلیف اٹھانا اور قید و بند کے مصائب سے دو چار ہونا بہت اچھی بات ہے' انبیاء کرام اور علماء باعمل کی یہی سنت ہے۔ ظالموں اور فاسقوں کے مقابلہ میں دین کی اشاعت و تائید میں بزدلی اور کمزوری کے اندر کوئی بھلائی نہیں۔ مامورات پر عمل متروک اور منہیات پر عمل رائج ہونے کی صورت میں غصہ اور غیرت کا اظہار انبیاء کرام اور صدیقین کا شیوہ اور امتیاز ہے۔

حدیث میں مذکور ہے کہ:

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَغْضِبُ لِنَفْسِهٖ' فَاِذَا انْتُهِكَ

شَیْ ءٌ مِنْ حُرُمَاتِ اللّٰہِ تَعَالٰی لَمْ یَقُمْ لِغَضَبِہٖ شَیْ ءٌ۔[1]

نبی ﷺ اپنے لئے غصہ نہیں فرماتے تھے' لیکن جب کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی ہوتی تھی تو اس وقت آپ کا غصہ بے حد تیز ہو جاتا تھا۔

نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ کے حق میں فرمایا:

تَرَکَہٗ قَوْلُہُ الْحَقُّ وَ مَالَہٗ فِی النَّاسِ مِنْ صِدِیْقٍ۔

حق بات چھوڑنا جب کہ لوگوں میں اس کا کوئی دوست نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مومنوں کی توصیف میں فرمایا:

اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ' یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ۔[2]

مسلمانوں سے نرم' کافروں کے مقابلہ میں مضبوط ہوں گے' اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔

اس طرح ایک کامل مومن برائیاں دیکھ کر حتیٰ الامکان ضبط نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک منافق جس کا ایمان کمزور ہوتا ہے' برائیاں دیکھ کر طرح طرح کے مہمل عذر تراش لیتا ہے' لیکن اگر اپنی منفعت کا معاملہ ہو تو فوراً غیظ و غضب میں بھر جاتا ہے اور اپنے فائدے کے لئے ہر طرح کا جھگڑا مول لیتا ہے مگر یہ چیز ظلم کے مقابلہ اور کمزوروں کی حمایت کے لئے دیکھنے میں نہیں آتی۔ اس کے برخلاف ایک سچا مسلمان صرف ایسی صورت میں غصہ ہوتا ہے جب حکم الٰہی کی نافرمانی اور کسی کی حق تلفی

---

[1] بایں الفاظ یہ حدیث غریب ہے' حضرت عائشہ کی معروف روایت کے الفاظ یہ ہیں وما انتقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ الا ان تنتھک حرمۃ اللہ فینتقم للہ بھا" اس کو امام مالکؒ (۲/۹۰۲/۲) بخاری (۲:۳۹۴)' مسلم (۷:۸۰) اور احمد (۶:۱۱۴' ۱۱۶' ۲۶۲) نے ذکر کیا ہے۔

[2] بے حد ضعیف حدیث ہے' ترمذی نے اسے غریب اور بہت سے محدثین نے منکر قرار دیا ہے۔ اس کی تفصیل "الضعیفہ" (۲۰۴۹) میں مذکور ہے۔

ہو۔ دونوں فریقوں کا باہمی فرق سمجھ کر بہتر و برحق فریق کا ساتھ اختیار کرو۔

وَاسْتَعِيْنُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (اعراف: ۱۲۸)

اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو' زمین اللہ کی ہے' اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے دیتا ہے' بہتر انجام متقیوں کے لئے ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی حیثیت فرض کفایہ کی ہے' یعنی اگر کچھ مسلمان اسے انجام دے دیں تو تمام لوگ سبکدوش ہو جائیں گے' لیکن ثواب صرف کرنے والوں ہی کو ملے گا' لیکن اگر اس ذمہ داری کی ادائیگی میں تقصیر ہوگی تو وہ سب گنہ گار ہوں گے جنہیں برائی پر زبان یا ہاتھ کے ذریعہ نکیر کی طاقت رہی ہو۔

برائیاں دیکھنے کے بعد سب سے پہلے یہ ضروری ہوتا ہے کہ نرمی و شفقت سے روکا جائے' جب اس سے فائدہ نہ ہو تو وعظ و تہدید اور سخت انداز اختیار کیا جائے' اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو پھر بزور برائی کو مٹایا جائے۔ پھر دو درجے آسان ہیں' ان کے سلسلہ میں عاجزی کا اظہار کرنے والے حیلہ تراش و بہانہ باز ہیں' البتہ تیسرا درجہ ایسا ہے کہ اسے انجام دینے کے لئے قربانی اور جانی و مالی جہاد کی ضرورت ہے اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے بے نیازی کی بھی۔ خلاصہ یہ کہ انسان کو بقدر طاقت دین کی مدد کے لئے جدو جہد کرنا چاہئے اور عذر و حیلہ تراشی کا سہارا نہیں لینا چاہئے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے نرمی و مروت اور ہمدردی و شفقت کی بڑی اہمیت ہے' جب تک ان چیزوں کا فائدہ نظر آئے ان کی پابندی کرنی چاہئے۔

حدیث میں وارد ہے:

مَا كَانَ الرِّفْقُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَهٗ وَمَا نُزِعَ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَهٗ۔ [۱]

---

[۱] حضرت انسؓ و عائشہؓ کی صحیح حدیث ہے' حاشیہ مشکوۃ (۴۸۵۴) میں اس کی تخریج موجود ہے۔

نرمی سے چیزوں کو زینت اور سختی سے قباحت حاصل ہوتی ہے۔

یہ بھی وارد ہے کہ:

اِنَّهٗ لَا یَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ اِلَّا رَفِیْقٌ فِیْمَا یَاْمُرُ بِهٖ رَفِیْقٌ فِیْمَا یَنْهٰی عَنْهُ۔[1]

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام وہی انجام دے سکتا ہے جس کے اندر رفق کی صفت موجود ہو۔

دینی معاملہ میں مداہنت سے بھی پرہیز کرنا چاہئے' یعنی حق بات کہنے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کسی جاہ و مال یا دنیوی منفعت کے خیال سے باز نہیں رہنا چاہئے۔ (یہ توضیح امام باعلوی حداد قدس سرہ کی کتاب "النصائح الدینیہ" میں موجود ہے)

بعض فضلاء کا قول ہے کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ برائی سے روکنا سب سے دشوار کام ہے' لیکن شریعت میں برائی کا ازالہ فعل یا قول یا دل کے ذریعہ ہوتی ہے' اس تیسرے درجہ میں خائن و فاسق سے اعراض اور اس سے للّٰہی بغض داخل ہے' اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ حسن معاملت سے پرہیز کیا جائے۔ اس دینی واجب کی ادائیگی سب کے بس کی بات ہے اور اس سے لوگ برائیوں سے باز رہیں گے' اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے:

---

[1] اس کی کوئی اصل نہیں' یہ غزالی کی احیاء العلوم (۲: ۲۹۲) والی حدیثوں میں سے ہے' حافظ عراقی کہتے ہیں کہ بایں صورت یہ مجھے نہیں ملی' البتہ بیہقی نے شعب الایمان میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: مَنْ اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ فَلْیَكُنْ اَمْرُهٗ بِمَعْرُوْفٍ"۔ میں کہتا ہوں کہ اس تخریج سے یہ وہم ہوتا ہے کہ عمرو کی جانب اس کی اسناد محفوظ ہے حالانکہ ایسا نہیں' کیونکہ عمرو سے پہلے اس میں مسلسل تین ضعیف راوی موود ہیں۔ جیسا کہ " الاحادیث الضعیفة " (۲۰۹۷) میں میں نے واضح کیا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ۔ (البقرہ:۲۵۱)
اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرے تو زمین خراب ہو جائے۔

۱۳۔ مساجد سے بدعتوں کے ازالہ پر قادر شخص کا بیان

سوال یہ ہے کہ اس دور میں بدعات و منکرات کو مساجد سے دور کرنے پر قادر و مؤثر کون مانا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث نبوی کے مفہوم کی رو سے ہر دور میں ایسے لوگ موجود رہتے ہیں۔ مساجد میں امامت اور وعظ و تدریس کا کام کرنے والا عالم اس ذمہ داری کو انجام دے سکتا ہے اور اگر حکام تک اس کی بات نہ پہنچ سکے تو بڑا اور باثر عالم اس کام کو انجام دے گا' وہ جب مساجد کی بدعتوں سے روکے گا تو لوگ اس سے ڈریں گے' دشمنی کرنے والوں کو وہ تادیب بھی کرا سکتا ہے اور بدعتیوں کی سرزنش کے لئے پولیس اور فوج بھی استعمال کی جاسکتی ہے' اس طرح بدعت کا استیصال ممکن ہوگا۔

ہم نے دمشق کی جامع اموی میں دیکھا ہے کہ وہاں کے مدرسین اپنے اپنے تلامذہ کو لے کر عشاء کی متعدد جماعتیں منعقد کرتے تھے' رمضان میں تراویح کے لئے بھی متعدد جماعتیں ہوتی تھیں۔ اور دوسروں سے پہلے فراغت کے لئے قابل افسوس سرعت سے کام لیتے تھے' یہی حال جمعہ کی نماز کے بعد ظہر کی جماعتوں میں بھی ہوتا تھا۔ مفتی شام نے متعدد جماعتوں کی اس بدعت کو ختم کرنے کے لئے فقہا اور مدرسین کو اس انتشار سے روکا اور متعین امام کی پابندی کا حکم دیا' بہت سے لوگوں نے اس بری رسم کو چھوڑ دیا لیکن بعض لوگ ضد پر آ گئے' مفتی نے پولیس کی مدد سے ایسے لوگوں کی سرزنش کی تو وہ مجبوراً باز آئے' مسلمانوں کو اس نیک اقدام سے بے حد تسلی ہوئی۔

دمشق کے اکثر لوگوں کو حاکم شام رشدی باشا شروانی کا زمانہ یاد ہو گا۔ جنہوں نے بہت سی بدعات و رسوم پر پابندی عائد کر دی تھی' مثلاً مسجدوں میں چلا چلا کر درود وظائف پڑھنا جس سے مصلیوں کو خلل ہو' جنازوں میں شور و شغب کرنا اور اسی طرح کے دوسرے کام لیکن ۱۲۸۲ھ میں جب وہ معزول ہو گئے تو وہ بدعتیں پھر عود کر آئیں۔

میں نے نعیمی کی کتاب الدارس میں پڑھا ہے کہ شاہ کامل نے اپنے دور میں جامع اموی کے اماموں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ بڑے امام کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھائے کیونکہ ایک وقت میں ان کے اجتماع سے اختلاف و خلل واقع ہوتا تھا۔ نعیمی کہتے ہیں کہ یہ بہت اچھا کام ہوا تھا' ہمارے دور میں بھی تراویح کی نماز کے لئے منبر سے متصل محراب میں ایک امام کے پیچھے سب کو جمع کر دیا گیا ہے' انتہی۔

ان وضاحتوں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ گزشتہ دور میں بھی حکام اس طرح کی بدعتوں کو دیکھ کر ان کے ازالہ کی کوشش کرتے تھے' ان کے لئے اکابر علماء کی نشاندہی کے بعد یہ کام یقیناً آسان ہوتا ہے۔

۱۴۔ داعی حق کے لئے صبر و تواصی کی ضرورت ہے

ایک فاضل امام و دانشور[1] نے لکھا ہے کہ "قرآن کریم میں ستر ۷۰ مرتبہ صبر کا لفظ وارد ہوا ہے' کوئی اور فضیلت اتنی بار مذکور نہیں ہوئی ہے اا س سے صبر کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے' سورہ عصر میں اس کو "تواصی بالحق" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ داعی حق کے لئے یہ چیز ضروری ہے۔ قرآن کی جملہ آیات میں صبر سے ثبات و تحمل کا ایسا ملکہ مراد ہے۔ جس سے تائید حق کی راہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات آسان ہو جائیں۔ صبر کا اظہار انسان کے کسی ایسے اختیاری کام پر

---

[1] یعنی مفتی مصر شیخ محمد عبدہ رحمتہ اللہ علیہ نے سورہ عصر کی تفسیر میں۔

ثبات سے ظاہر ہوتا ہے جس سے حق کا اثبات' باطل کا ازالہ کسی عقیدہ کی دعوت' کسی فضیلت کی تائید' یا کسی عظیم کام کے لیے وسیلہ کی ایجاد مقصود ہو' کیونکہ مصالح عامہ سے متعلق اس طرح کے اصولی اُمور ہی میں لوگوں کی طرف سے مخالفت کا ظہور ہوتا ہے' اور ایسے مواقع پر صبرو تحمل اور حالات کے مقابلہ کے لئے جرأت کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان حالات میں ثابت قدم رہنے والا انسان ہی صابر ہوتا ہے' شروع میں اسے تکلیف ہوتی ہے' اور جب یہ ملکہ راسخ ہوجاتا ہے تو اسے صبور کہا جاتا ہے۔[1]

انہوں نے مزید لکھا ہے کہ "تواصی بالحق سب لوگوں کی طرف سے ہونی چاہئے' خسران سے نجات اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ قوم کے تمام افراد ایک دوسرے کو حق کی طلب اس کی پابندی اور جملہ امور میں صبر کی وصیت کریں' اگر اس ذمہ داری کو صرف ایک آدمی ادا کرے گا اور دوسرے لوگ ایسا نہیں کریں گے تو دنیا میں لامحالہ سب خسران کا شکار ہوں گے' کیونکہ قوم جب حق کی دعوت سے غافل ہو جائے گی اور اس کے اندر صبر کی صفت کمزور پڑ جائے گی تو لازماً اس پر باطل کا غلبہ ہو جائے گا' عزائم کمزور پڑ جائیں گے اور وہ ہلاکت کا شکار ہو جائے گی۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً۔ (انفال: ۲۵)

اور اس فتنہ سے بچو جو صرف ظالموں ہی کو نہیں لاحق ہو گا۔

اور آخرت میں خسارہ ان لوگوں کو ہو گا جو تواصی نہ کریں یا دوسروں کی وصیت پر عمل نہ کریں۔ اگر وصیت کرنے والے شخص کا انداز ایسا ہو کہ لوگ اس سے متنفر ہو جائیں تو اسے بھی آخرت میں خسارہ ہو گا۔ برائی افراد کے لئے باعث فساد اور قوموں کے لئے باعث زوال ہے۔ اس لئے جس قوم میں برائی پھیل جائے گی اور

---

[1] مشہور مصلح ابن قیم کی کتاب "عدة الصابرین" مطبوعہ مصر میں صبر کے موضوع پر تفصیلی بحث ملاحظہ ہو۔

اس کے افراد ایک دوسرے کو اس سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کریں گے اس قوم کی نجات مشکل ہے۔

تواصی بالحق اور تواصی بالصبر میں دو چیزیں داخل ہیں' ایک امر بالمعروف اور دوم نہی عن المنکر' اس لئے کہ حق کی وصیت و دعوت باطل سے روکے بغیر ممکن نہیں' اسی طرح صبر کی وصیت میں بھی برے اعمال کی قباحت اور نیکی میں تقصیر کے برے نتائج کی توضیح بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اعمال و احوال میں ان دونوں چیزوں کو ودیعت رکھا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ دنیا و آخرت میں خسارہ سے بچنے کے لئے ہر فرد کو بقدر امکان اس ذمہ داری کو ادا کرنا ہے۔

اگر کوئی قوم اس فریضہ کی ادائیگی کو معیوب سمجھنے لگے یا اس کے اندر تساہل پیدا ہو جائے تو یہ دنیا میں اس کی تباہی و بربادی اور آخرت میں عذاب الہی سے دوچار ہونے کا پیش خیمہ ہوگا۔ قوم کے اندر تساہل پیدا ہو جانے کی صورت میں اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ وہ نصیحت سے عاجز ہے اس لئے برائی کو صرف دل سے برا سمجھنا ہی کافی ہے تو یہ خیال غلط ہوگا' عوام کا اعراض عذاب الہی سے بچانے کا سہارا نہیں بن سکتا' امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انسان کو بہرصورت انجام دینا ہے خواہ لوگ اسے ناپسند کریں اور داعی کو اذیت پہنچانے پر آمادہ ہو جائیں۔ انتہیٰ۔

۱۵۔ بدعات کا انکار کرنے والے کے خلاف متعصبوں کا غصہ

بعض لوگوں نے کہا کہ معاندین و ظالمین ظہور حق کے بعد بھی اختلاف و انتشار کا اظہار کرتے ہیں۔

وَ مَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ۔ (الشوری۔ ۱۴)

وہ علم آنے کے بعد ہی حسد کی وجہ سے مختلف ہوئے۔

وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَ تْهُمُ الْبَيِّنَةُ۔ (البینہ:

(۴۵
کتاب والے دلیل آنے کے بعد ہی اختلاف میں پڑے۔

وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلاَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ تْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهِ۔
(البقرہ۔ ۲۱۳)

اور زیادہ اختلاف اس میں انہیں لوگوں نے کیا جن کو پہلے کتاب ملی تھی، بعد پہنچنے نشانات بینہ کے اپنے حسد کی وجہ سے، پس اللہ نے اپنے ماننے والوں کو اپنے فضل سے حق کی راہ دکھائی جس میں یہ لوگ مختلف ہیں۔

اس لئے مومن کو چاہئے کہ ظہور حق کے بعد اس پر عمل کرے اور کسی مخالفت و ملامت کی پرواہ کئے بغیر اس کی دعوت دے۔ اگر کسی اجتہادی غلطی کی وجہ سے اس کے خلاف کوئی قدم اس نے خود اٹھایا ہو یا کسی دوسرے عالم کے کہنے سے وہ کام کیا ہو تو بھی دونوں ہی ثواب کے مستحق ہوں گے کیونکہ ان کی نیت بخیر تھی۔

مزید کہا کہ "نظام فطرت کچھ یوں ہے کہ لوگ جہالت کے سبب ایسے امور پر زیادہ توجہ دیتے ہیں جن کا کوئی خاص نفع نقصان نہیں، اور بڑے بڑے امور کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مالوف عادت و رواج کے خلاف کوئی کام دیکھ کر نماز اور زکوۃ کے ترک سے زیادہ آواز بلند کرتے ہیں، لیکن داعی حق کو ان کے شور و شغب کی پرواہ کئے بغیر اپنا کام انجام دینا چاہئے۔ اللہ متقیوں کا حامی ہے۔

۱۶۔ اختلاط کے سبب بدعات کا متعدی ہونا

امام ابن الحاج رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المدخل" میں حدیث معاذؓ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ "ہمیں انسان کو سجدہ کرنے سے روکا اور مصافحہ کا حکم دیا۔[۱] معاذؓ کی

---

[۱] انسان کے لئے سجدہ کی ممانعت پر مشتمل معاذ کی حدیث صحیح ہے لیکن اس میں مصافحہ کا حکم نہیں بلکہ یہ حکم ایک ضعیف حدیث میں ہے جس کی تخریج "الضعیفہ" (۷۶۶) میں ہے۔

حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو بتایا کہ نصاریٰ اپنے پادریوں کو سجدہ کرتے ہیں اور خود بھی نبی ﷺ کے لئے سجدہ کا ارادہ کیا' اس پر نبی ﷺ نے فرمایا "تم ایسا نہ کرو" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ اختلاط سے بچنا چاہئے' کیونکہ مالوف چیز کی طرف طبیعت مائل ہو جاتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے اس زمانہ میں (یعنی ابن الحاج کے زمانہ میں) بعض لوگ تخلیط کا شکار ہیں' کہ قبطی عیسائیوں کے ساتھ ان کا اختلاط بہت زیادہ ہے' معلومات بھی کم ہیں' جو کچھ دیکھتے ہیں اس کا اثر قبول کر لیتے ہیں۔ سنتوں کی جگہ عادات و رسوم کو رکھ دیا ہے جب کوئی کہتا ہے کہ سنت یہ ہے تو فوراً جواب دیتے ہیں کہ عوام و مشائخ کا دستور تو یہ ہے۔ ان سے اگر شرعی دلیل طلب کی جائے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طریقہ پر دیکھا ہے' اور یہ ممکن نہیں کہ وہ سنت کی مخالفت کر کے باطل کا ارتکاب کریں' آپ کو ان تمام لوگوں سے زیادہ سنت کا علم کیسے ہو سکتا ہے؟ غور کا مقام ہے کہ بعض علماء نے امام مالکؒ کے عمل اہل مدینہ کو اختیار کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے' پھر ساتویں صدی' (ابن الحاج کا زمانہ) کے لوگوں کے عمل سے کس طرح دلیل پکڑی جا سکتی ہے جب کہ غیر مسلموں اور عجمیوں سے ان کا اختلاط ہو چکا ہے۔ انتہیٰ۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ:

لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْراً بِشِبْرٍ وَ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْهُ' قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' اَلْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى' قَالَ فَمَنْ؟[1]

---

[1] ابو سعید خدریؓ کی یہ صحیح حدیث صحیحین میں موجود ہے' ابو ہریرہؓ کی ایک مرفوع حدیث اس کی شاہد ہے۔ اسے ابن ماجہ (۳۹۹۴) اور احمد ۲: ۴۵۰: ۵۲۷) نے باسناد حسن ذکر کیا ہے' حاکم (۱: ۳۷) نے شرط مسلم پر اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔

تم اپنے پیشروؤں کی قدم بہ قدم پیروی کرو گے وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی داخل ہو گے' صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟' آپ نے فرمایا کہ اور کون؟

۱۷۔ عوام کے ساتھ عالم کے رابطہ کی نوعیت

عوام کی مجلس میں عالم کو چاہئے کہ واجبات و نوافل اور محرمات کا بیان کرے' اور نیکی پر ثواب اور برائی پر عذاب کا ذکر کرے۔ اس کی گفتگو ایسی زبان میں ہو جسے سب لوگ بآسانی سمجھ سکیں۔ عوام جن مسائل و حالات سے دو چار ہوں ان کے بارے میں بھی ان کی رہنمائی کرے جو مسائل دریافت کریں ان کا جواب دے اور جن باتوں کی توضیح مناسب سمجھے ان کو بغیر پوچھے ہوئے بھی بتائے' کیونکہ عام طور پر عوام دینی معاملات میں تساہل سے کام لیتے ہیں ایسے موقعوں پر اگر علماء خاموش ہو جائیں گے تو یہ سب کے لئے مضر ہو گا' خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ عوام کو حلال و حرام تک کا علم بہت کم ہو۔

علماء اور خاص طور پر حکام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معاملات کی پیشی کے وقت عام مسلمانوں کو نصیحت کریں۔ جھوٹے دعوؤں' جھوٹی قسموں اور حرام معاملات کے بارے میں قرآن و حدیث میں وعیدیں وارد ہیں انہیں بتائیں۔ بہت سے عام انسان ان نصیحتوں کو سن کر برائیوں سے باز آ جاتے ہیں۔ علماء کو یہ لحاظ بھی رکھنا چاہئے کہ عوام کی مجلسوں میں جو معاملات درپیش ہوں ان سے متعلق تمام اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالیں۔ مثلاً نکاح کی مجلس ہو تو عورتوں کے حقوق' مہر' نفقہ' حسن معاشرت وغیرہ کو بتائیں۔ بیع و شراء کا کوئی معاملہ درپیش ہو تو گواہی اور خرید و فروخت کی صحیح اور فاسد صورتوں کو واضح کریں۔ آج کل کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے یہ بھی ضروری ہے کہ علماء عوام کی مجلسوں میں فضول یا غیر دینی باتوں میں وقت لگانے کے بجائے وعظ و نصیحت اور تعلیم و تدریس کا مشغلہ رکھیں' کیونکہ

غفلت و جہالت ہر طرف عام ہے اور اسے دور کرنے کے لئے علماء کی توجہ ضروری ہے۔ (یہ باتیں امام باعلوی حداد کی کتاب "النصائح الدینیہ" سے ماخوذ ہیں)۔

۱۸۔ مساجد سے بدعات کے ازالہ کی کوشش

امام ابن الحاج نے "المدخل" میں مساجد کی بدعتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔[1]

تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ مسجد اور اس میں جو کام ہوتا ہے وہ سب امام مؤذن اور متولی کی رعیت میں ہے' اسی بناء پر نبی ﷺ جب مسجد میں قبلہ کی جانب تھوک دیکھا تو اسے اپنے ہاتھ سے کھرچ دیا اور اس پر اپنی نفرت کا اظہار فرمایا:[2]

اور جب مسجد امام کی رعیت میں ہوئی تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی نگہداشت کرے اور غلط کاموں کو نرمی و حکمت سے دور کرے' جس طرح نبی ﷺ نے تھوک کے بارے میں کیا۔ بدعتوں کے ازالہ کی استطاعت کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

---

[1] ابن عمر کی اس مرفوع حدیث کو صحیحین میں ذکر کیا ہے۔ اس کی تخریج "الحلال و الحرام" نمبر (۲۶۷) میں بھی ہے۔

[2] یہ صحیح حدیث ہے' صحابہ کی ایک جماعت نے جس میں ابن عمرؓ' ابو سعید اور جابر وغیرہ داخل ہیں' اس کو روایت کیا ہے۔ ان کی روایتوں کی تخریج "سنن ابی داؤد" (۵۰۰/۴۹۸) میں موجود ہے۔

۱۹۔ غصب کی زمین یا غصب کے مال کی مسجد کا حکم

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایسے پل' سرائے' مساجد اور گھاٹ وغیرہ جنہیں ظالموں نے تعمیر کیا ہے ان کے بارے میں احتیاط کرنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ پل کے استعمال سے بچنا ممکن ہے یا نہیں' اگر ممکن ہو تو بچنا چاہئے اِلّا یہ کہ بعد میں اس کا حقیقی مالک راضی ہو کر استعمال کی اجازت دے دے۔ اگر مسجد غصب کی زمین یا لکڑی وغیرہ سے تعمیر کی گئی ہو تو اس میں داخل ہونا بالکل ناجائز ہے' اور اگر ایسے مال سے بنی ہو جس کے مالک کا علم نہ ہو تو بھی حتیٰ الامکان اس میں داخلہ سے بچنا چاہئے۔ انتہٰی

کتاب " کنوزالصحته ویواقیت المنحته " میں شفاخانہ کبیر پر بحث کے دوران لکھا ہے کہ متدین لوگوں کی ایک جماعت نے مدرسہ منصوریہ اور قبہ میں نماز سے احتیاط برتی ہے اور شفاخانہ کو غلط بتایا ہے کیونکہ اس کی تعمیر میں لوگوں پر بے حد ظلم ہوا ہے' اس کا واقعہ یوں ہے کہ شاہ منصور قلاون صالحی نے ۶۸۲ھ میں دار قطبیہ کو شفاخانے' قبہ اور مدرسہ میں تبدیل کرنا چاہا تو اسے خریدنے کی بات چیت کے لئے حسام الدین بلال مغیثی کو متعین کیا۔ ان کی بات چیت سے مونسہ خاتون اسے اس شرط پر بیچنے کے لئے تیار ہو گئی کہ اسے ایک گھر اور نقد رقم دی جائے۔ معاملہ طے ہونے پر بادشاہ نے امیر سنجر شجاعی کو تعمیر کے لئے متعین کیا' انہوں نے فوری طور پر دار قطبیہ سے عورتوں کو نکال دیا اور تین سو قیدیوں نیز مصر کے کاریگروں کو جمع کر کے کام پر لگا دیا' ان پر یہ پابندی بھی عائد کر دی کہ کہیں اور کام نہ کریں' ان کی سختی کی بناء پر تمام کاریگر کام پر حاضر رہتے تھے۔ تعمیر کے لوازم اور ضرورت کے سامان قلعہ روضہ سے لائے گئے۔ امیر شجاعی روزانہ خود آ کر نگرانی کرتے تھے تاکہ مزدور کام میں سستی نہ کریں۔ تعمیر کے دوران ادھر سے گزرنے والے ہر چھوٹے بڑے شخص کے لئے ضروری تھا کہ ایک پتھر اٹھا کر اسے دیوار میں ان کی جگہ نصب

کرے' رؤسا اور فوجی بھی اس حکم کی تعمیل کے لئے مجبور تھے۔ بہت سے لوگوں نے اس ڈر سے اس طرف سے گزرنا چھوڑ دیا تھا۔ تعمیر کی تکمیل کے بعد وہاں لوگوں کو ایک سوال دیکھنے میں آیا جس کے الفاظ یہ تھے۔

مَاتَقُوْلُ اَئِمَّةُ الدِّيْنِ فِيْ مَوْضِعٍ اُخْرِجَ اَهْلُهٗ مِنْهُ كَرْهًا وَ عَمَّرَ بِمُسْتَحْثِيْنَ يَعْصِفُوْنَ الصَّنَّاعَ وَ اُخْرِبَ مَا عَمَّرَهٗ غَيْرُهٗ وَ نُقِلَ اِلَيْهِ مَا كَانَ فِيْهِ فَعُمِّرَهٗ بِهٖ' هَلْ تَجُوْزُا الصَّلٰوةُ فِيْهِ اَمْ لَا؟

ائمہ دین اس جگہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس کے باشندوں کو وہاں سے زبردستی نکال کر' کاریگروں پر زیادتی کر کے' اور دوسری عمارتوں کو ویران بنا کر اسے تعمیر کیا گیا ہو' کیا اس جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہوگی؟"

فقہاء کی ایک جماعت نے مذکورہ سوال کے نیچے لکھ دیا کہ:

لَاتَجُوْزُ فِيْهِ الصَّلٰوةُ۔

اس میں نماز جائز نہیں۔

محمد بن خشاب نے شجاعی کو اس صورت حال سے باخبر کیا تو اس پر یہ بات بہت شاق گذری۔ اس نے قاضیوں اور مدرسہ منصوریہ کے علماء کو جمع کر کے مذکورہ فتویٰ کی خبر دی۔ کسی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ صرف شیخ محمد مرجانی نے یہ کہا کہ "میں نے اس میں نماز نہ پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے اور اب یہ کہہ رہا ہوں کہ اس کے دروازے سے داخل ہونا بھی مکروہ ہے۔ یہ کہہ کر وہ کھڑے ہوئے اور سبھی لوگ وہاں سے چلے گئے۔

اس کے بعد شجاعی نے شیخ محمد مرجانی سے اصرار کیا کہ مدرسہ منصوریہ میں ایک تقریر کے لئے اپنا تقرر منظور کر لیں' شیخ نے بڑی مشکل سے یہ بات منظور کر لی۔ تقریر میں شجاعی اور دوسرے قاضی موجود تھے' شیخ نے امراء' حکام' اور قاضیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے زمین کے غصب اور مزدوروں کو کمتر مزدوری پر کام کرنے کے لئے مجبور کرنے کی مذمت کی اور یہ آیت پڑھ کر اپنی تقریر ختم کی:

وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يَالَيْتَنِیْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلاً، يَاوَيْلَتٰى لَيْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلاً۔ (الفرقان: ۲۷)

اور اس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا، کہے گا کاش میں رسول کے ساتھ دین کا راستہ اختیار کرتا، ہائے میری کم بختی، میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔

تقریر کے بعد شجاعی نے شیخ سے دعا کی درخواست کی تو شیخ نے فرمایا کہ "علم الدین" میں آپ کے حق میں دعاء تو کردوں لیکن مجھ سے بہتر ذات نے آپ کے لئے بد دعاء کی ہے، پھر نبی ﷺ کا یہ فرمان ذکر کیا:

اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِیَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِیْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهٖ فَارْفِقْ بِهٖ، وَمَنْ شَقَّ عَلَيْهِمْ فَشَقِّ عَلَيْهِ۔

اے اللہ! میری امت کا جو والی ہو اور اس کے ساتھ نرمی کرے تو تو بھی اس پر نرمی فرما، اور جو اس پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر۔

شیخ اس کے بعد چلے گئے اور شجاعی کو بے حد قلق ہوا، انہوں نے شیخ تقی الدین محمد بن دقیق العید کو طلب کیا (ان سے شجاعی کو عقیدت تھی) اور مدرسہ میں نماز سے باز رہنے کے فیصلہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ شاہ قلاوون نے سلطان نور الدین شہید کے تتبع و اقتداء میں یہ تعمیر کی تھی۔ لوگ شاہ قلاوون کی مذمت تو کرتے ہیں لیکن سلطان نور الدین کی کوئی مذمت نہیں کرتا۔ ابن دقیق العید نے فرمایا کہ "نورالدین نے ایک انگریز بادشاہ کو گرفتار کر لیا تھا، اس نے قتل سے بچنے کے لئے فدیہ کے طور پر پانچ قلعوں اور پانچ لاکھ نقد کی پیش کش کی، بادشاہ نے یہ رقم لے کر انگریز کو رہا کر دیا لیکن وہ اپنے ملک پہنچنے سے قبل مر گیا۔ نورالدین نے اسی رقم سے دمشق کا شفاخانہ تعمیر کرایا جس میں مزدوروں پر کسی طرح کی زبردستی یا زیادتی نہیں کی گئی، اب ایسا مال یا ایسا بادشاہ کہاں میسر ہو سکتا ہے، اگر بادشاہ کی نیت بہتر ہوگی تو یہ عمارت آباد ہوگی۔ اور آپ نے لوگوں کی منفعت کے لئے اس تعمیر میں حصہ لیا ہوگا تو اس کا اجر ملے گا، اور اگر بادشاہ کو خوش کرنے کی نیت ہوگی تو آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ

سن کر شجاعی نے کہا کہ "اللہ نیتوں سے باخبر ہے"۔ پھر ابن دقیق العید کو قبہ میں درس دینے کے لئے مقرر کیا۔ انتہیٰ

میں کہتا ہوں کہ "حنابلہ نے اپنی فقہ میں یہ وضاحت کی ہے کہ غصب کی جگہ میں نماز نہیں ہوتی۔ الاقناع اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ "غاصب کے حکمی تصرفات مثلاً غصب کے کپڑے، غصب کی زمین اور غصب کے پانی سے نماز نہیں ہوتی، کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ:

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔ [۱]

جس آدمی نے ایسا کام کیا جس کا حکم شریعت نے نہیں دیا، تو وہ مردود ہے۔

۲۰۔ ایسی مسجد کا اختیار کرنا جہاں بدعتیں کم ہوں

امام ابن الحاج نے "المدخل" میں لکھا ہے کہ "شریعت کے امتیازات کا اظہار اور ان کی بقاء کا خیال رکھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ پانچوں نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرے، اگر مسجد میں بدعت کا اسے خوف نہ ہو تو دیکھے کہ مسجد میں قیام بہتر ہے یا گھر واپسی اچھی ہے، جو بہتر ہو اسے اختیار کرے اور اگر مسجد میں بعض بدعتوں کا خوف ہو تو پھر گھر واپسی بہتر ہے، لیکن نماز کے لئے مسجد میں جانا ضروری ہے کیونکہ وہ دین کا امتیازی نشان اسلام کا عظیم شعار اور بدنی عبادتوں میں اولین عبادت ہے۔ نماز کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ جامع مسجد میں پڑھی جائے، بلکہ جس مسجد میں بدعات کم ہوں اس میں بدعات والی مسجدوں کے مقابلہ میں نماز پڑھنا اولیٰ و افضل ہے۔ پھر اپنے طور پر بدعتوں سے بچنا اور ان کے ازالہ کی تدبیر کرنا

---

[۱] اس حدیث سے مذکورہ دعویٰ پر استدلال محل نظر ہے جیسا کہ سمجھنے والوں سے مخفی نہیں، کیا یہ آپ کو معلوم نہیں کہ مرد کے لئے ریشمی کپڑے میں نماز حرام ہے لیکن اس کے باوجود اس کی وجہ سے نماز باطل نہیں ہوگی۔

بھی ضروری ہے۔ اگر کسی مخصوص رات میں بدعات زیادہ ہوتی ہوں تو اس رات جماعت چھوڑ دینا افضل ہے کیونکہ جماعت سے نماز مستحب ہے [۱] لیکن اہل بدعت کی کثرت کا سبب بننا ممنوع اور ممنوع کا چھوڑنا واجب ہے' اس کے لئے کسی مستحب یعنی مخصوص رات میں نماز باجماعت کو چھوڑا جا سکتا ہے' نیز یہ خوف بھی ہے کہ مسجد کی حاضری کی صورت میں بدعات کے گناہوں میں وہ شریک مانا جائے۔ یہ ایک وجہ ہوئی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے حاضر ہونے والے کا دل بدعت سے مانوس ہو جائے اور وہ اسے دور کرنے کی کوشش ترک کر دے' ایسی صورت میں وہ اس بات کا مصداق ہو جائے گا کہ:

وَ لَيْسَ وَرَاءَ ذَالِكَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِنَ الْإِيْمَانِ۔ [۲]

اور اس کے بعد رائی کے برابر بھی ایمان کا درجہ نہیں ہے۔

تیسری وجہ جو دوسری وجہ سے بھی سخت ہے یہ ہے کہ یہ بھی ڈر ہے کہ وہ جو کچھ دیکھے' یا سنے اسے مستحسن سمجھنے لگے' اس کی قباحت بہت زیادہ ہے' اس لئے کہ یہ احداث فی الدین کا استحسان ہے۔ جسے نبی ﷺ نے مردود بتایا ہے' آپ کا یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ عَمَلَ امْرِئٍ حَتّٰى يَتَيَقَّنَهُ' قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا

---

[۱] میں کہتا ہوں کہ از روئے دلیل جماعت سے نماز واجب ہے' وجوب کے دلائل کی تاویل کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ یہ تفصیل کا مقام نہیں' اس کے لئے طویل ماخذ کی طرف رجوع کرنا چاہئے' جیسے ابن قیم کی کتاب "اَلصَّلٰوةُ وَ مَا يَلْزِمُ فِيْهَا" (ناصرالدین)

[۲] ابن مسعودؓ کی مرفوع حدیث کا ٹکڑا ہے جو پہلے گزر چکی ہے' اسے مسلم (۱:۵۰' ۵۱) احمد (۱:۴۵۸' ۴۶۱) اور پہلے ٹکڑے کو طبرانی (۳:۴۹' ۱) نے روایت کیا ہے۔

اِتْقَانُهٗ؟ قَالَ: یَخْلِصُهٗ مِنَ الرِّیَاءِ وَالْبِدْعَةِ۔ [1]

اللہ تعالیٰ کسی کا عمل اتقان کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ صحابہ نے سوال کیا کہ عمل کا اتقان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اسے ریاء اور بدعت سے پاک و صاف رکھنا۔

اور ایسا کم ہوتا ہے کہ کہیں کی تمام مسجدوں میں بدعات کی کثرت ہو جائے' لیکن اگر ایسا ہو تو پھر اسی مسجد میں جانا چاہئے جس میں بدعتیں کم ہوں۔ اگر ایسے لوگ جن کی اقتداء کی جاتی ہے بدعات والی مسجدوں میں جانا بند کر دیں تو بہت سی بدعات کا خاتمہ ہو سکتا ہے مگر افسوس کہ لوگ روا داری سے کام لیتے ہیں جس کے نتیجہ میں عوام بدعتوں کے عادی بن جاتے ہیں اور انہیں شریعت کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں' یہ بڑی خطرناک بات ہے اور اس سے اس آیت کا مصداق بن جانے کا اندیشہ ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ (الکھف: ۱۰۴)

وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اگر بدعات سے محفوظ کسی مسجد میں کوئی مصلّی نہ ہو تو پھر اسی میں نماز ضروری ہو جاتی ہے' ایسی صورت میں اسے اللہ کے گھر کو آباد کرنے کا بھی ثواب ملے گا جو بہت بڑی سعادت ہے' ابوداؤد نے سنن میں ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلصَّلٰوةُ فِیْ جَمَاعَةٍ تَعْدِلُ خَمْسًا وَعِشْرِیْنَ صَلَاةً' فَاِذَا صَلَّاهَا [2]

---

[1] "وَمَا اِتْقَانِهٖ" کی زیادتی کے ساتھ غریب ہے' یہ حدیث عائشہؓ' کلیب بن شہاب' اور ام عبدالرحمن بن حسان سے مروی ہے' اور کسی کی روایت میں مذکورہ اضافہ نہیں' اس لئے وہ منکر ہے اور اصل حدیث میرے نزدیک حسن ہے جیسا کہ میں "الصَّحیحة" (۱۱۱۳) میں بیان کیا ہے۔

[2] اصل میں "صَلٰی صَلَاةً" ہے۔ تصحیح ابوداؤد سے کی گئی ہے۔

فِيْ فَلَاةٍ فَاَتَمَّ رُكُوْعَهَا وَ سُجُوْدَهَا بَلَغَتْ خَمْسِيْنَ۔ [1]

جماعت کی نماز پچیس نمازوں کا درجہ رکھتی ہے اور اگر اس کو کسی میدان میں پڑھے اور رکوع و سجود اچھی طرح کرے تو پچاس تک پہنچ جاتی ہے۔

ابتداء"

اس کتاب کو میں نے چند ابواب و فصول میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ استفادہ میں آسانی ہو اور متفرق چیزیں اکٹھا ہو جائیں' مزید یہ کہ انسان کو اپنے اور اپنے ماحول کے بارے میں بصیرت حاصل ہو جائے۔ آگے ہم اپنے مقصد کی توضیح کر رہے ہیں۔

---

[1] اس حدیث کی اسناد صحیح ہے' اس کی تخریج "صحیح سنن ابی داوٗد ۵۶۹) میں موجود ہے۔

باب اول

مساجد کی بدعتوں کے بیان میں

پہلی فصل

نماز جمعہ کی بدعتوں کے بیان میں

۱۔ خطبہ جمعہ کی بدعتیں

علامہ ابن قیم نے زادالمعاد میں جمعہ کے بارے میں نبی ﷺ کے طریقہ کی توضیح کرتے ہوئے بدعتوں کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ "نبی ﷺ جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ، آواز بلند، اور غصہ سخت ہو جاتا تھا، آپ فرماتے تھے:

اَمَّابَعْد! فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰهِ، وَ خَیْرُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ وَ شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَکُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ۔[1]

حمد و نعت کے بعد، بہترین بات اللہ کی کتاب، اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور بد ترین کام بدعت کا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔

نبی ﷺ خطبہ میں صحابہ ؓ کو اسلامی قواعد و شریعت کی تعلیم فرماتے تھے، جمعہ کے دن آپ لوگوں کو مہلت دیتے تھے، جب لوگ جمع ہو جاتے تو آپ تشریف لاتے اس وقت کوئی ہٹو بچو کی آواز نہیں ہوتی، آپ نہ تو طیلسان ڈالے ہوتے نہ کوئی سیاہ

---

[1] جابر کی اس صحیح حدیث کو مسلم نے ذکر کیا ہے لیکن اس میں " وَکُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ" کا جملہ نہیں ہے، یہ نسائی کے یہاں اور بیہقی کی "الاسماء و الصفات" میں موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

لباس' آپ جب مسجد میں داخل ہوتے تو لوگوں کو سلام کرتے' اور جب منبر پر چڑھتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے سلام کرتے' قبلہ رخ ہو کر آپ کوئی دعا نہیں کرتے بلکہ بیٹھ جاتے' حضرت بلالؓ اذان سے فارغ ہوتے تو آپ فوراً کھڑے ہو کر خطبہ شروع فرماتے' اس درمیان کوئی اور کام نہ کرتے' آپ کے ہاتھ میں تلوار وغیرہ نہیں ہوتی تھی بلکہ منبر بننے سے پہلے آپ کمان کا سہارا لیتے تھے۔ جنگ میں آپ کمان پر ٹیک لگاتے تھے اور جمعہ میں لاٹھی پر' تلوار پر ٹیک آپ سے منقول نہیں' کچھ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ ہمیشہ تلوار پر ٹیک لگاتے تھے اور اس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ دین تلوار کے سہارے قائم ہے تو یہ بے حد جہالت کا خیال ہے۔

ابن الحاج کہتے ہیں کہ مؤذنوں کو اس بدعت سے روکنا چاہئے کہ جب امام مسجد میں آئے تو وہ کھڑے ہو کر نبی ﷺ پر درود پڑھیں' تاوقتیکہ امام منبر پر پہنچ جائے' درود ایک اہم عبادت ضرور ہے لیکن یہ اس کا محل نہیں۔

امام نووی نے "الروضہ" میں کتاب الجمعہ کے باب اول کے اخیر میں لکھا ہے کہ خطبہ میں جاہلوں کے چند اختراعی امور مکروہ ہیں' مثلاً دوسرے خطبہ میں لوگوں کا التفات' منبر پر چڑھتے ہوئے اس کی سیڑھیوں کو پیٹنا' چڑھنے کے بعد اور بیٹھنے سے پہلے دعا کرنا' شائد یہ سوچ کر کہ یہ قبولیت کا وقت ہے' حالانکہ قبولیت کا وقت بیٹھنے کے بعد کا ہے۔[1] حکام کے لئے دعا کرنے میں بے تکے اوصاف کا ذکر کرنا بھی بدعت ہے' اصل دعا کے بارے میں صاحب المہذب وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ مکروہ ہے' لیکن مختار مذہب یہ ہے کہ اگر بے تکے اوصاف کا ذکر نہ کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ دوسرے خطبہ میں غیر معمولی تیزی بھی بدعت ہے۔

---

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ بعض علماء کا قول ہے جو مرجوح ہے کیونکہ اس کی حدیث معلول ہے' راجح قول یہ ہے کہ وہ وقت عصر بعد کا ہے' اس کے بارے میں احادیث ثابت ہیں۔ (ناصرالدین)

ابو شامہ نے "الباعث" میں لکھا ہے کہ: "ان بدعتوں میں جنہیں سنت جیسی عمومیت شہرت اور دوام حاصل ہے' ایک یہ ہے کہ خطیب آنے میں بہت دیر کرے' ایک یہ کہ امرو نہی اور درود کے موقع پر دائیں بائیں ملتفت ہو' اس کی کوئی اصل نہیں' مسنون یہ ہے کہ خطبہ میں شروع سے آخر تک لوگوں کی طرف رخ رکھے' ایک بدعت یہ ہے کہ نبی ﷺ پر درود کے وقت آواز بلند کی جائے' درود دعاء ہے اور تمام دعاؤں میں سر مستحب ہے۔ نبی ﷺ نصیحت کے وقت آواز بلند فرماتے تھے کیونکہ یہی خطبہ کا مقصود ہے۔ دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانا ایک پرانی بدعت ہے' امام احمدؒ نے غضیف بن حارثؓ سے روایت کیا ہے کہ میرے پاس عبدالملک بن مروان نے آدمی بھیج کر یہ کہلوایا کہ "ابو اسماء! ہم نے لوگوں کو دو باتوں پر جمع کیا ہے' ایک جمعہ کے دن منبر پر ہاتھ اٹھانا اور دوم صبح اور عصر کے بعد حکایات بیان کرنا۔ انہوں نے جواب دیا کہ دونوں تمہاری پسندیدہ بدعات ہیں' میں کسی کو نہیں مان سکتا' اس نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس لئے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلاَّ رَفَعَ مِثْلَهَا مِنَ السُّنَّةِ' فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ۔ [1]

جب کوئی بدعت ایجاد ہوتی ہے' تو اس کی جگہ ایک سنت اٹھ جاتی ہے' اس لئے بدعت ایجاد کرنے سے بہتر سنت کی پابندی ہے۔

---

[1] اس کی اسناد ضعیف ہے اس لئے کہ "مسند" (۱۰۵:۴) میں اسے تقیہ عن ابی بکر بن عبداللہ عن حبیب بن عبید الرحبی عن غضیف بن الحارث روایت کیا ہے' اور تقیہ مدلس ہیں اور عنعنہ بھی کیا ہے اور ابوبکر بن عبداللہ ضعیف ہیں' ابن وضاح نے اسے "ابدع والنہی عنہا" ص ۳۷ میں حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے اور اسی طرح موقوف ذکر کیا ہے۔

۲۔ نماز جمعہ کے بعد ظہر کی باجماعت نماز

حنفی مذہب کی کتاب "القنیہ" میں مذکور ہے کہ جب اہل مرد کو علماء کے اختلاف کے باوجود دو جمعہ قائم کرنا پڑا (جس کے بارے میں ابویوسف' شافعی' اور ان کے متبعین کا خیال ہے کہ دونوں ایک ساتھ ہوں تو دونوں' ورنہ بعد کا باطل ہے) تو وہاں کے ائمہ نے لوگوں کو جمعہ کے بعد ازراہ احتیاط ظہر کی چار رکعت ادا کرنے کا حکم دیا۔ انتہیٰ

ابن نجیم کا قول ہے کہ ایک ہی شہر میں متعدد جگہ جمعہ ادا کرنا صحیح ہے' یہ ابوحنیفہ اور محمد کا قول ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ بڑے شہر میں سب کے ایک جگہ اکٹھا ہونے میں کھلی تکلیف ہے۔ القنیہ میں جو یہ مذکور ہے کہ ایک شہر میں متعدد جمعے جائز نہیں' یہ مذہب کے مخالف ضعیف قول پر مبنی ہے۔ ابن نجیم کہتے ہیں کہ "ظہر ادا کرنے کی صورت میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے عوام یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ جمعہ کے بجائے وہی فرض ہے' پھر وہ جمعہ میں سستی کرتے ہیں' اس لئے احتیاط یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے' اور اگر پڑھا جائے تو پوشیدہ طور پر گھروں میں پڑھ لیا جائے۔

ابن نجیم ہی نے لکھا ہے کہ "میں نے بارہا ظہر کی نماز نہ پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے' اس ڈر سے کہ کہیں جاہل جمعہ کے بجائے ظہر ہی کو فرض نہ سمجھ لیں۔ انتہیٰ

ضرورت کے پیش نظر شافعیہ نے بھی متعدد جمعے کو جائز کہا ہے' اور ضرورت سے مراد یا تو ان کی ضرورت ہو جن پر جمعہ لازم ہے یا ان کی جن سے ادائیگی صحیح ہے' یا جو ادا کرتے ہیں' ہر ایک کا احتمال موجود ہے۔ ابن عبدالحق نے آخری صورت کو معتمد مانا ہے۔ (یعنی تمام جمعہ ادا کرنے والوں کی ضرورت کے لحاظ سے تعدد جائز ہوگا) بعض متاخرین نے ان کی تائید کی ہے' بجیرمی کہتے ہیں کہ "اس قول کی رو سے پورے شہر میں ضرورت کے مطابق تعدد جائز ہوگا۔ پھر ظہر واجب نہ ہوگی جیسا کہ

ابن عبدالحق سے منقول ہے۔ اس روشنی میں دمشق وغیرہ شہروں کے بارے میں بھی ظہر کے عدم وجوب کا فتویٰ دیا جائے گا کیونکہ ایک وقت میں دو فرض کی ادائیگی کا حکم صحیح نہیں' مزید خرابی یہ ہے کہ اس سے لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد جمعہ اور ظہر دونوں فرض ہیں۔ بعض غالی صالح نما تو یہ غضب کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ جمعہ کے دن کے فرض سے قبل ظہر کی ابتدائی سنت کیسے پڑی جائے' اس سے ظہر کی ادائیگی فوت ہو جاتی ہے۔ غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازراہ رحمت اس دن صرف دو رکعتیں فرض کیں اور اس کو ادا کرنے کے بعد زمین میں پھیل کر اپنا فضل تلاش کرنے کی تعلیم دی' لیکن خود لوگوں نے اپنے اوپر تشدد کر کے زوال کے بعد کل بائیس رکعتیں پڑھنے کا التزام کیا۔

مخفی نہ رہے کہ حق کی توضیح کے لئے عوام کے دلوں سے غیر صحیح امر کے اعتقاد کو مٹانا دعوت الی اللہ کا ایک عظیم باب اور نبی ﷺ کا طریقہ ہے۔ مصری حاکم حسین پاشا کے عہد میں جمعہ کے بعد ظہر کی بدعت کے بارے میں ان کے پاس مذاکرہ ہوا تو علماء ازھر نے اس سے منع کیا جیسا کہ شبرالمسی نے نماز ظہر کے سبب سے متعلق اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے' اللہ تعالیٰ اس بدعت کی تردید کرنے والوں کو جزائے خیر دے اور اپنے فضل و کرم سے لوگوں کو اس سے باز رکھے۔ آمین۔

۳۔ کثرت تعدد سے جمعہ اپنے موضوع سے ہٹ جاتا ہے۔

یہ بحث اہم اور غور و توجہ کی مستحق ہے' اس کے اچھے حصوں کی پیروی کرنی چاہئے۔

فتح الباری میں جمعہ کی صحت کے لئے مشروط تعداد کے بارے میں علماء کے پندرہ اقوال مذکور ہیں۔ بعض لوگوں نے ان میں سے اہل ظاہر کے قول کی تائید کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دو آدمیوں سے جمعہ صحیح ہو جائے گا' اس کی دلیل یہ ذکر کی ہے کہ ایک آدمی کے دوسرے کے ساتھ ہونے سے اجتماع حاصل ہو جاتا ہے'

اور شارع نے دو پر جماعت کا اطلاق کیا ہے چنانچہ وارد ہے کہ:

اَلْاِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهَا جَمَاعَةٌ۔[1]

دو اور دو سے زائد کے لئے جماعت کا حکم ہے۔

مزید کہا کہ دو سے باتفاق تمام نمازیں ہو جاتی ہیں اور جمعہ بھی نماز ہے جس کے لئے بغیر دلیل کوئی دوسرا حکم نہیں ہوگا' اور زائد عدد کا اعتبار کرنے کی یہاں کوئی دلیل نہیں۔ انتہٰی

یہ بات بعض لوگوں کو اچھی معلوم ہوئی تو اسے حق صریح سمجھ کر تسلیم کر لیا۔

لیکن میرا قول یہ ہے کہ اہل ظاہر بہت سے مسائل میں کھلے جمود اور مجادلانہ ہوس سے کام لیتے ہیں اور سفسطہ کا سہارا لے کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ "یہ وارد نہیں' یہ صحیح نہیں اور ایسا نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں"۔ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام تشریع نبی ﷺ کے قول اور اہل ظاہر کے مالوف اسلوب سے ہونی چاہئے۔ لیکن یہ شریعت کے بہت سے ابواب میں اس کے مقاصد سے عظیم غفلت کی دلیل ہے' اس کی حیثیت مغز کو چھوڑ کر چھلکے' معنی کو نظرانداز کر کے لفظ اور روح سے بے توجہی برت کر جسم کو اختیار کرنے کے مانند ہے۔

عبادات میں جس سنت کا حکم ہے اس میں نبی ﷺ کا قول و فعل اور تقریر سب داخل ہے اور اصولی علماء اس پر متفق ہیں۔

جمعہ کی اصل مشروعیت یہود و نصاریٰ کے ہفتہ وار اجتماع کے بالمقابل ایک اجتماع کی غرض سے ہے کیونکہ اس میں بڑے بڑے فوائد مضمر ہیں۔

حافظ عبد بن حمید اور حافظ عبدالرزاق نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ اھل مدینہ نبی ﷺ کی آمد اور جمعہ کی مشروعیت سے قبل اکٹھے ہوئے تو انصار نے

---

[1] اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ بعض کا ضعف بہت زیادہ ہے' جیسا کہ میں نے "ارواء الغلیل" (۴۸۲) میں بیان کیا ہے۔

کہا کہ یہود ہر ہفتہ میں ایک دن اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی طرح نصاریٰ بھی، ہمیں بھی کسی دن جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر و شکر ادا کرنا چاہئے، اس کے لیے انہوں نے عروبہ کا دن مقرر کیا اور اسعد بن زرارہ کے پاس اکٹھا ہوئے انہوں نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور کچھ وعظ و نصیحت کی، لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے اس دن کا نام "یوم الجمعہ" قرار پایا۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔[1]

امام مسلم اور نسائی نے حضرت حذیفہؓ اور ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اَضَلَّ اللّٰهُ عَنِ الْجُمُعَةِ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا فَكَانَ لِلْيَهُوْدِ يَوْمَ السَّبْتِ وَ كَانَ لِلنَّصَارىٰ الْاَحَدُ، فَجَاءَ اللّٰهُ بِنَا فَهَدَانَا لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ، فَجَعَلَ الْجُمُعَةَ وَالسَّبْتَ وَالْاَحَدَ، وَكَذَالِكَ هُمْ تَبَعٌ لَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ہم سے پہلے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جمعہ سے گمراہ کر دیا یہود نے سنیچر کا اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کر لیا، جب اللہ تعالیٰ ہمیں لے آیا تو جمعہ کے دن کے لئے رہنمائی فرمائی، اب ترتیب یہ ہوئی جمعہ، سنیچر اور اتوار، اسی طرح وہ لوگ قیامت کے دن ہمارے تابع ہوں گے۔

حافظ ابن عساکر نے عثمانؓ بن عطاء سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں شہر فتح ہوئے تو انہوں نے بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ ایک مسجد جماعت کے لئے اور ایک قبائل کے لئے مقرر کر لیں، اور جب جمعہ کا دن ہو تو جماعت کی مسجد میں آ کر جمعہ ادا کریں۔[2] یہی بات کوفہ کے گورنر سعد بن

---

[1] میں کہتا ہوں کہ مرسل اصول حدیث کی رو سے ضعیف حدیث کی قسموں میں سے ایک ہے اس لئے اس کا لحاظ رہنا چاہئے۔

[2] میں کہتا ہوں کہ اس طرح کے اقوال سے حکماء اسلام نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے کہ جمعہ کے =

ابی وقاص اور مصر کے گورنر عمرو بن العاص کو بھی لکھی۔ اور اجناد کے حکام کو لکھا کہ گاؤں کے بجائے شہروں میں قیام کریں اور ہر شہر میں ایک مسجد بنالیں۔

= دن شہر کے لوگوں کو ایک مسجد میں جمع ہونا ضروری ہے' اسی پر انہوں نے تعارف کی حکمت کی بنیاد رکھی ہے جس سے معاشروں کا قیام ہے' اس موقع پر مشہور دانشور ابن مسکویہ کا قول پیش ہے جسے انہوں نے تہذیب الاخلاق کے پانچویں مقالہ میں محبت کی بحث کے ضمن میں درج کیا ہے "محبت کا سبب انس ہے' انسان فطری طور پر انسیت رکھتا ہے اور وحشت و نفرت سے گریز کرتا ہے' انسیت ہی سے انسان کا لفظ ماخوذ ہے' شاعر کا یہ خیال صحیح نہیں کہ " سمیت انسانا لکونك ناسیا " یعنی تمہارا نام انسان اس لئے رکھا گیا کہ تم بھولتے ہو" اشارہ ہے کہ انسان نسیان سے ماخوذ ہے' جو غلط ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ انسان میں جو فطری انس ہے اس کی حرص پیدا کرنا چاہئے اور ابنائے جنس کے ساتھ حاصل کرنا چاہئے اس لئے کہ وہی تمام محبتوں کا مبداء سرچشمہ ہے۔ شریعت اور رواج کے ذریعہ دعوتی مجالس و اجتماعات کا اہتمام اسی انس کے حصول کے لئے ہوتا ہے۔ شاید شریعت نے روزانہ مساجد میں پانچ وقت کا اجتماع اور جماعت کی نماز کی فضیلت اسی لئے رکھی ہے کہ فطری انس قوۃ سے فعل کی طرف آئے اور صحیح عقیدے سے جو سب کا جامع ہے اس میں قوت پیدا ہو۔ روزانہ کا اجتماع کسی بھی محلہ یا گلی والے کے لئے مشکل نہیں۔ شارع کے پیش نظر ہمارا مذکورہ مقصد ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ایک شہر والوں کے لئے ہر ہفتہ میں ایک دن یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ایک ایسی مسجد میں اکٹھا ہوں جس میں سب کی گنجائش ہو تاکہ روزانہ کے اجتماع میں جس طرح چند گھروں کے لوگ اکٹھا ہو جاتے ہیں اسی طرح ہفتہ وار اجتماع میں تمام محلوں کے لوگ اکٹھا ہو جائیں۔ پھر شریعت نے یہ ضروری قرار دیا کہ شہر والے گاؤں اور دیہات والوں کے ساتھ سال میں دو مرتبہ عید گاہ میں اکٹھا ہوں تاکہ انس و محبت کی تجدید و تعمیم ہو۔ پھر یہ حکم دیا کہ سب لوگ عمر بھر میں ایک بار مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین پر جمع ہوں' اس کے لئے عمر کا کوئی خاص وقت نہیں متعین کیا تاکہ موقع زیادہ رہے اور دور شہروں کے لوگ اسی طرح جمع ہوں جس طرح ایک شہر کے لوگ جمع ہوتے ہیں' اور انس و محبت اور خیر و سعادت میں ان کا بھی وہی حال ہو جو سال' ہفتہ اور دن میں جمع ہونے والوں کا ہوتا ہے' اس طرح مشترکہ بھلائیوں کی جانب فطری میلان ہوگا اور شریعت کی محبت کی تجدید ہوگی' لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر اس کی بڑائی کریں گے اور اس دین قویم پر خوشی کا اظہار کریں گے جس نے انہیں اللہ کے ڈر اور اس کی فرمانبرداری پر اکٹھا کر دیا ہے۔ انتہی بحروفہ۔

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن رواحہؓ دو میل سے جمعہ کو پیدل ' یا سواری سے آتے تھے۔ یہ بھی نقل کیا ہے کہ "ابو ہریرہؓ جمعہ کو ذوالحلیفہ سے آتے تھے اور سعدؓ سات یا آٹھ میل کی دوری سے کبھی آتے تھے اور کبھی نہیں آتے تھے۔ اور انس راویہ۔ سے جو بصرہ سے دو فرسخ کی دوری پر ہے جمعہ میں حاضر ہوتے تھے۔ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جمعہ میں دو فرسخ کی دوری سے آنا چاہئے۔ ابن حجر نے "التلخیص" میں لکھا ہے کہ اثرم نے امام احمد بن حنبل سے کہا' کیا ایک شہر میں دو جگہ جمعہ قائم کیا گیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے ایسا کیا ہے۔ انتہٰی

میں کہتا ہوں کہ اسی وجہ سے ائمہ سلف نے جمعہ کے دن لوگوں کے ازدحام سے متعلق مسائل کی توضیح کی ہے' چنانچہ امام مالکؒ کی المدونۃ میں مذکور ہے' جس نے امام کے ساتھ جمعہ کے دن نماز شروع کی اور رکوع میں جانے کے بعد لوگوں کے دھکے کی وجہ سے وہ سجدہ نہ کر سکا یہاں تک کہ امام نماز سے فارغ ہو گیا تو ایسا شخص پھر چار رکعت ظہر پڑھ لے گا۔ امام مالکؒ ہی کا قول ہے کہ "لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے اگر کسی کو دوسرے مصلی کی پشت پر سجدہ کرنا پڑے تو وہ وقت گزرنے کے بعد بھی نماز کا اعادہ کرے گا۔ ان وضاحتوں سے امام احمدؒ کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ "تعدد مطلقاً معروف نہ تھا۔ ابن المنذر کا قول ہے کہ لوگوں کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کے عہد میں جمعہ صرف مسجد نبوی میں پڑھا جاتا تھا۔ اور جمعہ کے دن تمام مساجد کو چھوڑ کر ایک مسجد میں لوگوں کا اجتماع اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جمعہ دوسری نمازوں سے مختلف ہے اور اسے ایک ہی جگہ پڑھا جا سکتا ہے۔

خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ اسلام میں پہلی مرتبہ شہر میں پرانے جمعہ کے ہوتے ہوئے جو جمعہ قائم ہوا وہ بغداد میں خلیفہ معتضد کے زمانہ میں بغیر مسجد بنائے ہوئے قائم ہوا' اور اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ خلفاء کو عام مسجدوں میں

آنے سے ڈر معلوم ہونے لگا تھا' یہ زمانہ ۲۸۰ھ کا واقعہ ہے' پھر خلیفہ مکتفی کے زمانہ میں مسجد تعمیر ہو گئی تو وہ لوگ اسی میں جمعہ پڑھنے لگے۔

ابن المنذر کہتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق عطاء کے علاوہ کوئی اور تعدد جمعہ کا قائل نہیں۔ رافعی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کے دور میں صرف ایک جگہ یعنی بڑی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا' حالانکہ عید کی نماز وہ صحرا اور شہر دونوں جگہ پڑھتے تھے' اور جو عرب قبیلے مدینہ کے گرد و پیش میں رہتے تھے وہ وہاں پر جمعہ نہیں پڑھتے تھے اور نہ انہیں نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ان تمام منفی اشیاء کا ماخذ استقراء ہے' کیونکہ مدینہ میں مسجد نبوی کے علاوہ اجتماع کی کوئی جگہ ہی نہیں تھی۔

ترمذی نے قباء کے ایک شخص سے اور انہوں نے اپنے والد سے جو صحابی تھے' روایت کیا کہ ہمیں نبی ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ قباء سے جمعہ میں حاضر ہوں۔[1]

ان احادیث و آثار اور عصر اول کے اتفاق سے یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ کھلے طور پر جمعہ کا مقصد کثیر جماعت ہے۔ جس کے لئے جمعہ مشروع ہوا ہے اور اسی سے جمعہ کو وہ حیثیت بھی حاصل ہوگی جو اہل کتاب کے دونوں دنوں کو حاصل ہے۔ اہل ظاہر پر تعجب ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے وہ غافل ہیں اور اس اجتماع کے راز کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ مزید تعجب اس بات پر ہے کہ انہوں نے جمعہ کے لفظ پر غور نہیں کیا' صحابہ نے اس دن کو یہ نام دیا اور قرآن نے اس کی تائید کی تو محض اس لئے کہ اس دن اجتماع زیادہ ہوتا ہے' اس کی مزید توضیح ذیل میں درج ہے۔

---

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ضعیف ہے' ترمذی نے اس کے بعد یہ کہہ کر خود اسے ثابت کر دیا ہے کہ صرف اسی وجہ سے ہم اسے جانتے ہیں' اس بارے میں نبی ﷺ سے بصحت کوئی بات ثابت نہیں۔ میرے قول کے مطابق اس کی علت قباء کا کوئی نامعلوم شخص ہے' نیز اسے ثویر نے اس سے روایت کیا ہے جس کا قول ابن حجرؒ کے مطابق ضعیف ہے۔"

"قاموس اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ "جمعہ" کا لفظ ج کے پیش اور م کے سکون دونوں حرف کے پیش اور ج کے پیش اور م کے زبر کے ساتھ صحیح ہے' اس سے مشہور دن مراد ہے' اس نام سے اسے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس دن میں مسجد کے اندر سب لوگ جمع ہوتے ہیں۔ جن لوگوں نے اسے ج کے پیش اور م کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے وہ اس دن کے اندر لوگوں کے اجتماع کثیر کو ملحوظ رکھتے ہیں جیسا کہ ہمزۃ' لمزۃ اور ضحکۃ کے الفاظ کے معانی سے واضح ہے یعنی بہت عیب جو' طعنہ زن اور ہنسنے والا۔"

میں کہتا ہوں کہ اہل لغت اس بات پر متفق ہیں کہ فُعْلَةٌ اور فُعَلَةٌ دونوں وزن مبالغہ کے ہیں' پہلا مفعول کے مبالغہ کو اور دوسرا فاعل کے مبالغہ کو بتایا ہے' اس لئے جمع کا معنی ہوگا جمع کی گئی چیز' یا جمع کرنے والوں کی کثرت' اور کوئی مخصص نص اور اجماع کے بغیر اپنی رائے سے اس لفظ کو اس کے اس لغوی مفہوم سے علیحدہ نہیں کر سکتا جس کی تائید نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کے عمل سے ہوتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جمع کا وزن مبالغہ کے لئے ہے تو اس کے تحقق کے لئے عہد نبوی میں کتنی تعداد کا ثبوت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چالیس کی تعداد سے مبالغہ کا معنی متحقق ہو جائے گا کیونکہ مدینہ میں پہلا جمعہ چالیس آدمیوں سے قائم ہوا تھا' اسے نبی ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے مصعب بن عمیر نے قائم کیا تھا' اس لئے یہ تعداد قیام جمعہ کے لیے کم از کم تعداد مانی جائے گی۔[1] اور اس

---

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ ایک حالت کا واقعہ ہے۔ اور حالات کے واقعات سے استدلال نہیں کیا جا سکتا' کسی چیز کا علم نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں جیسا کہ فقہاء جانتے ہیں' ہمیں کیا پتہ کہ کتنے واقعات رونما ہوئے ہوں' لیکن ہمیں ان کا علم نہ ہو' اللہ تعالیٰ کے علاوہ واقعات کے احاطہ کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا' کیا یہ ممکن نہیں کہ لوگوں نے بعض چھوٹے قریوں میں اس سے کم تعداد سے جمعہ پڑھا ہو لیکن وہ واقعہ منقول ہو کر ہم تک نہ پہنچا ہو؟ یا منقول ہوا ہو لیکن ہمیں علم نہ ہو سکا ہو؟ ==

سے یہ بھی سمجھا جائے گا کہ مبالغہ کا صیغہ جس سے کثرت سمجھی جاتی ہے' اس مقدار پر قطعاً صادق آئے گا اور جو لوگ اس مقدار کو کافی نہیں سمجھتے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ امام شافعیؒ نے چالیس کی شرط شاید یہ سوچ کر لگائی ہے کہ جمعہ کے لئے اس کے مادہ کا لحاظ کرتے ہوئے جماعت کی کثرت ہونی چاہیئے۔ چونکہ صحابہ نے اس تعداد سے جمعہ قائم کیا اس لئے ان کا یہ عمل مذکورہ لفظ کے اجمال کا بیان بن گیا۔ بعض لوگ یہ سوچ سکتے ہیں کہ مبالغہ کے مصداق کے لئے چالیس کی تعداد کافی نہیں' جیسا کہ بعض نے اس کی قید لگائی ہے۔ لیکن صحابہ کا عمل اس بات کے لئے کافی ہو گا کہ چالیس کی تعداد لغوی و شرعی اعتبار سے لفظ کا مصداق ہے۔ ہاں یہ سوال ضروری باقی ہے کہ اس تعداد سے کم پر مبالغہ کا صیغہ صادق ہو گا یا نہیں؟ کیونکہ اس سے کم تعداد سے جمعہ کا قیام منقول نہیں' نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کے عہد میں چھوٹے قریئے والوں کو جمعہ قائم کرنے کی اجازت بھی نہیں تھی[1] مذکورہ سوال کے

= اس کا امکان اس بات سے پیدا ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جزیرہ میں اپنے قاضی عدی بن عدی کو لکھا تھا کہ جس قریہ کے لوگ خانہ بدوش نہیں ہیں وہاں ایک امیر کو مقررہ کر دو جو انہیں جمعہ پڑھائے۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱: ۲۰۴' ۱۔۲) میں "باب من کان یری الجمعۃ فی القری وغیرہا میں ذکر کیا ہے۔ (ناصرالدین)

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ خیال مصنفؒ یا ان کے ماخذ کے علم کی بناء پر ہے' ورنہ اگر انہیں مصنف ابن ابی شیبہ اور اس میں منقول آثار کا علم ہوتا تو یہ دعویٰ نہ کرتے' میں نے بھی عمر ابن عبدالعزیزؒ کا جو واقعہ نقل کیا ہے اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمرؓ بن خطاب کا ہے' ان سے لوگوں نے جمعہ کے متعلق لکھ کر دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا "جہاں رہو جمعہ قائم کرو" اسے ابن ابی شیبہ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے' حضرت عمرؓ بن خطاب نے یہ جانتے ہوئے کہ گاؤں چھوٹے بڑے چالیس آدمیوں سے زیادہ اور کم دونوں طرح کے ہوتے ہیں' مطلقاً بلا قید جمعہ کے قیام کا حکم دیا' خلیفہ راشد کے اس فعل سے صراحتاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ چالیس کی شرط صحیح نہیں ہے' اور اسی کو "الاجوبتہ النافعہ" (ص ۳۶۔۳۸) میں ہم نے راجح قرار دیا ہے' اور اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا تھا صحابہؓ مکہ و مدینہ کے مابین جمعہ قائم کرتے تھے۔"

جواب میں کوئی قطعی بات کہنا مشکل ہے' مگر یہ پہلو راجح معلوم ہوتا ہے کہ چالیس سے کم کی تعداد لفظ جمعہ کا مصداق نہیں' کیونکہ وزن' منقولہ حالت اور جمعہ کی مشروعیت کے راز کا یہی تقاضہ ہے' واللہ اعلم۔

ظاہریہ کے موقف پر مزید نظر ڈالتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں " الاثنان فما فوقهما جماعة" سے استدلال کرتے ہوئے وہ یہ بھول گئے کہ شریعت کی اصطلاح میں جماعت اور جمعہ میں فرق ہے جمعہ کا لفظ حدیث میں ہوتا تو استدلال صحیح ہوتا' علاوہ ازیں یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ سخاوی نے "المقاصد الحسنته" میں بتایا ہے۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جمعہ کے علاوہ فرض نمازوں میں سے کسی نماز میں صرف دو آدمی ہوں تو ایک امام اور دوسرا مقتدی ہو' اس طرح ان کی جماعت ہو جائے گی۔ اس سے شارع کا مقصد یہ ہے کہ فرض ادا کرنے میں دو آدمیوں کو بھی مل جانا چاہیے' اس طرح یہ وہم ختم ہو جائے گا کہ جماعت کے لئے کثیر تعداد ضروری ہے۔

اور اس سے عبادت کے اندر تعاون و اتحاد پیدا ہوگا۔

اہل ظاہر کا یہ قول کہ جمعہ سوائے جماعت کی شرط کے دوسری نمازوں سے مختلف نہیں [1] غلو و جمود پر مبنی ہے' کیونکہ جمعہ کے شرائط' سنن' آداب اور دوسرے اہتمات جن کا تذکرہ حدیث کی کتابوں کے طویل ابواب میں وارد ہے' یہ تمام امور اس کے دیگر نمازوں سے مختلف ہونے کو یقینی بنا رہے ہیں۔ ابن قیم نے

---

[1] میں کہتا ہوں کہ اس میں نقطہ بحث سے ظاہری دوری ہو گئی ہے اس لئے کہ ظاہریہ جمعہ کو دیگر نمازوں کی طرح صرف شرائط میں مانتے ہیں' سنن و آداب میں نہیں' نیز وہ یہ قید لگاتے ہیں کہ جب تک کوئی دلیل نہ ہو' اور جماعت کے شرط کی دلیل موجود ہے جیسا کہ آئندہ مذکور ہے۔ اور یہ دلیل بھی کہ وہ زوال سے پہلے پڑھا جاتا ہے جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا ہے اور ہم نے مذکورہ رسالہ میں اس کی تشریح کی ہے۔ (ناصرالدین)

زاد المعاد میں جمعہ کے تیس سے زائد خصائص کا تذکرہ کیا ہے۔ امام احمدؒ کا مذہب ہے کہ اس کا اول وقت نماز عید کا وقت ہے۔ ابن مسعود' جابر' سعید اور معاویہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے زوال سے پہلے جمعہ پڑھا اور اس پر اعتراض نہیں ہوا۔ ابوداؤد نے سنن میں ابن زبیر سے اسے روایت کیا ہے اس سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کا حال بقیہ نمازوں سے مختلف ہے' اس میں اصل چیز اجتماع ہے' لوگ چاشت یا اس کے بعد جب اکٹھا ہو جائیں تو اسی وقت پڑھ لیا جائے گا' جیسا کہ عید میں ہوتا ہے۔

تعجب یہ ہے کہ ظاہریہ جمعہ کے لئے جماعت کی شرط کس طرح مان گئے' مکمل جمود[1] کا تقاضا تو یہ تھا کہ دوسری نمازوں کی طرح اس کے لئے بھی جماعت کی شرط ضروری نہ ہوتی۔ ممکن ہے کہ جماعت کی شرط پر اجماع کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا ہو۔ لیکن اس سے ان کے خلاف استدلال ہی کے لئے راہ ہموار ہوگی' اس لئے کہ علماء اصول اس بات پر متفق ہیں کہ اجماع کے لئے قرآن یا حدیث قولی یا فعلی کا ہونا ضروری ہے' اور اس اجماع کی سند نبی ﷺ کا فعل ہے' اور اس سند کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہنا کہ جمعہ دو آدمیوں سے صحیح ہو جائے گا غلط ہے کیونکہ نبی ﷺ نے صرف اہل مدینہ کے اجتماع سے جمعہ قائم کیا تھا اور اہل عوالی یا مدینہ کے گردو پیش رہنے والے دوسرے لوگوں کو آپ نے یہ اجازت نہیں دی کہ وہ خود جمعہ پڑھیں' اور ایسا محض اس لئے ہوا کہ جمعہ کے لئے کثیر جماعت کی شرط لازمی ہے' اور اگر جمود

---

[1] میرا قول یہ ہے کہ دلیل کی پابندی کا نام جمود نہیں بلکہ ہر عالم کا فرض ہے کہ بغیر علم کوئی بات نہ کہے' اور علم ہی دلیل ہے اور اسی کی وجہ سے ظاہریہ نے جماعت کی شرط کو ختم نہیں کیا۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ الجمعة حق واجب علٰی کل مسلم فی جماعة الا۔ الخ یعنی ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ واجب ثابت ہے۔

نہ[1] ہو تو بالکل واضح ہے۔

پھر اس کے بالمقابل ان لوگوں کا قول ہے جو بہرحال تعدد کے مخالف ہیں خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کے عہد میں متعدد جگہ جمعہ نہیں ہوا تھا ظاہر ہے کہ اس قول میں شریعت کے برخلاف تنگی و مشقت ہے۔

اس دور میں عدم تعدد کے ہم بھی منکر نہیں' لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ کی بڑی مسجد میں سب کے لئے وسعت تھی' اور جب حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ

---

[1] میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ دلیل کی پیروی جمود نہیں' مصنف کو خدا معاف فرمائے انہوں نے اہل علم و تحقیق پر اکثر جمود کا الزام لگایا ہے' حالانکہ اکثر کتابوں میں مخالفین کے ساتھ مباحثہ میں ان سے تسامح ہوا ہے۔ ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ مذکورہ اجماع کی دلیل سابقہ حدیث میں نبی ﷺ کا قول "فی الجمعة" ہے' مصنف نے جو دلیل ذکر کی ہے اس میں اجماع کی سند بننے کی صلاحیت نہیں' کیونکہ متنازعہ شرطیت کے لئے تنہا فعل دلیل نہیں بن سکتا اس سے زیادہ سے زیادہ سنت ثابت ہو سکتی ہے۔ نبی ﷺ نے ہمیشہ عیدین کی نماز عید گاہ میں ادا کی' لیکن اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ عیدین کی نماز کی صحت کے لئے یہ شرط ہے' ہاں اس سے سنیت ثابت ہو سکتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مصنف نے چالیس کے عدد کی شرط ثابت کرنے کے لئے کوئی صریح دلیل ذکر نہیں کی۔ شاید جمعہ میں نمازیوں کی تعداد بڑھانے کے لئے اپنی غیر معمولی رغبت کے باعث انہوں نے ایسا کیا ہے۔ میں بھی اس رغبت میں ان کا شریک ہوں' لیکن مذکورہ تعداد کی شرطیت کا ایسا قائل نہیں کہ اس کے فقدان سے جمعہ کی نماز باطل ہو جائے۔ خود مصنف نے صفحہ ۶۴ پر اپنے اس رویہ کی مخالفت کی ہے' وہاں پر وہ کہتے ہیں کہ "جمعہ حاضرین سے ادا کیا جائے گا خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ' اور چالیس کی تعداد پوری نہ ہونے کے سبب جمعہ چھوڑا نہیں جائے گا اور نہ ظہر کا اعادہ کیا جائے گا"۔ یہی ہم بھی کہتے ہیں اور وہ لوگ بھی جن پر مصنف نے جمود کا الزام لگایا ہے' نعمت صرف اللہ کی ہے' اور اسی سے مدد مانگی جاتی ہے' ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ "الاجوبة النافعة" (ص ۳۹' ۴۰)

کے دور میں تنگی ہوئی تو اس کی توسیع کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس دور میں متعدد جگہ جمعہ نہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ اس کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔

لیکن مسلمانوں کی کثرت کے بعد ظاہر ہے کہ کسی ایک مسجد میں سب کا اجتماع ناممکن ہے اس لئے دین کی نرمی کا تقاضا یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق متعدد جگہ جمعہ کی اجازت دی جائے تاکہ اتحاد و اجتماع کے فوائد بھی باقی رہیں اور کسی کو تکلیف بھی نہ ہو۔

اسی طرح اہل کتاب کے بھی بڑے شہروں میں متعدد گرجے ہوتے ہیں' جن میں وہ متعینہ دنوں میں اکٹھا ہوتے ہیں' بنا بریں انصار کے اس قول کو کہ اہل کتاب ایک مخصوص دن میں اکٹھا ہوتے ہیں' معروف حالت پر محمول کیا جائے گا۔

لیکن آج کے دور میں متعدد جگھوں پر جمعہ کے قیام میں جو اسراف ہو رہا ہے اس سے جمعہ کا مقصد فوت ہو رہا ہے' چنانچہ دمشق کی چھوٹی بڑی تمام مسجدوں میں ضرورت کے بہانے سے جمعہ پڑھاجاتا ہے' جو امت کے لئے افسوسناک ہے۔

چھوٹی مسجدیں جمعہ کے علاوہ عاجز' بیمار' تاجر اور دست کار کے لئے بنائی جاتی ہیں جو محلہ سے دور نہیں جا سکتے۔ لیکن بہت سے نام کے صلحاء جن کو جمعہ اور جماعت میں کمی کی پرواہ نہیں چندہ وغیرہ جمع کر کے ایسی چھوٹی مسجدوں میں منبر بنا لیتے ہیں اور مؤذن رکھ کر جمعہ شروع کر دیتے ہیں' وہ سمجھتے ہیں کہ انکا یہ کام اچھا ہے لیکن اس میں درج ذیل بدعتیں موجود ہیں۔

1. اس سے وقف کرنے والے کا مقصد فوت ہوتا ہے۔
2. وقف کرنے والے نے جس کام کو نہیں کیا وہ ہوتا ہے۔
3. منبر کی وجہ سے مصلیوں کی تعداد میں کمی ہو جاتی ہے۔
4. چھوٹی مسجد کے باوجود جمعہ کے لوازم کو اس میں رکھنا پڑتا ہے۔
5. بڑی مسجدوں میں جا کر مسلمان تعارف کا مقصد حاصل کرنے کے بجائے متفرق ہو جاتے ہیں۔

۲ ایسی عبادت ادا ہونے لگتی ہے جس کی صحت میں اختلاف ہے۔
ب ایک برا طریقہ ایجاد ہو جاتا ہے جس کی دوسرے بھی پیروی کر سکتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ ان مفاسد کا سبب مختلف جامع مسجدوں کا وجود ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ شام اور مصر میں جلد ہی سے ہو رہا ہے' قاہرہ میں صرف ایک جگہ جمعہ ہوتا تھا' پھر شاہ ظاہر کے دور میں قاضی القضاۃ تاج الدین کی مخالفت کے باوجود دوسرا جمعہ شروع کیا گیا۔ شام کے اکثر جمعے بھی فی الحال کی ایجاد ہیں۔

سبکیؒ نے آگے لکھا ہے کہ دمشق میں حضرت عمرؓ کی فتح سے آج تک (یعنی رمضان ۷۵۶ھ تک) فصیل کے اندر ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا تھا۔ انتہیٰ

البتہ فصیل کے باہر تین مسجدوں میں جمعہ ہوتا تھا' ایک خلیل خاں کی جامع مسجد میں جو مشرقی دروازے کے باہر واقع تھی' اس میں ابن قیمؒ خطبہ دیتے تھے' اب یہ مسجد ختم ہو گئی ہے اور صرف دروازہ اور دو روشندان باقی ہیں' دوم۔ یلبغا کی مسجد میں اور سوم تنکز کی جامع مسجد میں۔ چونکہ فصیل کے باہر کے محلے علیحدہ علیحدہ واقع تھے اس لئے انہیں مختلف گاؤں کا حکم دے دیا گیا تھا۔

سبکی نے اپنی متعدد کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اگر کسی شہر یا گاؤں میں ایسی جامع مسجد ہو جس میں تمام باشندوں کی گنجائش ہو وہاں کسی دوسری مسجد میں دوسرا جمعہ قائم کرنا جائز نہیں۔

عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ تمام اہل بصرہ کی بڑی مسجد میں گنجائش نہیں' ایسی حالت میں وہ کیا کریں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اپنی اپنی مسجدوں میں جمعہ پڑھیں' کافی ہو گا۔ ابن جریج ہی کا قول ہے کہ بڑی مسجد کے علاوہ دوسری جگہ جمعہ قائم کرنے پر لوگوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ ابن عمرؓ کا قول ہے کہ صرف بڑی مسجد میں جمعہ صحیح ہے۔ اس سلسلہ میں زرکشی' عراقی اور ابن حجر عسقلانی نے سبکی کی متابعت کی ہے' اور اسی بنیاد پر

عبادی نے کہا ہے کہ اگر کسی جگہ میں گنجائش نہ ہو تو کیا جگہ نہ پانے والے اور دوسری جگہ نہ جاسکنے والے سے جمعہ ساقط ہو جائے گا؟ میرا خیال ہے کہ بڑی مسجد میں گنجائش ہو تو دوسری جگہ جمعہ جائز نہ ہو گا' ورنہ پھر حضرت عطاء کے قول پر عمل کیا جائے گا تاکہ لوگ مشقت سے بچ سکیں۔

سبکی کا قول ہے کہ ضرورت کی بنا پر تعدد کی اجازت کا مطلب یہ نہیں لیا جاسکتا کہ پنجگانہ نماز کی طرح ہر مسجد میں جمعہ پڑھا جائے' اس طرح جمعہ کی کوئی خصوصیت نہیں رہ جائے گی یہ بات کھلے طور پر معلوم ہے اس لئے کہ عصر نبوت سے آج تک (سبکی کے زمانہ تک) اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

سبکی کے لڑکے تاج نے "معید النعم" میں لکھا ہے کہ ہم نے بعض اہل اقتدار کو دیکھا ہے کہ وہ عبادت سمجھ کر جامع مسجدوں کو آباد کرتے ہیں لیکن انہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ امام شافعی اور اکثر علماء کے یہاں کسی شہر میں بلا ضرورت دو جگہ جمعہ قائم کرنا جائز نہیں' بعض لوگوں کی اجازت کا سہارا لیا جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ تمام متفقہ واجبات پر عمل کرنے کی صورت میں بعض کے نزدیک جائز فعل کرنے کی اجازت ہے' لیکن منہیات کا ارتکاب اور مامورات کو ترک کرنے کی صورت میں دوسرے لوگوں کے مال سے مسجدوں کو اس خیال سے آباد کرنا کہ یہ کہا جائے کہ یہ فلاں کی مسجد ہے' اللہ کی نظر میں مقبول نہیں' اللہ تعالیٰ صرف طیب چیز کو قبول کرتا ہے۔ انتہی۔

دمشق میں اس وقت ایسی مسجدیں موجود ہیں جو جمعہ کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں لیکن ان میں جمعہ ہوتا ہے' اس کا سبب سستی اور سنت سے غفلت ہے۔ چونکہ بلا ضرورت متعدد جمعہ مضر ہے اس لئے چھوٹی تمام مسجدوں سے اور جن بڑی مسجدوں میں ضروری نہ ہو' ان سے جمعہ ختم کر دیا جائے تاکہ یہ شعار خوبصورت شکل میں ظاہر ہو' متقدمین شوافع اور انکے موافقین کی رائے کی حقیقت یہی ہے۔

بعض مؤرخین نے ۱۳۱۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ جامع مسجدوں میں سب

سے پہلے منبر عبدالملک[1] بن مروان نے بنایا جو مروان بن محمد کی طرف سے امویوں کے مصر پر آخری گورنر تھے' اس سے پہلے منبر نہ تھا' اور مصر کے حکام قبلہ کی جانب لاٹھی کے سہارے خطبہ دیتے تھے۔ ۱۶۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ خلیفہ محمد مہدی (جنہوں نے مسجد حرام' اور نبوی میں اضافہ کیا) منبروں کو چھوٹا اور منبر نبوی کے برابر کیا۔ بلاشبہ ان کا یہ کام درست تھا' کیونکہ بہت سے منبر اتنے بڑے تھے کہ مسجد کی بہت زیادہ جگہ گھیر لیتے تھے[2]

۴۔ عہد نبوت و خلافت میں جمعہ کی خصوصیات

۱۔ ہر شہر میں صرف ایک جگہ قائم تھا۔

۲۔ محلوں کی مساجد کو چھوڑ کر لوگ بڑی مسجد میں آجاتے تھے۔

۳۔ دور دراز حصوں سے تکلیف اٹھا کر جمعہ میں حاضر ہوتے تھے۔

۴۔ بھیڑ سے بچنے اور خطبہ سننے کے خیال سے سویرے آتے تھے۔

---

[1] اصل میں یہی ہے' لیکن معروف ہے کہ امویوں کے آخری گورنر مغیرہ بن عبیداللہ تھے۔ (مطیع)

[2] میں کہتا ہوں کہ اس سے صفیں بھی کٹ جاتی ہیں اور بعض لوگوں کی نمازیں بھی باطل ہو جاتی تھی۔ اس طرح کا ایک واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا جس کو برائے عبرت بیان کرتا ہوں' جمعہ کی صبح زبدانی کے ایک گاؤں میں میں نے نماز پڑھائی' سورہ فاتحہ کے بعد میں نے سورہ کہف کی ابتدائی کچھ آیات پڑھیں' کیونکہ مجھے سورہ سجدہ اچھی طرح یاد نہیں' جب میں نے رکوع کے لئے تکبیر کہی تو تمام مصلی اس خیال سے کہ میں نے سجدہ تلاوت کی تکبیر کہی ہے سجدہ میں جانے لگے' لیکن جو لوگ مجھ سے متصل تھے یہ سمجھ گئے کہ میں رکوع میں ہوں تو اٹھ کر میرے ساتھ ہو گئے' اور جو لوگ منبر کے پیچھے تھے اور مجھ کو دیکھ نہیں سکتے تھے وہ سمع اللہ لمن حمدہ سننے تک سجدہ میں رہے' پھر نماز توڑ کر شور کرنے لگے۔ نماز پوری کرنے کے بعد میں نے ان کو سمجھایا کہ نماز میں خشوع و خضوع سے قرآن کو سننا چاہئے اور ادھر ادھر خیال کو منتشر نہ ہونے دینا چاہئے (ناصر الدین)

۵۔ بڑی جماعت کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔

۶۔ خطبہ جمعہ سے پہلے ہوتا تھا۔

۷۔ مسجد میں آنے والوں کے لئے غسل اور خوشبو لگانا مشروع تھا۔

۸۔ پرسکون رہتے تھے اور لوگوں کو پھلانگ کر آگے نہ نکلتے تھے۔

۹۔ خلفاء کے آخری دور تک تعدد نہ تھا۔

۱۰۔ اکٹھا جمعہ ادا کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کی توسیع کی۔

۱۱۔ مضافاتی علاقوں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔

۱۲۔ جس شہر میں گورنر یا اس کا نائب رہتا تھا وہاں جمعہ قائم ہوتا تھا۔

۱۳۔ گزشتہ تمام باتوں پر صحابہ کا اجماع تھا۔

۱۴۔ یوم العروبۃ کو جمع ہونا اہل کتاب کی طرح اتحاد کے لئے مستحسن سمجھا گیا تھا۔

۱۵۔ مبالغہ و کثرت کی بنا پر اس کو جمعہ کا نام دیا گیا تھا۔

۱۶۔ تنہا تنہا یا دو دو' تین تین کی صورت میں ادا کرنے سے جمعہ کا مفہوم فوت ہو جاتا ہے۔

۱۷۔ بلا ضرورت تعدد سے عصر نبوت و خلافت کے عمل کی مخالفت لازم آتی ہے۔

۱۸۔ تعدد کے قائلین کے پاس نبی ﷺ کے قول و فعل کی کوئی دلیل نہیں۔

۱۹۔ خطبہ اور جماعت کی شرط نبی ﷺ کے فعل سے ثابت ہے حالانکہ جمعہ تنہا یا بغیر خطبہ ادا کرنے کا کوئی قائل نہیں۔

۲۰۔ نبی ﷺ کا فعل اصولی دلیل ہے کیونکہ وہ سنت ہے اور سنت اصول کے مطابق قول' فعل اور تقریر کا نام ہے' یہ سب خصائص قابل غور ہیں۔

۵۔ تعداد پوری کرنے کے لئے گاؤں میں چالیس کا انتظار

دمشق کے اکثر گاؤں شافعی اور کچھ حنبلی ہیں' اسی وجہ سے گاؤں میں جمعہ پڑھا

جاتا ہے ان دونوں مذاہب میں چالیس کی شرط معتبر ہے اور اس سے بلاشبہ عبادت کا شعار نمایاں ہوتا ہے' لیکن بعض گاؤں میں مصروفیت کے دنوں میں یہ تعداد پوری نہیں ہوتی' بلکہ کبھی کبھی آدھے لوگ آتے ہیں' ایسی صورت میں آنے والے منتظر بیٹھے رہتے ہیں' مؤذن پہلی اذان کے بعد کبھی تو منارہ پر چڑھ کر گاؤں والوں کو مسجد آنے کے لئے پکارتا ہے اور کبھی کبھی باہر نکل کر دروازہ دروازہ چلاتا ہے کہ چلو۔ پھر بھی تعداد پوری نہیں ہوتی تو لوگ ظہر کی نماز پڑھ کر واپس ہو جاتے ہیں۔

ایسی صورت میں میرا خیال ہے کہ جس چھوٹے یا بڑے گاؤں میں جمعہ ہوتا ہے اور کسی وجہ سے کسی جمعہ کو اگر چالیس کی تعداد میں لوگ نہ پہنچ سکیں تو خطیب کو چاہئے کہ جتنے لوگ موجود ہیں انہیں کو لے کر جمعہ پڑھ لے [1] اور تعداد کی کمی کی وجہ سے جمعہ نہ چھوڑے کیونکہ موجود کو غیر موجود کی وجہ سے تکلیف نہیں دی جا سکتی' اور اطلاع و یاددہانی کے لئے اذان ہی کافی ہے' جو اس کے بعد آئے تو بہتر ہے ورنہ وہ خود گناہگار ہوگا۔ پھر اذان کے بعد تھوڑی مہلت [2] سے خطیب کھڑا ہو کر خطبہ دے گا اور جمعہ ترک نہیں کرے گا۔ جو لوگ موجود ہیں انہیں سے جمعہ صحیح ہو جائے گا' ظہر دوبارہ پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اکثر ائمہ جمعہ کی ادائیگی میں عدد کی تعین کو مشروط نہیں مانتے' اس بناء پر بھی موجود لوگوں سے جمعہ صحیح ہو جائے گا کم ہوں یا زیادہ کسی کو بلانا ضروری نہیں۔ جمعہ کے دن کوئی اگر کسی گاؤں میں جائے تو اسے بھی گاؤں والوں کی طرح جمعہ کا اہتمام کرنا چاہئے' جمعہ میں نہ جانا دین و عبادت کے حق میں سستی کی بات ہے بعض لوگ حنفی المذہب ہونے کا سہارا لیتے ہیں کہ اس میں شہر اور حاکم کی شرط ہے' لیکن یہ کاہلوں اور لاپرواہوں کا بہانہ ہے' عامی کا

---

[1] میں کہتا ہوں کہ یہی مذہب صحیح ہے' مصنف نے ص ۸۰ پر جو بات لکھی ہے وہ صحیح نہیں' ہم نے وہاں لازمی تشریح کر دی ہے اسے ملاحظہ کیجئے۔ (ناصرالدین)

[2] میں کہتا ہوں کہ اس طرح کی مہلت بالکل مسنون نہیں۔ (ناصرالدین)

کوئی مذہب نہیں' اور اسے ائمہ کے مذاہب کا کوئی بھی علم نہیں' اسی وجہ سے اصولیوں کا قول ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں' ہاں اگر کوئی مجتہد گاؤں میں آئے اور اپنے اجتہاد کی بناء پر مذکورہ کام کرے' نیز اس کے دل میں سستی و ہوا پرستی کا شائبہ نہ ہو تو ایسا شخص البتہ معذور ہو گا بلکہ اسے اجر بھی ملے گا۔

۶۔ صف کو چھوڑ کر حجرہ میں جمعہ پڑھنا

بعض مساجد و مدارس کے بیرونی حصے میں حجرے بنے رہتے ہیں' ان میں بعض علماء بیٹھ کر امام کی اقتداء کرتے ہیں۔ لیکن یہ عمل نبی ﷺ اور صحابہ کرام کی سیرت کے مخالف ہے۔ بالفرض اسوہ صحیح بھی ہو تو عمل کی یہ شان نہیں' سنت میں اس کا حکم نہیں۔ پہلی صف میں ملنے' صفوں کو برابر کرنے' خطیب سے قریب بیٹھنے' مسلمانوں کی تعداد بڑھانے' ان کی دعاؤں میں شریک ہونے اور سلف کی سیرت پر عمل کرنے کا ایسی صورت میں کہاں موقع مل سکے گا؟ بعض صوفیاء نے مجھ سے کہا کہ بہت سے فقہا کو فقہ کا صرف یہ علم ہے کہ رخصتوں اور اجازتوں کا سہارا لیا جائے اور بہانے ڈھونڈے جائیں' سنت نبوی کی پیروی یا دل کی اصلاح کا کوئی خیال نہیں۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں اس کی مذمت کی ہے۔ اس سے بھی افسوس اور قلق کی بات یہ ہے کہ ازہر کے بعض مجاورین و حاضرباش جمعہ کی حاضری سے بچنے کے لئے زوال سے پہلے سو جاتے ہیں اور پھر عصر تک سوئے رہتے ہیں' ایسے عمل کرنے والے دین اور سنت کو جو نقصان پہنچاتے ہیں اس کی کیا تلافی ہو گی؟ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

۷۔ خطبے اور خطیبوں کے آداب

علماء کے بقول بلیغ خطبہ وہ ہے جو ماحول و زمانے کے مطابق ہو' مثلاً رمضان کے زمانہ میں اس کے احکام ومقاصد بیان کئے جائیں اور متعلقہ بدعات سے روکا جائے۔ عید الفطر کے موقع پر صدقہ فطر کے احکام بتائے جائیں' جہاں اختلاف ہو وہاں اتحاد

کی فضیلت کو اجاگر کیا جائے' اولاد کی تربیت پر جہاں توجہ نہ ہو وہاں پر تربیت کی اہمیت و ضرورت کو بتایا جائے دنیا کے حالات پر بھی خطیب کی نظر رہنی چاہئے اور عالمی واقعات پر لوگوں کو تنبیہہ کرتے رہنا چاہئے۔

ابتداء اسلام میں خطبوں کی بہت اہمیت تھی' مفاخرت کا یہ ایک مؤثر ذریعہ تھا' اس کے لئے خطیب حضرات خوبصورت و شیریں الفاظ اور دقیق و بیش قیمت معانی کا انتخاب کرتے تھے۔ کلام کی رونق میں اضافہ کے لئے آیات قرآنی بھی خطبوں میں شامل کرتے تھے۔ قرآن کریم کے اثر سے خطبے عصر خلافت میں اپنے عروج کو پہنچ چکے تھے اور دلوں کو مقناطیسی اثر سے اپنی طرف مائل کر لیتے تھے۔ خطبوں کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں تھا' بلکہ حسب ضرورت خطباء تقریریں کرتے تھے۔

لیکن خطبوں میں انحطاس وقت پیدا ہوا جب حکومت عیش و عشرت کی راہ پر پڑ گئی' مروانی حکومت میں عبید بن عبدالملک نے ازراہ تعلی بیٹھ کر خطبہ دینے کی طرح ڈالی۔ پھر عباسی خلیفہ مامون کے ہاتھوں خطبوں کی حوصلہ افزائی ہوئی' لیکن اس کے بعد جب خلفاء نے خطابت کی ذمہ داری اور دوسرے لوگوں کے حوالے کر دی تو اس کے وقار میں کمی آ گئی' اور نااہل خطیبوں نے اس کو اپنی جہالت سے بے حد نقصان پہنچایا' آج کے دور میں خطبوں کی حیثیت کسی رواجی کام کی سی ہو گئی ہے' لوگ اس دور میں بدحال و بے نوا مسلمانوں کو ترک دنیا کی تعلیم دیتے ہیں اور نبی ﷺ کا یہ قول فراموش کر دیتے ہیں کہ:

اِعْمَلْ لِدُنْيَاكَ كَاَنَّكَ تَعِيْشُ اَبَدًا' وَاعْمَلْ لِآخِرَتِكَ كَاَنَّكَ تَمُوْتُ غَدًا۔[1]

دنیاوی امور اس طرح انجام دو گویا تم کو ہمیشہ یہیں رہنا ہے' اور امور آخرت اس طرح انجام دو گویا تم کو کل ہی مرجانا ہے۔

---

[1] اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ میں نے "سلسلة الاحاديث الضعيفة" (۸) میں واضح کیا ہے۔

خطیب ہونے کے لئے شرط ہے کہ انسان صحیح عقائد کا عالم ہو تا کہ اس کی بدعقیدگی سے لوگ گمراہ نہ ہوں۔ اور فروعی مسائل کا عالم ہونا بھی ضروری ہے تا کہ عبادات کو صحیح طور سے ادا کیا جاسکے۔ عربی زبان سے بھی واقفیت ضروری ہے (یعنی عربوں کے لئے) تا کہ بہتر انداز اسلوب سے نصیحت کی جاسکے۔ خطیب کو اسی طرح تیز فہم' زباں آور' وجیہہ اور صالح ہونا بھی ضروری ہے تا کہ ان اوصاف کی مدد سے سامعین کو دین کی طرف مائل کر سکے اور ان کے دلوں میں عمل کی گرمی پیدا کر سکے۔ خطیب اگر خود نیک نہ ہو گا تو اس کے وعظ سے کسی کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔ ابوالاسود دؤلی کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

يَا اَيُّهَا الرَّجُلُ الْمُعَلِّمُ غَيْرَهُ   هَلاَّ لِنَفْسِكَ كَانَ ذَا التَّعْلِيْمُ؟

دوسروں کو تعلیم دینے والے اپنے آپ کو کیوں تعلیم نہیں دیتے

تَصِفُ الدَّوَاءَ لِذِي السِّقَامِ   وَ ذِيْ الْعَنَا كَيْمَا يَصِحُّ بِهِ وَ اَنْتَ سَقِيْمُ

بیمار کی صحت کے لئے تم دوا تجویز کرتے ہو حالانکہ تم خود بیمار ہو۔

وَ نَرَاكَ تُصْلِحُ بِالرَّشَادِ عُقُوْلَنَا   اَبَداً وَ اَنْتَ مِنَ الرَّشَادِ عَدِيْمُ

ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہمیشہ ہماری عقول کی رہنمائی کرتے ہو لیکن خود اصلاح سے کورے ہو

اِبْدَاء بِنَفْسِكَ فَاِنَّهَا عَنْ غَيِّهَا   فَاِذَا انْتَهَتْ عَنْهُ فَاَنْتَ حَكِيْمُ

پہلے اپنے نفس کو گمراہی سے روکو' اگر وہ باز آ جائے تو تم دانش مند مانے جاسکتے ہو۔

وَ هُنَاكَ يُقْبَلُ مَاتَقُوْلُ وَيَشْتَفِيْ   بِالْقَوْلِ مِنْكَ وَ يَنْفَعُ التَّعْلِيْمُ

اور اسی صورت میں تمہاری بات مانی جائے گی اور تمہارے قول و تعلیم کا فائدہ ہو گا۔

لاَتَنْهَ عَنْ خُلُقٍ وَ تَاْتِيَ مِثْلَهُ   عَارٌ عَلَيْكَ اِذَا فَعَلْتَ عَظِيْمُ

ایسے کام سے نہ روکو جسے خود کرتے ہو یہ بڑی شرم و عار کی بات ہے۔
بندوں پر اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور حکم دیتا ہے' اسی کی طرف لوٹتا ہے[1]

۸۔ خطیب کے بیٹھنے کے بعد دونوں خطبوں کے مابین مؤذن کی دعا

کتب فقہ میں مذکور ہے کہ خطیب کے منبر پر چڑھنے کے بعد نہ تو کوئی نماز شروع کی جائے گی نہ بلند آواز سے دعاء ہوگی' تاکہ خطبہ کو پوری طرح سنا جا سکے اور اس ہفتہ وار عبادت میں جس خشوع و احترام کی ضرورت ہے اسے پورا کیا جا سکے' فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ اس حالت میں ذکر' استغفار' دعاء یا پکار سب ممنوع ہے' اس لئے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔[2]

یعنی جمعہ کے دن خطبہ کی حالت میں اپنے پہلو میں بیٹھنے والے کو چپ کرانا بھی لغو ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب برے کام سے منع کرنا لغو ہے تو پھر کسی غلط کام کا گناہ کتنا ہوگا؟ بعض مؤذن' خطیب کے پہلے خطبہ سے فارغ ہو کر بیٹھنے کے بعد کہتے ہیں کہ:

---

[1] یہاں پر مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے ایک اہم شرط چھوڑ دی ہے' جس سے افسوس عام خطیب کورے ہوتے ہیں' یعنی صحیح و غیر صحیح حدیثوں سے واقفیت' اس کے نتیجہ میں ضعیف و موضوع روایات کی اشاعت ہوتی ہے اور اور گمراہی کو عروج ملتا ہے۔ بدعتی تقریبات سے متعلق بے شمار واہیات حدیثیں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

[2] یہ حدیث صحیح ہے' اسے شیخین وغیرہ نے ابو ہریرہؓ سے ذکر کیا ہے' اس کی تخریج "الارواء" اور "صحیح ابی داؤد" (۱۰۱۸) میں موجود ہے۔

غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِوَالِدَيْكَ وَلَنَا وَلِوَالِدِيْنَا وَالْحَاضِرِيْنَ۔ الخ
اللہ مغفرت کرے آپ کی اور آپ کے والدین کی اور ہماری اور ہمارے والدین کی اور حاضرین کی۔ الخ

یہ فعل بدعت ہے' اس کی تردید کرنی چاہئے' کیونکہ یہ وقت غور و فکر اور نصیحت اندوزی کا ہے ایسے وقت میں آواز بلند کر کے حاضرین کی دل جمعی کو ختم کرنا غلط بات ہے' اس لئے خطیب اور دوسرے باحیثیت لوگوں کو چاہئے کہ اس طرح کے غلط امور کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

۹۔ فضائل رجب کی حدیثیں

موضوع احادیث سے متعلق تصنیفات پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ رجب کے روزہ سے متعلق کوئی حدیث یا اثر صحیح نہیں ہے۔ امام ابوشامہ نے "الباعث" میں لکھا ہے کہ شیخ ابوالخطاب نے اپنی کتاب "اَدَاءُ مَا وَجَبَ مِنْ بَيَانِ وَضْعِ الْوَضَّاعِيْنَ فِيْ رَجَبَ" [1] میں بروایت حافظ مؤتمن بن احمد ساجی ذکر کیا ہے کہ خراسان کے شیخ امام عبداللہ انصاری رجب کا روزہ نہیں رکھتے تھے بلکہ اس سے روکتے ہوئے فرماتے تھے کہ "رجب کی فضیلت یا اس کے روزے کے بارے میں نبی ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں بلکہ صحابہ کی ایک جماعت (جس میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی شامل ہیں) سے اس روزے کی کراہت ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ اس روزہ رکھنے والے کو درے لگاتے تھے"" اسے فاکہی نے کتاب مکہ میں نقل کیا ہے اور ابوعثمان سعید بن منصور نے جن کی عدالت و تخریج حدیث پر اتفاق ہے' اس کی اسناد یوں بیان کی ہے:

---

[1] اس کتاب کے ایک مخطوطہ کی حدیثوں کی تخریج میں نے کی ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کی طباعت جلد ہی ہو جائے گی' ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ناصرالدین۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُسْعِرٍ عَنْ وَبرة عن خرشة اَنَّ عُمَرَؓ بن الخَطاب كَانَ يَضْرِبُ اَيْدِى الرِّجَالِ فِيْ رَجَبٍ اِذَا رَفَعُوْهَا عَنْ طَعَامِهٖ حَتّٰى يَضَعُوْهَا فِيْهِ وَيَقُوْلُ: اِنَّمَا هُوَ شَهْرٌ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يُعَظِّمُوْنَهٗ۔

حضرت عمرؓ رجب میں کھانے سے ہاتھ کھینچ لینے پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ اہل جاہلیت اس مہینہ کا احترام کرتے تھے۔

(اس سند کے راویوں کی عدالت پر اتفاق ہے)۔

روزہ بلاشبہ ایک نیک عمل اور برائی کے لئے ڈھال ہے' لیکن اس مہینہ کے روزے کی فضیلت کے سبب یہ نہیں ہے۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ پھر رجب کا روزہ عمل خیر کیوں نہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی عمل کے خیر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کی طرف سے مشروع ہو' اور ہم نے ابھی دیکھا کہ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں' حضرت عمرؓ کے بیان کے مطابق قبیلہ معنر کے لوگ دور جاہلیت میں اس مہینے کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ بھی اس روزہ کو مکروہ سمجھتے تھے۔ قیروان کے فقیہ اور اپنے عہد کے امام ابو محمد بن ابو زید کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے پورے ماہ رجب کے روزے کو اس ڈر سے مکروہ قرار دیا کہ کہیں جاہل اسے فرض نہ سمجھ لیں۔ ان میں سے بعض آثار کو ابوبکر طرطوشی نے اپنی کتاب "الحوادث والبدع" میں ذکر کیا ہے کہ اور لکھا ہے کہ ابن وضاح روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ان رجبی لوگوں کو مارتے تھے جو پورے ماہ رجب کا روزہ رکھتے تھے۔ اور ابن عمرؓ رجب کے لئے لوگوں کی تیاریوں کو مکروہ سمجھتے تھے' اور فرماتے تھے کہ روزہ رکھو اور ترک بھی کردو' کیونکہ اس مہینہ کی اہل جاہلیت تعظیم کرتے تھے۔ ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے گھر کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ رجب کی تیاری میں لگے ہیں' دریافت کیا کہ یہ کیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم رجب کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے رجب کو رمضان کی طرح بنا لیا ہے؟ طرطوشی کہتے ہیں کہ رجب کا روزہ ایسی صورت میں

مکروہ ہے کہ لوگ ہر سال خاص کر اس کا روزہ رکھیں اور ظاہر ہو کہ یہ رمضان کی طرح فرض یا سنن راتبہ کی طرح سنت ہے۔ چونکہ نبی ﷺ سے اس مہینہ کے روزہ کی مشروعیت کے متعلق کوئی قول و فعل ثابت نہیں اس لئے اسے فرض یا سنت یا فضائل سے نہیں مانا جا سکتا' اور ایسی صورت میں اس مہینہ میں مخصوص طور پر روزہ رکھنا معقول نہ ہوگا۔ چونکہ اس مہینہ کے روزے کی کراہت فرائض و سنن سے مشابہت کی بناء پر ہے' اس لئے اگر کسی کو یہ اندیشہ نہ ہو تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔

۱۰۔ خطیب کو منبر سے اترنے کے بعد چھونا

جمعہ کے دن منبر کے قریب بیٹھنے والے لوگ خطیب کے منبر سے اترنے کے بعد اس کی طرف لپکتے ہیں اور اس کی پشت' مونڈھے اور پہلو کو اس خیال سے چھوتے ہیں کہ وہ ابھی جس جگہ سے اتر کر آ رہا ہے وہاں رحمت' نور' اور برکت کی بارش ہو رہی تھی' حالانکہ حجر اسود کے علاوہ کسی چیز کا چھونا صحیح نہیں جیسا کہ امام غزالی نے توضیح کی ہے' البتہ صالح عالم کے ہاتھ کا بوسہ دینا صحیح ہے۔ اس لئے خطیب کو چھونے کی بدعت اگر کسی جگہ رائج ہو تو اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔

دوسری فصل

نماز کی بدعتوں کے بیان میں۔

۱۔ تکبیرِ تحریمہ سے پہلے بلند آواز سے نیت کرنا

۱۳۲۱ھ میں مصر کے سفر کے دوران پورٹ سعید وغیرہ شہروں میں میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ تکبیر تحریمہ سے قبل نیت کے الفاظ بلند آواز سے کہتے ہیں' جس سے دوسروں کو خلل ہوتا ہے یہ فعل مکروہ و ممنوع ہے۔ ابن الحاج نے "المدخل" میں لکھا ہے کہ جہری نیت بدعت ہے البتہ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کے بارے

میں اختلاف ہے، بعض لوگ اس کو مکروہ مانتے ہیں اور بعض لوگ کمال نیت قرار دیتے ہیں بشرطیکہ آواز بلند نہ ہو۔ نیت کی زبان سے ادائیگی کو جو لوگ مکروہ کہتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ کتاب وسنت میں اس کا ذکر نہیں ہے، پھر یہ اندیشہ بھی ہے کہ زبان سے ادائیگی کی صورت میں دل غافل ہو جائے گا جو نیت کا اصل مقام ہے۔ اسی طرح جہری نیت امام، مقتدی اور منفرد سب کے لئے مکروہ ہے۔ ایک حدیث میں تو یہ ارشاد ہے کہ:

لَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ۔[1]

تم آپس میں بلند آواز سے قرآن نہ پڑھو۔

ظاہر ہے کہ جب علیحدہ علیحدہ نماز میں جہر سے روکا گیا ہے تو اجتماعی طور پر یقیناً منع ہوگا ابن الحاج کہتے ہیں کہ "جس کام کو نبی ﷺ یا کسی صحابی نے نہ کیا ہو بلاشبہ اس کا نہ کرنا ہی افضل ہوگا، بلکہ اس کا کرنا بدعت مانا جائے گا۔

امام ابن قیم نے "اغاثتہ اللہفان" میں وضوء اور نماز کی نیت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نیت کسی کام کے کرنے کے قصد و ارادہ کو کہتے ہیں، اس کا مقام دل ہے، زبان سے اسے کوئی تعلق نہیں، اسی وجہ سے نبی ﷺ اور صحابہؓ سے اس کا کوئی لفظ منقول نہیں۔ وضوء اور نماز شروع کرنے کے موقع پر جو عبارتیں ایجاد کی گئی ہیں ان سے شیطان وسوسہ والوں کو پریشان کرتا ہے، اور وہ لوگ ان الفاظ کے اہتمام میں لگے رہتے ہیں حالانکہ نماز سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ نیت کسی کام سے جدا نہیں ہو سکتی، جو شخص کسی کام کو کرے گا یقیناً اس کا ارادہ اس کے دل میں پہلے ہوگا، یہ ممکن نہیں کہ کوئی کام انسان بلا ارادہ انجام دے۔

---

[1] یہ صحیح حدیث ہے، اسے امام مالکؒ نے مؤطا (۱:۸۰۔ ۲۸) میں اور بعض دیگر محدثین نے بیاضی سے نقل کیا ہے، اس کے شواہد میں ابوسعید خدریؓ، ابن عمرؓ، ابوہریرہؓ اور عائشہؓ کی حدیثیں ہیں جن کی تخریج "صحیح ابی داؤد" (۱۲۰۳) میں موجود ہے۔

اس لئے شرعی اعمال میں نیت کے لئے اس قدر پریشانی کا کوئی سبب نہیں۔ اگر کسی شخص کو نیت کے حصول میں شبہ ہو تو یہ ایک طرح کا جنون مانا جائے گا۔ کیونکہ نیت تو ایسی چیز ہے کہ دوسروں کو بھی علم ہو جاتا ہے کہ آدمی فلاں کام کرنے جا رہا ہے۔ پھر اسے خود کیسے شبہ ہو سکتا ہے؟ شیطان کے وسوسہ کی بناء پر اس میں شبہ کرنے والا دراصل سنت نبوی اور طریقہ صحابہ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہے۔ اور جب کام سے پہلے ہی اس کے ارادے کا وجود ہو جاتا ہے تو پھر الفاظ کے ذریعہ اس کی ایجاد کی کوشش لایعنی ہے۔ بعض مصلیوں کے وسوسہ کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ رکوع میں جانے کے وقت میں وہ دوبارہ تکبیر کہتا ہے اور جب امام رکوع سے اٹھنے کے قریب ہوتا ہے تو فوراً رکوع میں چلا جاتا ہے' سوال یہ ہے کہ جب طویل قیام کے دوران نیت کا تحقق نہ ہو سکا تو اس عجلت میں کیسے وہ موجود ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے شیخ ابن تیمیہ کا قول نقل کیا ہے کہ: بعض لوگ دسیوں بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں' ان میں سے کسی کا ثبوت نبی ﷺ اور صحابہؓ کے دور میں نہیں ملتا' مثلاً کوئی یوں کہتا ہے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ نَوَيْتُ اَنْ اُصَلِّيَ صَلَاةَ الظُّهْرِ فَرِيْضَةَ الْوَقْتِ اَدَاءً لِلّٰهِ تَعَالٰى اِمَامًا اَوْمَاْ مُوْمًا اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ۔

میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے' میں نے ظہر کی نماز پڑھنے کی نیت کی' فرض وقت پر ادا کرنے کے لئے اللہ واسطے امام یا مقتدی کی شکل میں چار رکعات قبلہ رخ ہو کر

پھر اپنے اعضاء کو حرکت دیتے ہوئے پیشانی کو جھکاتا ہے اور گردن کی رگیں سیدھی کر کے چیختا ہوا اللہ اکبر کہتا ہے' گویا دشمن کے مقابلہ میں تکبیر کہہ رہا ہے۔ اس طرح کے فعل کا ثبوت نبی ﷺ اور صحابہ کی زندگی میں اگر کوئی عمر نوح بھی لے کر تلاش کرے گا تو اسے نہیں مل سکتا اگر۔ اس طرح کے فعل میں کوئی بھلائی ہوتی تو اسے وہ ضرور کرتے اور ہمیں بھی بتلاتے" لیکن اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اس کا

صاف معنی یہ ہے کہ یہ فعل بدعت اور باعث گمراہی ہے۔

نماز کا ایک وسوسہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگ کسی کسی لفظ کو متعدد بار مل کر ادا کرتے ہیں' مثلاً التحیات' کہتے ہوئے یوں کہتے ہیں ات ات التحی التحی ' اور سلام پھیرتے ہوئے یوں کہتے ہیں اس اس۔ تکبیر کہنا ہوتا ہے تو یوں تلفظ کرتے ہیں: اک ک کبر وغیرہ۔ ایسا کرنے سے نماز یقیناً باطل ہو جاتی ہے۔ اگر ایسی ادائیگی بلند آواز سے ہوگی تو دوسروں کو بھی اس سے تکلیف ہوگی اور اس کے دلوں میں ایسا کرنے والے کے خلاف جذبہ پیدا ہوگا۔ جاہل لوگ ایسا تلفظ سنیں گے تو انہیں یہ وہم ہوگا کہ یہی طریقہ افضل ہے۔ امام غزالی وغیرہ کا قول ہے کہ: وسوسہ کا سبب یا توجہالت ہے یا کم عقلی' اور یہ دونوں عظیم ترین عیوب و نقائص میں شمار ہوتے ہیں۔ وسوسہ کی جن صورتوں کا ذکر ہو چکا ہے ان کے علاوہ دوسری صورتیں بھی ہیں۔

۲۔ اقامت کے بعد نفل نماز کا حکم

مالکیہ کا قول ہے کہ اقامت کے بعد دوسری نفل نماز حرام ہے' اس لئے جب تکبیر شروع ہو جائے تو نفل نماز کو چھوڑ دینا چاہیے' شافعیہ میں امام غزالی کا بھی یہی قول ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلاَّ الْمَکْتُوْبَۃ' رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَ اَصْحَابُ السُّنَنِ وَ ابْنُ خُزَیْمَۃَ وَ ابْنُ حَبَان' وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لِاَحْمَدَ: فَلَا صَلٰوۃَ اِلاَّ الَّتِیْ اُقِیْمَتْ۔"

جب اقامت ہو چکے تو پھر فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز صحیح نہیں اس کو مسلم اور اصحاب السنن اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

اور احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ جب اقامت ہو جائے تو دوسری نماز

۱۔ بایں لفظ ضعیف ہے' صحیح پہلی ہی ہے' "الارواء" (۹۰) میں اس کی تخریج موجود ہے۔

نہیں۔"

امام احمد' بخاری' مسلم وغیرہ نے ابن بحینہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اقامت کے بعد علیحدہ دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ: کیا صبح کی چار رکعت ہے' کیا صبح کی چار رکعت ہے؟[1]

ابن خزیمہ' ابن حبان' بزار اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ:

كُنْتُ اُصَلِّیْ وَ اَخَذَ الْمُؤَذِّنُ فِی الْاِقَامَةِ فَجَذَ بَنِیْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ: اَتُصَلِّی الصُّبْحَ اَرْبَعًا۔

میں نے نماز پڑھ رہا تھا کہ مؤذن نے تکبیر شروع کر دی' اس وقت نبی ﷺ نے مجھے کھینچا اور فرمایا کہ کیا صبح کی چار رکعت پڑھو گے۔

ابن عربی نے "الفتوحات" میں اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: پانی کے استعمال پر قدرت کے بعد تیمم باطل ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فرض کے علاوہ تمام نمازیں نفل ہیں' مؤکد ہوں یا غیر مؤکد' اور فرض کا درجہ نفل سے زیادہ ہے' پھر اقامت کے بعد وہ وقت فرض کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے اس لئے اقامت سن کر امام کے ساتھ نماز ادا کرنا زیادہ ضروری ہو جاتا ہے' اسی وجہ سے نبی ﷺ نے علیحدہ نماز پڑھنے والے پر کراہت کا اظہار کیا ہے' البتہ فرض کی ادائیگی کے بعد جس کسی نے فجر کی دو رکعتیں ادا کیں۔ ان کے بارے میں آپ نے کسی طرح کی ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی' جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت ہے[2] ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں

---

[1] حاکم (۱/ ۳۰۷) نے کہا کہ شرط مسلم کے مطابق صحیح ہے' اور ذہبی نے اس کی تائید کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں ابوعامر خزاز ہے جس کا نام صالح بن رستم ہے' اس سے امام مسلم نے صرف تعلیقاً روایت کیا ہے' پھر یہ مختلف فیہ بھی ہے' اس کی حدیث کو حسن کہہ سکتے ہیں صحیح نہیں' اسی کے طریق سے اسے ابن حبان (۴۴۱) اور احمد (۱' ۲۳۸) نے بھی ذکر کیا ہے' الفاظ کا تھوڑا فرق ہے۔

[2] صحیح حدیث ہے' ملاحظہ ہو "المشکوۃ" (۱۰۴۴)

کہ نزاع کے وقت سنت ہی دلیل بن سکتی ہے' جو اسے پیش کرے گا کامیاب ہو گا۔ اقامت کے بعد نفل چھوڑ دینا اور اسے پھر فرض کے بعد ادا کرنا اتباع سنت سے زیادہ قریب ہے' اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔

۳۔ نماز کی غلط ادائیگی

امام غزالی نے کہا ہے کہ [۱] اکثر مسجدوں میں دیکھا جاتا ہے کہ رکوع اور سجدہ میں لوگ اطمینان سے کام نہ لے کر نماز خراب کر دیتے ہیں' یہ ایک منکر فعل ہے' اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے' ایسا کرنے والوں کو روکنا چاہئے' کیونکہ نماز میں غلطی کو دیکھ کر خاموش رہنے والا اس کے گناہ میں شریک ہے' اور یہ اثر اسی طرح وارد ہے' اور حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے' کیونکہ غیبت کے متعلق وارد ہے کہ سننے والا کرنے والے کا شریک ہے' [۲] اور اسی طرح نماز میں خرابی پیدا کرنے والی تمام چیزوں کی اصلاح کرنے میں اجر کی امید رکھنی چاہئے۔

۴۔ دوسری جماعت کے انتظار میں پہلی جماعت کو چھوڑنا

طحطاوی نے ابن نجیم کے ایک رسالہ سے ایسی صورت میں کہ کسی مسجد میں

---

[۱] غزالی کی مراد ابن مسعودؓ کے اس قول سے ہے جسے انہوں نے "الاحیاء" (۱' ۲۷۱) میں ذکر کیا ہے' اس میں تصریح ہے کہ جو شخص کسی کو غلط طور پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھے اور منع نہ کرے وہ بھی اس کے گناہ میں شریک ہو گا' مجھے اس کی سند سے واقفیت نہ ہو سکی۔

[۲] احیاء العلوم کی حدیث "المغتاب والمستمع شریکان فی الاثم" کی طرف اشارہ ہے۔ مگر اس کے الفاظ یہ ہیں " نهی عن الغیبته و عن الاستماع الی الغیبته" اور اس کی اسناد بے حد ضعیف ہے' جیسا کہ میں نے "الضعیفہ" (۱۴۲) میں بیان کیا ہے۔

متعدد جماعتیں ہوتی ہوں اور شافعیہ کی جماعت پہلے ہوتی ہو' نقل کیا ہے کہ افضل یہ ہے کہ شافعیہ کی اقتداء کی جائے' بلکہ تاخیر و انتظار مکروہ ہے' کیونکہ انتظار کرنے والا حنفی المسلک شخص شافعیہ کی نماز کے دوران یا تو سنت پڑھے گا یا بیٹھا رہے گا' پہلی صورت میں حدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ الخ کی خلاف ورزی ہوگی' اور پہلی صورت میں بلا سبب جماعت سے اعراض ہوگا جو مکروہ ہے' یہی بات حاشیۃ المدنی میں شیخ اکرم' میریادشاہ اور شروانی سے منقول ہے' ان سب لوگوں نے پہلی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کو افضل قرار دیا ہے۔ مکہ مکرمہ کے مفتی ابن ظہیرۃ حنفی ہمیشہ شافعیہ کے ساتھ' نماز ادا کرتے تھے کیونکہ ان کی جماعت پہلے ہوتی تھی' جیسا کہ ردالمحتار میں مذکور ہے۔

۵۔ مقررہ امام پر زیادتی

بہت سی بڑی مسجدوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مقررہ امام کی جماعت شروع ہونے سے پہلے کسی گوشہ میں کچھ لوگوں کو لے کر جماعت شروع کر دیتے ہیں' ان کا مقصد یا تو جلد بازی ہوتی ہے یا شہرت کی طلب۔ اس سلسلہ میں حنابلہ اور مالکیہ کا اتفاق ہے کہ کسی مسجد میں اس کے مقررہ امام سے قبل کسی کا امامت کرانا حرام ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر مقررہ امام اجازت نہ دے تو نماز ہی صحیح نہ ہوگی' مالکیہ کہتے ہیں کہ مقررہ امام سے قبل دوسری جماعت مکروہ اور اس کے ساتھ حرام ہے' ایسی صورت میں مقررہ امام کی جماعت میں شرکت واجب ہے۔ شافعیہ نے دوسری جماعت کے قیام کو مکروہ بتایا ہے' اور ابن حجر نے تو قطعی طور پر روک دینے کا فتویٰ دیا ہے' شافعی عالم امام ماوردی نے اسے حرام قرار دیا ہے اور حنفیہ نے مکروہ بتایا ہے' چونکہ ایسے فعل سے مسلمانوں کے مابین دشمنی اور بغض و عناد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے اسے حرام ہی ماننا چاہیے۔ اس میں حاکم کی مخالفت بھی ہوتی ہے کیونکہ امام کا تقرر اسی کے حکم سے ہوتا ہے' اسی طرح اتحاد و تعاون کے باہمی

جذبات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ میں نے اس فعل کی مخالفت کے موضوع پر ایک رسالہ بعنوان "اقامته الجمة علی المصلی جماعته قبل الامام الراتب' من الکتاب والسنته و اقوال سائر ائمته المذاہب"۔ تالیف کیا ہے' خدا ایسا کرنے والوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق دے۔

۶۔ ایک جگہ سے زائد جماعتوں سے خلل واقع ہوتا ہے

مالکیہ کے مفتی شیخ علیش مصری کے سامنے درج ذیل سوال پیش ہوا۔ اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے کہ کسی جگہ ایک وقت میں دو یا دو سے زیادہ جماعتیں اس طرح قائم ہوں کہ دونوں کی اقامت ایک یا تکبیر تحریمہ ایک ساتھ ہو پھر کوئی جماعت ایک یا اس سے زائد رکعت سے آگے ہو جائے' ایک جماعت والے دوسری کی قرائت سنیں' یا بعض قرائت کی حالت میں ہوں بعض رکوع میں اور بعض سجدہ میں' بعض تشہد میں' مقتدیوں کی صف یوں گڈ مڈ ہو گئی ہو کہ ایک صف میں دو یا دو سے زائد امام ہو گئے ہوں اور ان کی قرائت و تکبیر وغیرہ کا صاف پتہ نہ چلتا ہو........ کیا ایسا عمل بدعت ہے؟ اگر کسی عالم کی طرف سے اس کا رواج ہوا ہو تو اس عمل کو جواز کا درجہ حاصل ہو جائے گا؟

شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایسا عمل یقیناً بہت ہی خطرناک بدعت ہے چھٹی صدی ہجری میں پہلی مرتبہ اس کا ظہور ہوا' اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا' اس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ کیونکہ جماعت سے اتحاد و محبت کی جس فضا کو قائم کرنا مقصود ہے وہ اس سے فوت ہو جاتی ہے' اسی اتحاد کے لئے جمعہ' عیدین اور حج کے اجتماعات بھی رکھے گئے ہیں۔ اسی طرح متعدد جماعتوں سے دوسری خرابیاں بھی لازم آتی ہیں مثلاً نماز جیسے عظیم اسلام رکن میں خلط ملط واقع ہوتا ہے جو قرآن کے فرمان:

وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔ (الحج: ۳۲)

اور جو کوئی نشانات الٰہیہ کی تعظیم کرے گا تو یہ دلوں کے تقوی کی بات ہوگی۔

اور

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔ (البقرہ: ۲۳۸)

پنجگانہ نمازوں کی اور خاص درمیانی نماز کی نگہبانی کرو۔

اور درج ذیل حدیثوں کی خلاف ورزی ہے:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّيْ۔ [1]

جس طرح تم مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔

اِتَّقُوْا اللّٰهَ فِي الصَّلٰوةِ' اِتَّقُوْا اللّٰهَ فِي الصَّلٰوةِ' اِتَّقُوْا اللّٰهَ فِي الصَّلٰوةِ [2]

اَتِمُّوْا الصُّفُوْفَ۔ [3]

نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو' نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو' نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو صفوں کو پورا کرو۔

اَتِمُّوْا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ۔ [4]

پہلی صف کو پورا کرو۔

اِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔ [5]

جب اقامت ہو چکے تو پھر فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔

---

[1] بخاری نے اس کا ذکر کیا ہے۔

[2] صحیح حدیث ہے "الصحیحۃ" (۸۶۶) میں اس کی تخریج موجود ہے۔

[3] صحیح حدیث ہے اسے مسلم نے (۲'۳۰) انس سے روایت کیا ہے۔

[4] صحیح حدیث ہے' اس کی تخریج صحیح ابی داؤد (۶۷۵) اور المشکوۃ (۱۰۹۴) میں موجود ہے۔

[5] یہ حدیث جلد ہی گذر چکی ہے اور صحیح ہے۔

مؤطا میں مذکور ہے کہ کچھ لوگوں نے اقامت سن کر نماز شروع کر دی' نبی ﷺ تشریف لائے تو ان لوگوں کو دیکھ کر فرمایا "ایک وقت میں دو نماز' ایک وقت میں دو نماز؟' یہ صبح کے وقت فجر کی نماز سے پہلے والی دو رکعتوں کے بارے میں فرمایا تھا۔

جب جہاد میں تلواروں کے زیر سایہ بھی ایک ہی جماعت سے نماز مشروع ہے اور تعدد جائز نہیں تو پھر وسعت و اختیار کے موقع پر اس کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے مابین تفریق پیدا کرنے کی وجہ سے مسجد ضرار کو گرانے کا حکم دیا تھا' تو پھر کسی ایک ہی جگہ میں مسلمانوں کی دو جماعتیں قائم کر کے تفریق کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے؟ نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ:

الجفَاءُ کُل الجفَاء وَالکفرُوَ النِّفَاقُ مَنْ سَمِعَ مُنَادِی اللّٰہ تَعَالٰی بِالصَّلٰوۃِ وَیَدْعُوْا اِلَی الْفَلَاحِ فَلَا یُجِیْبُہٗ۔[1]

جفاء اور کفر اور نفاق کی علامت یہ ہے کہ نماز کے منادی اور فلاح کے داعی کی پکار سن کر قبول نہ کی جائے۔

ایک جگہ آپؐ نے فرمایا:

حَسْبُ الْمُؤْمِنِ مِنَ لشِّقَاءِ وَالْخیبَۃِ اَنْ یَسْمَعَ الْمُؤَذِّنَ یثوب بِالصَّلٰوۃ فَلَا یُجِیْبُہٗ۔[2]

مومن کی ناکامی اور بدبختی کے لئے کافی ہے کہ نماز کے لئے مؤذن کی پکار سنکر قبول نہ کرے۔

---

[1] یہ ضعیف حدیث ہے' اس کی تخریج احمد (۲' ۴۳۹) اور طبرانی نے معاذ بن انس سے مرفوعاً کی ہے زبان بن قائد ضعیف الحدیث ہے جیسا کہ حافظ نے کہا ہے۔

[2] یہ بھی ضعیف ہے' طبرانی کی سابقہ حدیث کی ایک روایت ہے' اس میں بھی زبان ہے جیسا کہ "المجمع" (۲' ۴۲) میں مذکور ہے۔

جب اذان سن کر غفلت برتنے والے کو یہ وعید سنائی گئی ہے تو مسجد میں موجود رہ کر اقامت سننے والا جماعت میں شریک نہ ہونے سے کتنے بڑے گناہ کا مرتکب ہوگا' پھر مختلف اقامتوں کی صورت میں کس طرح لوگ اس حکم سے عہدہ برآ ہو سکیں گے؟

امام نسائی نے عرفجہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سَتَکُوْنَ بَعْدِیْ ھنات وھنات فمن رَاَیْتُمُوْہُ فارق الْجَمَاعَةِ اَوْیُرِیْدُ تَفْرِیْقِ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَھُمْ جَمِیْعٌ فَاقْتُلُوْہُ کَائِنًا مَنْ کَانَ۔ [1]

میرے بعد فتنہ و فساد ہوگا' تم جسے دیکھو کہ میری متحد امت کو متفرق کرنا چاہتا ہے اسے قتل کر دو' خواہ وہ کوئی ہو۔

ابن ماجہ نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ بدعتی کا روزہ' نماز' صدقہ' حج' عمرہ اور جہاد کچھ قبول نہیں کرتا' وہ اسلام سے یوں نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال" [2]

ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کسی بدعتی کی نیکی کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ بدعت سے باز نہ آجائے" [3] ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَعَلَّکُمْ تُدْرِکُوْنَ اَقْوَامًا یُصَلُّوْنَ الصَّلَاۃَ لِغَیْرِ وَقْتِھَا فَاِذَا اَدْرَکْتُمُوْھُمْ فَصَلُّوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ لِلْوَقْتِ الَّذِیْ تَعْرِفُوْنَ ثُمَّ صَلُّوْا مَعَھُمْ وَاجْعَلُوْھَا

---

[1] یہ حدیث صحیح ہے' اسے نسائی (۲' ۱۶۶) مسلم (۶' ۲۲) اور ابوداؤد (۲' ۲۸۳) نے ذکر کیا ہے۔ اسی کے مثل نسائی اور احمد (۴' ۲۶۱ و ۵' ۲۳۔ ۲۴) میں بھی مذکور ہے۔

[2] موضوع روایت ہے' اس کی تخریج "الضعیفہ" (۱۴۹۳) میں موجود ہے"۔

[3] ضعیف ہے' اس کا بیان بھی سابقہ ماخذ (۱۴۹۲) میں موجود ہے"

سُبْحَةً۔ [1]

تم ایسے لوگوں کو دیکھو گے جو بے وقت نماز پڑھیں گے' ایسے حالات میں تم وقت پر گھروں میں نماز پڑھ لو' پھر آکر جماعت میں شریک ہو جاؤ' اور یہ نماز نفل تصور کرو۔

اسی کے مثل عبادہ اور ابوذر سے بھی مروی ہے۔ یعنی تم ایسے لوگوں کو دیکھو گے جو بے وقت نماز پڑھیں گے' ایسے حالات میں تم وقت پر گھروں میں نماز پڑھ لو' پھر آکر جماعت میں شریک ہو جاؤ' یہ نماز نفل تصور کرو۔ یعنی نہ تو جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے نہ ہی دوسری جماعت قائم کرنے کی' اس موضوع پر شیخ ابوالقاسم عبدالرحمٰن الحباب سعدی' مالکی' اور شیخ ابوابراہیم اسحاق غسانی مالکی کے رسالے موجود ہیں جنہوں نے مفصل گفتگو کی ہے۔

شیخ ابراہیم غسانی کہتے ہیں کہ جماعت کا متعدد اماموں پر اس طرح متفرق ہو جانا کہ کوئی سجدہ میں ہو' کوئی رکوع میں اور کوئی رکوع سے اٹھ رہا ہو' ائمہ میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ رسول اللہ کے بعد کسی صحیح العقیدہ یا فاسد العقیدہ شخص نے سفر یا حضر' جنگ یا تنگی جگہ کی بناء پر ایسا کیا' اس کا کوئی ذکر کہیں بھی نہیں۔ ابن ظہیرہ مکی نے لکھا ہے کہ اس کی قباحت بالکل عیاں ہے اور حدیث نبوی میں اس کی ممانعت کی بے شمار دلیلیں موجود ہیں۔

قاضی ابوالولید ابن رشد نے لکھا ہے کہ کسی جگہ جماعت کو دو حصوں میں متفرق کرنا اور علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنا جائز نہیں' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

---

[1] یہ حدیث صحیح ہے' احمد (۱'۳۷۹) نے اسے ابن مسعود سے بسند حسن ذکر کیا ہے۔ پھر دوسرے طرق سے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ (۲'۴۵۵۔ ۴۵۹) اور عبادہ و ابوذر کی حدیث کو مسلم (۲'۱۲۰۔ ۱۲۱) نے ذکر کیا ہے۔

اور جنہوں نے دکھ دینے کو اور اللہ سے کفر کرنے کو اور مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کی غرض سے مسجد بنائی ہے۔ (توبہ:۱۰۷)

پھر منذری کی ترغیب و ترہیب سے بدعات پر وعیدوں کو ذکر کیا ہے جن میں عرباض بن ساریہ سے مروی یہ حدیث ہے۔

وَ اِنَّهٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْكُمْ فَسَیَرٰی اخْتِلَافًا كَثِیْرًا، فَعَلَیْكُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةَ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ عَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَ اِیَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ (رواہ ابوداؤد وغیرہ)[1]

تم میں سے زندہ رہنے والے بہت سے اختلاف دیکھیں گے، ایسے وقت میں میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو، اور بدعات سے بچو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس کو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ"۔[2] (رواہ مسلم)

میری سنت سے اعراض کرنے والا مجھ سے نہیں ہے" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

یہ بات بداہتا اور تواتر سے معلوم ہے کہ نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت پانچوں نمازوں کے لئے ایک جماعت کی ہے، متعدد جماعتیں باطل ہیں۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ:

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔ واللہ اعلم

جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے کام کے مطابق نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

---

[1] یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کی تخریج "الصحاویۃ" (۳۶۹) اور "الارواء" (۲۵۲۱) میں موجود ہے۔

[2] یہ حدیث بخاری میں بھی ہے۔

(شیخ علیش کے فتویٰ کا خلاصہ تمام ہوا)

۷۔ نماز کے بعد بلا شرعی سبب دو سجدوں کی بدعت

امام ابوشامہ نے کتاب الباعث میں صلاۃ الرغاء کی بدعت میں سنت کے مخالف پہلوؤں کو شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس نماز سے فراغت کے بعد جو دو سجدے کئے جاتے ہیں ان کا کوئی سبب نہیں' شریعت میں نماز کے سجدوں کو قربت الی اللہ کا سبب بتایا گیا ہے یا سہو و قرائت کے سجدے مشروع ہیں۔ سجدہ شکر میں اختلاف ہے' امام شافعی اسے مستحب مانتے ہیں اور امام احمد کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں' اسحاق و ابوثور سنت مانتے ہیں' نخعی کا خیال ہے کہ یہ بدعت ہے' مالک و نعمان نے مکروہ کہا ہے۔ پھر نعمان نے کہا کہ میرا قول استحباب کا ہے' اس لئے کہ یہ نبی ﷺ' ابوبکر' عمر' علی اور کعب ابن مالک سے مروی ہے۔ امام الحرمین غزالی کہتے ہیں کہ شیخ ابومحمد جوینی بلا سبب اللہ کو سجدہ کرنے والے کی سخت مذمت کرتے تھے۔ تتمہ کے مصنف امام متولی کا قول ہے کہ بعض لوگ نماز سے فراغت کے بعد سجدہ کرتے ہیں' اس کی کوئی اصل نہیں' نبی ﷺ اور صحابہ سے یہ منقول نہیں ہے۔ صاحب تتمہ کا اشارہ شائد مشہور صوفی محمد بن علی ترمذی حکیم کی جانب ہے جو ہر مصلی کے لئے ان دو سجدوں کو مستحب قرار دیتے ہیں' ان کی دلیل یہ ہے کہ ہر مصلی سے نماز میں تھوڑا بہت سہو ہو جاتا ہے اور اس کا ازالہ سجدہ ہی سے ہو سکتا ہے کیونکہ اس حالت میں انسان پر شیطان کا کوئی بس نہیں چلتا' حدیث میں وارد ہے کہ:

إِذَا سَجَدَ اِبْنُ آدَمَ اِعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي۔ [1]

---

[1] صحیح ہے' اسے مسلم (۱' ۱۲۱) ابن ماجہ (۱۰۵۲) اور احمد (۲' ۴۴۲) نے ابوہریرہ کی حدیث میں ذکر کیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ ابن آدمن السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي يَقُوْلُ: یاویله (وَ فِيْ رِوَايَةٍ' یاویلی) امرا ابن =

انسان جب سجدہ کرتا ہے تو شیطان کنارے ہو کر رونے لگتا ہے۔

فتوحات مکیہ میں اسے بحوالہ ترمذی ثبت کیا ہے۔ چونکہ نماز کے اندر اتباع نبوی مطلوب ہے اس لئے ائمہ نے ان سجدوں پر بدعت کا حکم لگایا ہے۔ انتہیٰ

۸۔ صفوں سے پیچھے ہٹ کر چبوترے پر نماز پڑھنا

درمختار میں ہے کہ اگر کوئی مسجد کے چبوترے پر نماز پڑھے اور صحن میں جگہ ہو تو مکروہ ہوگا اسی طرح صف کے پیچھے کی صف میں جس کے اندر شگاف ہو' کھڑے ہونا بھی مکروہ ہے۔ طحاوی کہتے ہیں کہ یہ کراہت تنزیہی بھی ہو سکتی ہے اور تحریمی بھی' لیکن نبی ﷺ کے فرمان:

وَ مَنْ قَطَعَهُ. یعنی الصَّفَّ قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ [1]

جو صف کو کاٹے گا' اسے اللہ تعالیٰ ٹکڑے کر دے گا۔

سے دوسری صورت راجح معلوم ہوتی ہے۔ صاحب درمختار کا قول ہے کہ شافعیہ نے بھی اسے مکروہ مانا ہے۔ سیوطی نے "بسط الکف فی اتمام الصف" میں لکھا ہے کہ اس فعل سے جماعت کی فضیلت یعنی تعداد کا اضافہ ختم ہو جاتا ہے' جماعت کی اصل برکت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ انتہیٰ

۹۔ نماز تراویح کی غلطیاں

ماہ رمضان کی راتوں میں نماز تراویح سنت ماثورہ ہے۔ عام مسجدوں میں بہت

= آدم باسجود فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةَ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَيْتُ فَلِيَ النَّار۔ اس کی تخریج مروزی نے بھی زوائد الزہد (۹۸۱) میں کی ہے۔ ابن مسعود کی ایک موقوف روایت اس کی شاہد ہے جسے طبرانی نے معجم کبیر(۲' ۲۵' ۲) میں ذکر کیا ہے اس کے رجال ثقہ ہیں۔

[1] یہ صحیح حدیث ہے' اس کی تخریج "المشکوٰۃ" (۱۱۰۲) اور "تخریج الترغیب" (۱' ۱۷۴) میں موجود ہے۔

سے ناواقف امام اسے اتنی ہلکی پڑھتے ہیں کہ نماز کے ارکان میں خلل پیدا ہو جاتا ہے مثلاً رکوع و سجدے میں اطمینان نہیں ہوتا اور قرائت میں حروف ادا نہیں ہو پاتے۔ شیطان اس چال سے عبادت کا اجر ضائع کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے مصلی پر واجب ہے کہ وہ نماز کی ظاہری صورت یعنی قرأت' قیام' رکوع و سجدہ وغیرہ ٹھیک طور پر ادا کرے۔ اور ساتھ ہی اس کی باطنی صورت یعنی خشوع' دل کی حضوری' کمال اخلاص اور قرات و دعاء پر غور و فکر کا بھی پورا لحاظ رکھے۔ نماز کا ظاہر بدن اور اعضا کا حصہ ہوتا ہے' اور اس کا باطن دل اور باطن کا حصہ اور بندے کی اسی چیز کو اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔[1]

امام غزالیؒ نے نماز کی صرف ظاہری شکل درست کرنے والے کی مثال اس شخص سے دی ہے جو بادشاہ کے حضور مردہ لونڈی کا ہدیہ پیش کرے۔ اور ظاہری صورت میں تقصیر کرنے والے کی مثال اس شخص سے دی ہے جو ہاتھ پیر کٹی ہوئی لونڈی کا ہدیہ پیش کرے۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ کی خدمت میں دونوں طرح کے لوگوں کو رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔ انہوں نے آگے لکھا ہے کہ تم اپنی نماز اللہ کے حضور ہدیہ کرتے ہو' لہٰذا اس طرح ہدیہ نہ کرو کہ سزا کے مستحق بن جاؤ۔

---

[1] میں کہتا ہوں کہ نماز تراویح میں قرات کی تخفیف اور ارکان میں خلل پیدا کرنے کا سب سے بڑا سبب بیس رکعت کی پابندی ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اسی کا حکم دیا تھا' لیکن یہ غلط ہے' اس لئے کہ ان سے صحیح غیر شاذ سند سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے وتر سمیت گیارہ ہی رکعت کا حکم دیا تھا' اور صحیحین وغیرہ میں یہی نبی ﷺ سے بھی ثابت ہے۔ لوگ نماز تراویح کی تعداد کے بارے میں اگر سنت کی پابندی کریں تو ان شاء اللہ ان کی نماز درست ہو جائے گی۔ اس موضوع پر تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب "صلاۃ التراویح" جو طبع ہو چکی ہے"۔

۱۰۔ مخالف مسلک کے امام سے الگ ہو کر وتر پڑھنا

رمضان میں لوگ جس امام کے پیچھے تراویح کی نماز ادا کرتے ہیں اسی کے پیچھے سب لوگ وتر بھی نہیں پڑھتے' بلکہ دوسرے مسلک والے اپنے وتر کی جماعت علیحدہ قائم کرتے ہیں

اس تقسیم کا اصل سبب یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تین رکعت وتر ایک سلام سے ہے' اور شافعیہ اسے دو سلام سے ادا کرتے ہیں۔ اب ہر مذہب کے مقلدین یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مذہب پر عمل کریں' اور یہ چیز ان کے ذہن میں نہیں آتی کہ صحیح احادیث و حسن و آثار سے دونوں طریقوں کی صحت ثابت ہے۔[1] اس طرح وہ ایک غلط فعل یعنی تقسیم جماعت کے مرتکب ہوتے ہیں اور مصلیوں کے لئے تشویش کا سبب بھی بنتے ہیں۔ صحابہ کرام کو اسی تقسیم سے بچانے کے لئے حضرت عمرؓ نے ایک امام کے پیچھے انہیں اکٹھا کر دیا تھا اور آج اسی اجتماع کو اس طرح لوگ ختم کرتے ہیں۔!!!

میں نے اپنے ایک شافعی المسلک استاد کو دیکھا کہ وہ حنفی مسلک کے امام کے پیچھے فجر کی نماز پڑھتے تھے اور امام کے قنوت نہ پڑھنے کی وجہ سے شافعی مذہب کے مطابق سجدہ سہو بھی نہیں کرتے تھے' وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ مجھے آداب عبادت

---

[1] صحیح حدیثوں میں ایک سلام اور دو تشہد سے وتر کی نماز وارد نہیں' بلکہ ایک ضعیف حدیث اس بات میں وارد ہے جو ان صحیح حدیثوں کے خلاف ہے جن میں یہ صراحت ہے کہ تشہد اول کے لئے وتر میں بیٹھنا نہیں' اور ان حدیثوں کے بھی مخالف ہے جن میں یہ صراحت ہے کہ دو اور ایک کے مابین سلام ہے' اس کی تفصیل کے لئے میرا سابقہ رسالہ ملاحظہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود مخالف مذہب والے کی اقتداء کو میں ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اختلاف شر ہے جیسا کہ ابن مسعود اور دیگر صحابہؓ کا فرمان ہے۔

کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ امام کی مخالفت کروں جب کہ اس کے طریقہ کے دلائل بھی صحیح ہیں۔ مجھے اپنے استاد رحمتہ اللہ کی یہ بات اور ان کا یہ طریقہ بہت پسند آیا۔

زیلعی نے شرح کنز میں جو تفصیل بتائی ہے اس کی رو سے بھی یہ جائز ہے کہ حنفی وتر میں شافعی کی اقتداء کرے اور اسی کے مطابق پڑھے۔ اسی طرح شافعی کے لئے بھی درست ہے کہ وہ حنفی مذہب والے امام کی اقتداء میں وتر ادا کرے اور علیحدہ نماز نہ پڑھے۔

میں نے اپنی کتاب "الادرادالماثورہ" میں وتر کی کیفیات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی ﷺ سے گیارہ رکعت ثابت ہے' جن میں سے ایک رکعت علیحدہ تھی اور تین ایک سلام سے بھی ثابت ہیں' ہاں فصل والی روایات زیادہ صحیح ہیں لیکن اس سے دوسری صورت کی نفی نہیں نکلتی۔ اس لئے فقیہ کا فرض ہے کہ وہ روایت اور سنت نبوی پر نظر رکھے اور اس طرح کے امور میں جس وسعت کی ضرورت ہے اسے ختم نہ کرے۔ اسی طرح مصلیوں کو بھی چاہئے کہ وہ امام کی پیروی کریں اور تعصب کی بناء پر اس کی مخالفت کی غلطی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہ ہدیت پر ثابت قدم رکھے۔

تیسری فصل

امام کے آداب

۱۔ کچھ فروعی مسائل

(۱) تاج سبکی نے معید النعم میں لکھا ہے کہ امام کو چاہئے کہ وہ مقتدیوں کو نماز میں اخلاص' دعاء میں عجز و انکسار' طہارت میں احتیاط' قرات میں حسن' اور مسجد

میں اول وقت حاضر ہونے کی نصیحت کرتا رہے۔ اگر لوگ اکٹھا ہو جائیں تو نماز شروع کر دے ورنہ انتظار کرے' نماز جب ادا کرے تو حتی الامکان اچھی طرح ادا کرے۔ انتہیٰ

(۲) امام ابن عاشر مکی نے لکھا ہے کہ امام کے لئے شرط ہے کہ وہ نماز کی ادائیگی پر قادر ہو' اگر کوئی ایسی صورت درپیش آ جائے جس میں وہ اپنی ذمہ داری نہ ادا کر سکے تو دوسرے شخص کو نائب بنا کر پیچھے صف میں چلا جائے۔ امام کو نماز کے احکام ومسائل سے بھی واقف ہونا ضروری ہے۔ جو شخص احکام ومسائل سے واقف نہ ہو اور جسے قرآن یاد نہ ہو اس کی اقتداء صحیح نہیں۔ امام کو فاسق یا غلطی کرنے والا نہیں ہونا چاہئے۔ اور ایسا بھی نہ ہو کہ مقتدی اسے ناپسند کریں۔ مجہول الحال یا ضعیف العقل نہ ہو' کسی بے حیائی کا الزام اس پر نہ ہو۔ مجذوم نہ ہو کہ لوگوں کو اس سے تکلیف ہو' امامت کے لئے کسی خاص اجرت کی شرط نہ رکھے

(۳) مسجد کا امام اور گھر میں سکونت پذیر' حاکم کے علاوہ سب سے زیادہ امامت کا مستحق ہے۔ آزاد غلام کے مقابلہ میں' شہری دیہاتی کے مقابلہ میں' مقیم مسافر کے' بینا نابینا کے' مختون غیر مختون کے' دو کپڑے والا' ایک کپڑے والے کے اور سر ڈھکا ہوا سر کھلے کے مقابلہ میں امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ "زاد المستنفع"

(۴) امام سے متصل مردوں کی صف ہونی چاہئے' پھر لڑکوں کی پھر عورتوں کی۔

(۵) مسنون یہ ہے کہ ارکان کی ادائیگی کے وقت امام ہلکی نماز پڑھائے' اور پہلی رکعت دوسری رکعت سے طویل ہو۔

(۶) اگر عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے روکنا مکروہ ہے' لیکن اس کے لئے گھر افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسٰجِدَ اللّٰهِ وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَ لْيَخْرُجْنَ تَفِلَاتٍ۔

(رواہ الامام احمد و ابوداؤد)[1]

اللہ کی بندیوں کو مسجد سے نہ روکو' ان کا گھر ان کے لئے بہتر ہے' انہیں بغیر خوشبو نکلنا چاہیئے اس کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

اس طرح خوشبو لگاکر یا آرائش کا لباس پہن کر نکلنا ممنوع ہے۔

(۷) امام سے پہلے اگر کوئی شخص رکوع یا سجدہ میں چلا جائے تو اسے پلٹ کر دوبارہ امام کے بعد رکوع اور سجدہ کرنا چاہیئے کیونکہ امام سے سبقت حرام ہے اور اس پر سخت وعید آئی ہے۔

(۸) رکوع یا آخری تشہد میں اگر امام کو یہ محسوس ہو کہ کوئی مسبوق جماعت میں شرکت کے لئے آرہا ہے تو وہ تھوڑا سا انتظار کرسکتا ہے' لیکن اس میں مصلیوں کے مابین تفریق نہیں ہونی چاہیئے لیکن جب نماز کے لئے اقامت ہو جائے تو ایسی صورت میں باتفاق انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔

(۹) جس مسجد کی جماعت زیادہ ہو اس میں دو صورتوں کے علاوہ بقیہ حالات میں نماز ادا کرنا افضل ہے' پہلی صورت یہ ہے کہ قریب والی مسجد کی جماعت اس سے متاثر ہو' ایسی صورت میں اس کم جماعت والی مسجد میں نماز افضل ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بڑی جماعت والی مسجد کا امام زیادہ بدعتی ہو' اس صورت میں بھی چھوٹی جماعت والی مسجد کی نماز افضل ہوگی۔

(۱۰) مصلی کے لئے مسنون ہے کہ ہمیشہ سجدہ کے مقام پر نظر رکھے' البتہ تشہد کی حالت میں سبابہ انگلی کو دیکھے' اور کعبہ سے قریب ہو تو اس پر نظر رکھے[2]

---

[1] یہ صحیح حدیث ہے ابو ہریرہ راوی ہیں لیکن ان کی روایت میں "وَبیوتهنّ خیرلهن" کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ الفاظ ابن عمر کی ایک روایت میں ہیں' دونوں کی تخریج "ابی داؤد" (۵۷۴' ۵۷۶) میں موجود ہے۔

[2] صحیح حدیثوں میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ (ناصرالدین)

(۱۱) نماز کے بعد "تقبل الله منا ومنکم" کہنا اور ہاتھ کو بوسہ دینا بدعت ہے حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۱۲) محراب میں امام کا تعمق، تکبیر تحریمہ سے پہلے طویل قیام، صفوں کی درستگی سے پہلے محراب میں داخل ہونا اور دوسری رکعت میں پہلی سے طویل قرأت کرنا یہ سب بدعت ہے۔

۲۔ تحیۃ المسجد کی مسنونیت

مسجد میں داخل ہونے والے شخص کے لئے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے، البتہ خطیب جب خطبہ کے لئے مسجد میں داخل ہو تو وہ سیدھے منبر پر چڑھ جائے، اسی طرح کراہت والے وقت میں بھی یہ نماز نہ پڑھے، [۱] اگر کوئی ایسے وقت مسجد میں آئے کہ امام آخری خطبہ میں ہو تو اس وقت بھی تحیۃ نہ پڑھے، کیونکہ اس سے جماعت کا ابتدائی حصہ فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ جب امام فرض نماز ادا کر رہا ہو اس وقت بھی یہ نماز نہ پڑھے، اور مسجد حرام میں طواف کے لئے داخل ہو تو اس وقت بھی نہ پڑھے۔

۳۔ مسجد میں بیٹھے ہوئے شخص کو اٹھانا

مسجد میں نماز یا اعتکاف کے لئے جو بیٹھ جائے اس کا نکالنا جائز نہیں، اسی طرح کسی اور مباح جگہ سے بھی اٹھانا جائز نہیں۔ البتہ دو صورتوں میں ہٹا سکتے ہیں، ایک یہ کہ جس جگہ وہ بیٹھا ہے وہ مفتی یا مدرس کے بیٹھنے کی جگہ ہو اور اسے سب لوگ جانتے ہوں۔ دوم یہ کہ جو جگہ کسی بیچنے والے کے لئے مخصوص ہے اس جگہ پر اگر

---

[۱] خطبہ کی حالت میں تحیۃ المسجد پڑھنے میں کراہت نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے سلیک غطفانی کو اس کا حکم دیا تھا، یہ حکم دوسرے سبھی بیٹھنے والوں کو تھا، چونکہ خطبہ کے دوران نفل مشروع نہیں، اس لئے آپ کے امر کی بناء پر تحیۃ المسجد کا ثبوت ہوگا۔ (ناصرالدین)

دوسرا بیٹھ جائے تو اسے بھی وہاں سے ہٹا دیں گے۔

۴۔ مصلی کے آگے سے گذرنا

دو صورتوں کو چھوڑ کر مصلی کے آگے سے گذرنا حرام ہے' اول یہ کہ پہلی صف میں جگہ رہ گئی ہو تو اسے پر کرنے کے لئے مصلی کے آگے سے جا سکتے ہیں۔ دوم یہ کہ ازدحام ہو۔ یہ امام غزالی کا قول ہے' نووی نے تفریق نہیں کی ہے' کافیہ میں ہے کہ اگر راستہ میں نماز پڑھ رہا ہو تو مکروہ نہیں ہے' اسی طرح حج کے ایام میں کعبہ کے گردیا اندر نماز پڑھنے کی صورت میں جبکہ بھیڑ ہو۔[1]

۵۔ بدبودار چیز کھا کر مسجد میں جانا

جب کچا پیاز' یا لہسن' یا مولی کھالے تو فوراً منہ صاف کئے بغیر مسجد میں نہیں جانا چاہئے کیونکہ اس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے' اگر کسی مجبوری سے ایسا کرنا پڑے تو کوئی حرج نہیں۔ بیہقی نے سنن کبریٰ میں مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے وقت میں لہسن کھا کر مسجد میں آیا' ایک رکعت ہو چکی تھی میں بھی نماز میں شریک ہو گیا' نبی ﷺ کو بو محسوس ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اس طرح کے پھل کھا کر بو ختم ہوئے بغیر مسجد میں نہیں آنا چاہئے" حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد میں نے رسول اللہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ پر رکھا جس پر پٹی بندھی ہوئی تھی' اسے چھو کر آپؐ نے فرمایا کہ تم معذور ہو۔[2]

---

[1] میں کہتا ہوں کہ مکہ و مدینہ کی مسجدوں میں بغیر عذر شرعی مصلی کے سامنے سے گزرنے کی کوئی دلیل نہیں' اکثر حجاج ایسا کرتے ہیں' ہمارے بہت سے دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سلف مسجد حرام میں سترہ رکھتے تھے' یہاں ان کو ذکر کرنے کا موقع نہیں۔ (ناصرالدین)

[2] یہ صحیح حدیث ہے' اس کی تخریج احمد (۴' ۲۴۹)' ابوداؤد (۲' ۱۴۷) اور ابن حبان (۲۱۹) نے کی ہے' صحیح سند کے ساتھ بشرط مسلم

باب دوم

مادی بدعتوں کے بیان میں

پہلی فصل

بعض فروعی مسائل

۱۔ مسجدوں کی آرائش

ابوداؤد نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ:

لتنزخرفنها کما زخرفت الیهود والنصاری۔[1]

یہود اور نصاریٰ کی طرح تم مسجدوں کو آراستہ کرو گے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تو فرمایا کہ لوگوں کو بارش سے بچانے کا انتظام کرو اور سرخ و زرد رنگ بھرنے کی کوشش نہ کرو"۔

ایک فاضل نے لکھا ہے کہ: مساجد کی تزئین و آرائش اور قبوں و دیواروں کی تعمیر پر اس وقت زر خطیر خرچ کرنے کا جو رجحان لوگوں میں موجود ہے' تو کسی صاحب بصیرت کو ان سے یہ کہنے کی جرأت بھی ہونی چاہیئے کہ ان عمارتوں کو تعمیر کر کے مالدار لوگ عوام کو بدعات میں مبتلا کرنے کا جرم کر رہے ہیں' عبادتوں کی ظاہری شکل پر لوگوں کو قانع بنا رہے ہیں جس طرح سابقہ اقوام نے ایمان کی روشنی کے

---

[1] یہ صحیح حدیث موقوف ہے لیکن اسے مرفوع کا حکم حاصل ہے' اس کی تخریج "صحیح السنن" (۴۷۴) میں موجود ہے۔

بجائے عبادت گاہوں کو منور کرنے پر اکتفاء کر لی' عبادت کے لئے ہونے والے اجتماعات میں ظاہری حسن و جمال اور سج دھج کو اہمیت دی گئی اور ان اجتماعات سے روحانیت کی تربیت کا جو عظیم مقصد پیش نظر تھا اسے نظرانداز کر دیا گیا

۲۔ ایک محلہ میں مسجدوں کی کثرت اور پرانی مسجد کی فضیلت

سیوطی نے "اَلْاَمْرُ بِالاتبَاعِ وَالنَّھْیُ عَنِ الْاِبْتَدَاعِ" میں لکھا ہے کہ بدعات میں سے یہ بھی ہے کہ ایک محلہ میں مساجد کی کثرت ہو' اس سے جماعت کا شیرازہ بکھرتا ہے اور عبادت کی رونق و دبدبہ میں کمی واقع ہوتی ہے' پرانی مسجد کے وقار کو ٹھیس پہنچی ہے اور شہرت و ریاکاری کے جذبے کی نمائش ہوتی ہے۔

"الاقناع" اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ اگر مسجد تنگ نہ ہو اور اس میں اجتماع سے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی صورت میں اس سے متصل دوسری مسجد کی تعمیر حرام ہے۔

المنتھٰی کے اندر ہے کہ کسی مسجد سے قریب دوسری مسجد کی تعمیر اس کو ضرر پہنچانے کے خیال سے حرام ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے سورہ اخلاص کی تفسیر میں لکھا ہے کہ سلف کے لوگ ضرار جیسی مسجدوں میں نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے' پرانی مسجد کو وہ لوگ نئی مسجد سے افضل جانتے تھے کیونکہ اس میں ضرار یعنی کسی کو نقصان پہنچانے کے خیال سے تعمیر کا شائبہ نہیں۔ مسجد کی قدامت قابل تعریف ہے' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے لئے "العتیق" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّ ضِعَ لِلنَّاسِ بِبَکَّۃَ یعنی لوگوں کی عبادت کے لئے تعمیر شدہ پہلا گھر وہ ہے جو مکہ میں ہے' قدامت سے عبادت کی کثرت بھی لازمی ہے اور یہ فضیلت کی زیادتی کی دلیل ہے۔ انتھٰی

دوسری فصل

مخصوص مہینوں میں مساجد میں روشنی

۱۔ رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں روشنی

مسجد اور اس کے مناروں پر اس رات میں روشنی کی رسم اس رات کی بدعتوں کا بقایا ہے' اس رات میں پہلے عشاء اور مغرب کے مابین ایک نماز "صلوۃ الرغائب" کے نام سے پڑھی جاتی تھی' اس بدعت کو بہت عروج حاصل ہوا تھا' اس موقع پر مساجد میں چراغاں ہوتا تھا۔ لوگوں کی بھیڑ جمع ہوتی تھی' گاؤں والے اس کا اہتمام کرتے تھے' عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہوتا تھا' جس سے بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی تھیں۔ ابو شامہ نے "الباعث" میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو احیاء العلوم میں اس نماز کے ذکر سے دھوکا ہوا ہے' لیکن حفاظ حدیث نے اس سلسلہ کی مروی حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ حافظ ابوالخطاب کہتے ہیں کہ صلوۃ الرغائب کی حدیث کو وضع کرنے کی تہمت علی بن عبداللہ بن جہضم پر ہے۔ اسی طرح حسین بن ابراہیم نے بھی ایک حدیث وضع کی ہے۔ جس میں غیر معمولی کذب و افتراء سے کام لیا ہے۔ ابو شامہ کہتے ہیں کہ رجب اور شعبان کی نمازوں سے متعلق حافظ ابوالخطاب کے اس فتویٰ کی وجہ سے کہ وہ بدعت ہیں اور ان کی حدیث موضوع ہے' مصر میں سلطان الکامل محمد بن ابوبکر بن ایوب" نے یہ حکم دے دیا تھا کہ ان نمازوں کو ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ سلطان کو احیاء سنت سے محبت اور بدعات سے نفرت تھی۔ انتہیٰ

اسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ رات کا چراغاں اسی بدعت کا بقایا ہے۔

۲۔ شعبان کی پندرھویں رات میں روشنی اور دعائیں

اس رات کی روشنی بھی بدعت کا بقایا ہے' ۴۴۸ھ میں "ہزاری نماز" کی بدعت ایجاد ہوئی تھی[1] جس میں سو رکعت میں[2] ہزار مرتبہ قل ھواللہ احد پڑھی جاتی تھی' یعنی ہر رکعت میں سور فاتحہ کے بعد دس بار۔ اس نماز کے لئے مخصوص طور پر روشنی کا انتظام کیا جاتا تھا اور ہزاروں لوگ جمع ہوتے تھے۔ اس میں جو مفاسد ہوتے تھے ان کا تذکرہ بھی ابوشامہ نے کیا ہے۔ سلطان کامل کے حکم سے اس بدعت کا بھی خاتمہ ہوا۔ جزاء اللہ خیرا۔

ابوشامہ نے ابوبکر طوشی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابن وضاح نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے کہ ہم نے اپنے کسی شیخ یا فقیہ کو نہیں دیکھا کہ شعبان کی پندرھویں رات پر کوئی توجہ دیتے ہوں' مکحول کی حدیث کو بھی وہ اہمیت نہیں دیتے تھے' اس رات کی ان کی نظر میں کوئی فضیلت نہیں تھی۔ انہوں نے کہا کہ ابن ابی ملیکہ سے کہا گیا کہ زیاد نمیری کہتے تھے کہ شعبان کی پندرھویں رات کا اجر لیلۃ القدر کی مانند ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ اگر میرے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی اور اسے یہ کہتا ہوا سنتا تو مار دیتا۔ زیاد واعظ تھے۔

---

[1] اپنی کتاب "البدع والنہی عنھا" میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے طریق سے' اور عبدالرحمٰن بہت ہی ضعیف ہے۔

[2] یہ حدیث بطریق مالک بن یخامر عن معاذ بن جبل عن النبی ﷺ مروی ہے۔ الفاظ یہ ہیں یطلع اللہ الی خلقة فی لیلة النصف من شعبان فیغفرلجمیع خلقه الا لمشرک اومشاحن" اس کی تخریج ابن ابی عاصم نے السنۃ میں اور ابن حبان نے صحیح میں کی ہے اس کے رجال ثقہ ہیں اور حدیث صحیح ہے۔ اس لئے مصنف کا یہ قول کہ شعبان کی پندرھویں رات کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث نہیں' ناقابل توجہ ہے۔ ہاں اس سے بدعات کا جواز البتہ نہیں نکلتا۔

حافظ ابو الخطاب کا قول ہے کہ مجہول افراد نے شعبان کی پندرھویں رات کی نماز کے بارے میں موضوع حدیثیں گھڑ کر لوگوں پر سو رکعت کی نماز کا بوجھ ڈال دیا ہے۔

علماء جرح و تعدیل کا بیان ہے کہ پندرھویں رات کی فضیلت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے۔[1] اس لئے خیر اور نیکی کی دلیل سے مفتری لوگوں کی موضوع حدیث سے بچنا چاہئے کیونکہ نیکی کا نبی ﷺ کی طرف سے مشروع ہونا ضروری ہے، جس چیز کے بارے میں معلوم ہو کہ جھوٹ ہے اس کی مشروعیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ایسی بری بات پر عمل کرنے والے شیطان کے خادم شمار ہوں گے۔

اہل بدعت نے مجوسیوں سے متاثر ہو کر اور دین کو کھیل تماشہ بناتے ہوئے شعبان کی پندرھویں رات میں چراغاں اور آتش بازی کی جو بدعت ایجاد کی ہے۔ اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں۔ شریعت میں یہ کھیل مجوسیت نواز لوگوں نے رائج کیا ہے۔ مجوسی لوگوں کا معبود آگ ہے۔ سب سے پہلے برامکہ کے عہد میں یہ چیز اسلام میں آئی۔ وہ لوگ پہلے آگ ہی کی پرستش کرتے تھے۔

اس موقع کی جو دعاء مشہور ہے وہ بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، بعض مشائخ نے اسے مرتب کیا ہے، شہاب الدین احمد یمنی نے اپنی کتاب "الفوائد فی الصلاۃ والعوائد" میں لکھا ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات کو جو دعا پڑھی جاتی ہے اس کے بارے میں فقیہ ابوبکر بن احمد دعیر اپنی ایک تحریر میں کہتے ہیں کہ یہ دعا مجھ کو فقیہ علامہ عبداللہ بن اسد یافعی نے ۷۳۳ھ میں مدینہ شریف کے راستہ میں املا کرائی، اس کی ابتداء یوں ہے۔ اَللّٰھُمَّ یاذا الْمَنِّ۔ الخ

---

[1] یہ حکم مطلق طور پر صحیح نہیں جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ ناصرالدین

۳۔ ماہ رمضان میں روشنی

المدخل میں مذکور ہے کہ زیادہ قندیلیں جلانے میں مال کی تضیع ہے خصوصاً جب کہ تیل وقف کا ہو' مزید یہ کہ اس سے لاخیرے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ لوگ اتنی زیادہ قندیلیں روشن کرتے ہیں کہ کوئی جگہ نہیں باقی بچتی۔ ہم یہ پہلے بتا چکے ہیں کہ علماء نے مصحف' منبر اور دیواروں کا چھونا اسی لئے مکروہ قرار دیا ہے کہ اس طرح بت پرستی کے رجحان کی پرورش ہوتی ہے' چراغاں وغیرہ سے آتش پرستی کا رجحان قوی ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ وہ باطل مذہب والوں کے افعال سے پرہیز کریں۔ اور ان کے مخصوص لباس سے بچیں [۱] اور مذکورہ بدعت میں بہت سی عورتوں' مردوں اور لڑکوں کا اجتماع ہوتا ہے' ان کی وجہ سے مسجد میں غلاظت جمع ہو جاتی ہے اور شور و شغب بڑھ جاتا ہے' ایک بدعت سے دوسری بدعت پیدا ہوتی ہے اور پھر حرام امور کا ارتکاب ہونے لگتا ہے۔

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ قندیلوں کی غیر معمولی زیادتی سلف کے دور میں نہ تھی' اس میں مال کا ضیاع' اسراف' تکبر اور ریاکاری ہے۔ اگر تیل کو کسی شخص نے وقف کیا ہو اور شرط لگائی ہو کہ اس سے قندیلیں روشن کی جائیں تو یہ شرط باطل ہوگی۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ شَرْطٍ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَا بَاطِلٌ وَ لَوْكَانَ مَائِةَ شَرْطٍ۔ [۲]

جو شرط اللہ کی کتاب میں نہ ہو وہ باطل ہے خواہ سو شرط ہو۔

---

[۱] اس سلسلہ کی حدیثیں مع تخریج ملاحظہ ہوں ہماری کتاب "حجاب المراۃ المسلمہ" میں (ناصرالدین)

[۲] صحیح حدیث ہے' اسی بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اس کی تخریج "الارواء" (۱۲۹۶) میں مذکور ہے۔

اس کا سبب علماء کی خاموشی اور یہ خیال ہے کہ اس طرح کے کاموں سے اسلامی شعائر کا اظہار ہوتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مساجد میں اختلاط کے مفاسد کے بارے میں امام ابوشامہ کہتے ہیں کہ یہ سب چراغاں کے سبب ہوتا ہے جسے عبادت تصور کیا جاتا ہے' حالانکہ یہ اللہ کی نافرمانی اور بدعت کی تقویت ہے شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ حجاج عرفہ کے دن جبل عرفات پر اور یوم النحر کی رات میں مشعر الحرام میں جو کچھ چراغاں وغیرہ کرتے ہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہے' اسے بھی روکنا چاہیے۔

۴۔ عید کے دن چاشت کے وقت تک چراغوں کو جلانا

اکثر مسجدوں میں رمضان' شعبان کی پندرھویں رات' رجب کے پہلے جمعہ اور دونوں عیدوں کی رات میں صبح دیر تک روشنی رکھنے کی رسم ہے' یہ فعل مزید اسراف اور مال کے ضیاع کا سبب ہے' اس کے بدعت ہونے کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔

میرے بعض اساتذہ جنہیں دمشق کی جامع مسجد میں اثر ونفوذ حاصل تھا' ان قندیلوں کو صبح کے وقت بجھوا دیتے تھے' اگر دوسری مسجدوں میں بھی ایسا ہی ہو تو بہت بہتر ہوگا۔ ۱۳۲۳ھ میں بیروت میں میں نے دیکھا کہ سورج نکلتے ہی وہاں کی بڑی مسجد میں روشنی گل کر دیتے ہیں' یہ بہت اچھا فعل ہے۔

تیسری فصل

مسجد کے اندر بعض تعمیرات

۱۔ مسجد کے کمرے اور کٹہرے

امام ابن الحاج نے لکھا ہے کہ مسجد کے اندر کمروں اور کٹہروں کی تعمیر بدعت

ہے' اس سے درج ذیل خرابیاں پیدا ہوتی ہیں:

۱۔ مسجد کی پوری جگہ نماز کے لئے وقف ہوتی ہے' وہاں پر کچھ اور تعمیر کرنے سے مسلمانوں کی نماز کی جگہ غصب ہو جاتی ہے۔

۲۔ اس سے صفیں کٹ جاتی ہیں۔

۳۔ سنت کی مخالفت ہوتی ہے۔

۴۔ مساجد کی آرائش لازم آتی ہے۔

نابینا اور مجبوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ انتہیٰ

میں کہتا ہوں کہ پرانے زمانے کے اندرونی کمروں میں مسجد اقصیٰ کا کمرہ ہے جو منبر کے کنارے ایک طرف ہے۔ دمشق کی جامع مسجد میں بھی منبر اور محراب کے گرد ایک بڑا کمرہ تھا۔ جسے ۱۲۸۰ھ کے لگ بھگ حاکم دمشق کے حکم سے گرا دیا گیا۔ یہ کمرہ حضرت معاویہؓ کے حکم سے تعمیر ہوا تھا۔ ۴۳ھ میں جب برک بن عبداللہ نے معاویہ پر حملہ کیا تو اسمیں کچھ اضافہ عمل میں آیا۔ ۴۴ھ میں ہی مروان نے مسجد نبوی میں ایک کمرہ تعمیر کرایا تھا۔

مسجدوں کی شمالی دیواروں میں جو نچلے برآمدے اور چبوترے بنائے جاتے ہیں ان سے مذکورہ خرابیاں لازم آتی ہیں' اور اسی طرح ان کی وجہ سے مقتدی امام سے اونچے پڑ جاتے ہیں اور انفرادیت و علو پسند لوگوں کو امتیازی طور پر مسجد میں رہنے کی جگہ مل جاتی ہے۔

۲۔ قاری کے لئے مسجد میں مخصوص کرسی

۱۳۲۱ھ میں مصر اور اسکندریہ کے اپنے سفر کے دوران میں نے دیکھا کہ مسجد میں تقریباً ایک گز اونچی کرسی پر کوئی حافظ بیٹھ کر اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے بلند آواز سے قرآن کی آٹھ آیتیں تلاوت کرتا ہے' اس سے سنت پڑھنے والوں کو بہت خلل ہوتا ہے۔ ابن الحاج نے المدخل میں اس پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھا

ہے کہ مسجدوں میں جو بڑی کرسی رکھی رہتی ہے کہ اس پر بیٹھ کر کوئی قرآن پڑھے' اس کی دو وجہ سے کوئی ضرورت نہیں' ایک تو یہ کہ اس سے مصلیوں کے نماز پڑھنے کی بہت سی جگہ گھر جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مسجد میں موجود لوگوں میں کوئی نماز پڑھتا رہتا ہے' کوئی ذکر و دعا میں مصروف رہتا ہے اور کوئی غور و فکر میں رہتا ہے' بلند آواز سے قرائت کی وجہ سے ان سب لوگوں کو خلل ہوتا ہے' نبی ﷺ نے مسجد میں بلند آواز سے قرأت سے منع بھی فرمایا ہے حدیث میں ہے کہ:

لَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ۔

تم میں سے بعض' بعض کے سامنے بلند آواز سے قرآن نہ پڑھے۔

اس مسئلہ میں یہ کھلی ممانعت موجود ہے۔ انتہی۔

اسی طرح دمشق میں نماز کے اعلان کی غرض سے اقامت سے پہلے تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتے ہیں' یہ بے بنیاد بدعت ہے۔ شیخ خلیل کے متن پر حاشیہ میں تحریر ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے پڑھنے والے کو ہٹا دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی ہمیشہ ایسا کرے تو اسے مسجد سے نکال دیں گے' ورنہ آہستہ پڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ لوگوں نے کہا کہ ایسا کرنے والے عام طور پر دنیا طلب ہوتے ہیں۔ اتقان کی پینتیسویں نوع میں سیوطی نے لکھا ہے کہ قرآن کو کسب معاش کا ذریعہ بنانا مکروہ ہے۔ آجری نے عمران بن حصین سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَإِنَّهٗ سَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَقْرَأُوْنَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُوْنَ النَّاسَ بِهٖ۔[1]

جو قرآن پڑھے اس کے ذریعہ سے اللہ سے مانگے کیونکہ کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن پڑھ کر اس کے ذریعہ لوگوں سے مانگیں گے۔

---

[1] یہ صحیح حدیث ہے۔ ترمذی وغیرہ نے اس کی تخریج کی ہے' اس کے بہت سے شواہد ہیں' جن کی تخریج میں نے "الصحیحہ" (۲۵۷) میں کی ہے۔

باب سوم

مساجد میں دعاء اذکار اور قصوں کے بیان میں

پہلی فصل

۱۔ مسجد میں سماع

امام ابن الحاج نے "المدخل" میں سماع کی بحث کے ضمن میں لکھا ہے کہ سماع کے سلسلہ میں بڑی زیادتی یہ ہے کہ بعض لوگ اسے مسجد میں کرتے ہیں' حالانکہ سلف صالحین مساجد کا جو احترام کرتے تھے ہم اسے بتا چکے ہیں' سماع تو بڑی بات ہے وہ لوگ مسجد میں بلند آواز سے ذکر و دعاء کو بھی مکروہ سمجھتے تھے۔ نبی ﷺ نے بھی مسجد میں آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے' ایک حدیث میں وارد ہے کہ:

مَنْ نَشَدَ فِي الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَهُ لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ۔[1]

جو شخص مسجد میں گمشدہ چیز ڈھونڈے تو تم اس کو بد دعاء دو کہ خدا تمہاری چیز واپس نہ کرے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں قرطبی سے نقل کیا ہے کہ بہت سے بھلائی کی طرف منسوب لوگوں پر شہوانی نفوس کا غلبہ ہو گیا ہے' جس سے ان میں سے اکثر لوگوں سے دیوانوں اور بچوں کی حرکات کا ظہور ہوتا ہے' مختلف حرکات متلذذ سے رقص کرتے ہیں۔ بعض تو شومئی قسمت سے اسے تقرب اور نیکی سمجھتے ہیں' حالانکہ

---

[1] صحیح حدیث ہے' اسے مسلم وغیرہ نے ابوہریرہؓ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے اس کی تخریج "صحیح سنن" (۴۹۲) میں موجود ہے۔

یہ خرافات سے کم نہیں۔ انتہیٰ

سیوطی کی کتاب "الامر بالاتباع والنہی عن الابتداع" میں لکھا ہے کہ بدعات سے مساجد میں رقص وغناء اور رباب و دف وغیرہ بجانا ہے مسجد میں ایسا کرنے والا بدعتی، گمراہ، اور قابل ضرب واخراج ہے، کیونکہ وہ اللہ کے حکم کی بناء پر قابل تعظیم چیز کی توہین کا مرتکب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ (النور:۳۶)

ان گھروں میں کہ جن میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے نام کو پکارا اور لیا جائے۔

اللہ کے گھر سے مسجدیں مراد ہیں اور ذکر سے تلاوت قرآن۔

۲۔ ذکر میں اللہ کے لفظ کی تبدیلی

امام سید محمد وفا بن ناصرالدین قرانی نے اپنی کتاب "الادلتہ القاطعہ فی الرد علی المنتسبتہ والمطاوعتہ" کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے کہ مجاورین و مطاوعتہ کی تردید سب سے بڑی عبادت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بہت سی بدعتوں اور ناپسندیدہ امور کا ارتکاب کرتے ہیں مثلاً قیام و قعود اور سونے کے اوقات میں اپنے پیچھے بے ریش لڑکوں کو بٹھائے رہتے ہیں حالانکہ یہ چیز سلف سے منقول نہیں بلکہ علماء تو بے ریش لوگوں کی جانب شہوت سے دیکھنے کو حرام اور بلا شہوت دیکھنے کو مکروہ مانتے ہیں۔

ان لوگوں کی ایک ناپسندیدہ حرکت یہ ہے کہ دوسروں کے یہاں سے دوپہر اور رات کا کھانا کھاتے ہیں، شہروں کا چکر لگاتے ہیں اور ناحق لوگوں کا مال کھاتے ہیں، حالانکہ دین کے ذریعہ دنیا حاصل کرنے کی سخت وعید آئی ہے، حاکم کی ایک روایت میں ہے۔

اُطْلُبُوْا الدُّنْیَا بِالْحَرفِ وَلَا تَطْلُبُوْھَا بِالدِّیْنِ، فَاِنَّ الدِّیْنَ لِیْ خَاصًّا وَیْلٌ

لِمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ وَيْلٌ لَهٗ۔ [1]

دنیا کو حرفت سے طلب کرو' دین سے نہیں کیونکہ دین میرے لئے خاص ہے' اس کے لئے بڑی خرابی ہے جو دنیا کو دین کے ذریعہ طلب کرے۔

ان کی ایک ناپسندیدہ حرکت یہ بھی ہے کہ ذکر کے وقت میں ناچتے ہیں اور تالی بجاتے ہیں جیسا کہ گاو پرستوں کی عادت ہے' ان حرکتوں کی تردید و مذمت میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے' میں طوالت کے خوف سے ان کے فتاوے نقل نہیں کر رہا ہوں' اہل بصیرت کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نام میں بھی تبدیلی کر دیتے ہیں' بعض لوگ "اموہ" کہتے ہیں' بعض لوگ "انوہ" اور بعض لوگ "ان آن"۔ ایسا کرنا نہ تو ذکر ہے' نہ اس میں کوئی ثواب ہے۔ سیدی زین الدین مرصفی سے سوال کیا گیا تھا کہ کیا لفظ "اللہ" کے تمام حروف کی واضح ادائیگی ضروری ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک انسان ہوش و حواس میں ہو اسے صحیح تلفظ ادا کرنا چاہئے' البتہ اگر بے اختیار ہو جائے تو پھر کوئی حرج نہیں' واللہ اعلم' انتہیٰ

بعض علماء نے درج ذیل اشعار میں یہ وضاحت کی ہے:

وَ مِنْ شُرُوْطِ الذِّكْرِ اَنْ لَّا يَسْقُطَا بَعْضَ حُرُوْفِ الْاِسْمِ اَوْيُفَرِّطَا

فِيْ الْبَعْضِ مِنْ مَنَاسِكِ الشَّرِيْعَةِ عَمَدًا فَتِلْكَ بِدْعَةٌ شَنِيْعَةٌ

(ذکر کی شرط یہ ہے کہ اذکار مشروعہ میں قصداً کسی حرف کو حذف نہ کیا جائے' نہ کسی طرح کی تقصیر کی جائے' کیونکہ ایسا کرنا بہت بری بدعت ہے)۔

---

[1] یہ حدیث بہت غریب ہے' حاکم کی جانب اس کی نسبت محل نظر ہے' یہ مستدرک میں مجھے نہیں ملی' حالانکہ حاکم کی طرف مطلق نسبت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث مستدرک میں موجود ہو' اسے سیوطی نے "جامع کبیر" میں بھی ذکر نہیں کیا ہے۔

وَالرَّقْصُ وَالصُّرَاخُ وَالتَّصْفِيْقُ عَمَدًا بِذِكْرِ اللّٰهِ لَا يَلِيْقُ

قصداً ناچنا' چیخنا' اور تالی بجانا ذکر الٰہی کے شایان شان نہیں۔

وَ اِنَّمَا الْمَطْلُوْبُ فِيْ الْاَذْكَارِ اَلذِّكْرُ بِالْخُشُوْعِ وَالْوَقَارِ

اذکار میں مطلوب یہ ہے کہ خشوع اور وقار سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے۔

وَ غَيْرُ ذَا فَحَرَكَةٌ نَفْسِيَّةٌ اِلَّا مَعَ الْغَلَبَةِ الْقَوِيَّةِ

اس کے علاوہ سب نفسانی حرکت ہے' البتہ کوئی مغلوب ہو تو اس کی بات الگ ہے۔

فَوَاجِبٌ تَنْزِيْهُ ذِكْرِ اللّٰهِ عَلَى اللَّبِيْبِ الذَّاكِرِ الا وَّاهِ

عقل مند اور پر خشوع ذاکر کا فرض یہ ہے کہ ذکر الٰہی کو خرافات اور

عَنْ كُلِّ مَا يَفْعَلُهُ اَهْلُ الْبِدْعِ وَ يَقْتَدِيْ بِفِعْلِ اَرْبَابِ الْوَرِعِ

بدعت کے کاموں سے پاک رکھے اور پرہیز گاروں کی پیروی کرے۔

فَقَدْ رَاَيْنَا فِرْقَةً اَنْ ذَكَرُوْا اِبْتَدَعُوْا وَ رُبَمَا قَدْ كَفَرُوْا

ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ذکر میں بدعت اور کفر کا ارتکاب کرتے۔

وَصَنَعُوْا فِيْ الذِّكْرِ صُنْعًا مُنْكَرًا صَعْبًا فَجَاهَدَ هُمْ جِهَادًا اَكْبَرًا

ذکر میں یہ لوگ بہت بری بری حرکتیں کرتے ہیں' ان سے جہاد اکبر کرنا چاہیے۔

خَلُّوْا مِنْ اِسْمِ اللّٰهِ حَرْفِ الْهَاءِ فَاَلْحَدُوْا فِيْ اَعْظَمِ الْاَسْمَاءِ

اللہ کے لفظ سے حرف ھاء نکال کر انہوں نے الحاد کا ارتکاب کیا ہے۔

لَقَدْ اَتَوْا وَاللّٰهِ شَيْئًا اِدًا تَخِرُّ مِنْهُ الشَامِخَاتِ هَدًا

ان کی یہ حرکت اتنی قبیح ہے کہ اس سے پہاڑ گر سکتے ہیں

وَالْاَلِفُ الْمَحْذُوْفُ قَبْلَ الْهَاءِ قَدْ اسْقَطُوْهُ وَ هُوَا ذُوْخَطَاءِ

ھاء سے پہلے کا الف ساقط کر کے انہوں نے بڑی غلطی کی ہے۔

وَ غَرَّهُمْ اِسْقَاطُهُ فِيْ الْخَطِّ فَكُلُّ مَنْ يَّتْرُكُهُ فَخط

کتابت میں الف نہ لکھنے سے انہیں دھوکا ہوا' حالانکہ تلفظ میں اس کو ترک کرنا غلط ہے۔

قَدْ غَيَّرُوْا اسْمَ اللّٰهِ جَلَّ وَ عَلاَ وَ زَعَمُوْا نَيْلَ الْمَرَاتِبِ الْعُلاَ

انہوں نے اللہ تعالیٰ کا نام بدل کر اعلیٰ مرتبوں کے حصول کی امید لگائی ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

مَنْ كَانَ فِيْ نَيْلِ الْكَمَالِ رَاجِيًا وَعَنْ شَرِيْعَةِ الرَّسُوْلِ نَائِيًا

جو شریعت رسول سے دور رہتے ہوئے کمال کے حصول کی امید رکھے

فَاِنَّهٗ مَلْبَسٌ مَفْتُوْنٌ وَ عَقْلُهٗ مُخْبَلٌ مَجْنُوْنٌ

وہ شبہ اور فتنہ کا شکار ہے اس کی عقل غائب اور جنون زدہ ہے۔

هٰذَا مُحَالٌ لاَ يَصِحُّ اَبَدًا لِاَنَّ سَيِّدَ الْوَرٰى بَابُ الْهُدٰى

یہ محال ہے، ہرگز صحیح نہیں، کیونکہ ہدایت کا دروازہ نبی ﷺ کی ذات ہے۔

وَ قَالَ بَعْضُ السَّادة الصُّوْفِيَّةُ مَقَالَةً جَلِيْلَةً صَفِيَّةً

بعض حضرات صوفیہ نے بڑی عمدہ اور وزن دار بات کہی ہے۔

اِذَا رَأَيْتَ رَجُلاً يَطِيْرُ اَوْفَوْقَ مَاءِ الْبَحْرِ قَدْ يَسِيْرُ

اگر کسی شخص کو ہوا میں اڑتا یا پانی پر چلتا ہوا دیکھو۔

وَ لَمْ يَقِفْ عِنْدَ حُدُوْدِ الشَّرْعِ فَاِنَّهٗ مُسْتَدْرِجٌ وَ بدعى

اور وہ شریعت کا پابند نہ ہو تو بلاشبہ وہ بدعتی اور اللہ کی طرف سے اسے ڈھیل ملی ہے۔

وَالْفَرْقُ بَيْنَ الْاِفْكِ وَالصَّوَابِ يُعْرَفُ بِالسُّنَّةِ وَالْكِتَاب

جھوٹ اور سچ کا فرق کتاب و سنت کے ذریعہ ہی معلوم ہو سکتا ہے۔

وَالشَّرْعُ مِيْزَانُ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَ شَاهِدٌ لِفَرْعِهَا وَ اَصْلِهَا

شریعت ہی تمام امور کا پیمانہ اور اصل و فرع کے لئے شاہد ہے

۳۔ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا

امام ابن الحاج نے لکھا ہے کہ خطبہ وغیرہ کی حالت میں مسجد میں آواز بلند کرنے

والے کو روکنا چاہئے' کیونکہ مسجد میں آواز بلند کرنا بدعت ہے' چنانچہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

جَنِّبُوْا مَسَاجِدَ كُمْ صِبْيَانَكُمْ وَ مَجَانِيْنَكُمْ وَ خُصُوْمَاتِكُمْ وَبَيْعِكُمْ وَشِرَائِكُمْ وَسَلِّ سُيُوْفِكُمْ وَرَفْعِ اَصْوَاتِكُمْ اِقَامَةِ حُدُوْدِكُمْ وَ جَمِّرُوْهَا اَيَّامَ يُجُعِكُمْ۔[1]

مسجدوں سے اپنے بچوں' دیوانوں' جھگڑوں اور بیع و شراء کو دور رکھو' اس میں تلوار نہ کھینچو' آواز نہ بلند کرو' حد نہ قائم کرو' اور جمعہ کے دن دھونی دو۔

انہوں نے مزید لکھا ہے کہ نماز سے پہلے یا بعد میں یا نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں مسجد کے اندر جماعت کی شکل میں ذکر کرنے والوں کو روکنا چاہئے' اس لئے کہ اس سے دوسروں کو خلل ہوتا ہے' اور حدیث میں ہے کہ:

لَاضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ۔[2]

نقصان اٹھانا یا پہنچانا جائز نہیں۔

اس لئے خلل کے تمام کام ممنوع ہوں گے۔

ابن حجر نے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ زرکشی کہتے ہیں کہ تلبیہ کے علاوہ تمام اذکار میں آہستگی مسنون ہے۔ اذرعی کا قول ہے کہ امام شافعی نے جہر کی حدیثوں کو تعلیم کی ضرورت پر محمول کیا ہے۔ "العباب" میں ہے کہ دعاء اور ذکر آہستہ کرنا مسنون ہے' امام کے سلام کے بعد مقتدیوں کی تعلیم کے لئے جہر کی اجازت ہے' جب وہ لوگ سیکھ

---

[1] اس حدیث کی اسناد بہت ضعیف ہے' اس کی تخریج "الاجوبتہ النافعتہ" ص ۵۵' اور "الارواء" (۲۲۲۴) میں موجود ہے"۔

[2] یہ حدیث بجمیع طرق صحیح ہے' جیسا کہ سابقہ ماخذ (۸۸۸) اور "الصحیحہ" (۲۵۰) میں میں نے بیان کیا ہے۔

لیں تو پھر آہستہ پڑھنا چاہئے۔

"الجامع الکبیر" میں ابن مبارک نے عبیداللہ بن ابی جعفر کی یہ مرسل روایت ذکر کی ہے۔

مَنْ اَجَابَ دَاعِیَ اللّٰہِ وَ اَحْسَنَ عَمَارَۃَ الْمَسَاجِدِ، قَالَ، لَایَرْفَعُ فِیْھَا صَوْتٌ وَلَا یَتَکَلَّمُ فِیْھَا بِرَفْثٍ۔[1]

اللہ کے منادی کو قبول کرنے اور مسجد کی اچھی تعمیر کرنے والا کون ہے؟ فرمایا کہ جو اس میں آواز بلند نہ کرے اور بیہودہ بات نہ بولے۔

ترمذی و نسائی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَاَیْتُمُوْہُ یُنْشِدُ شِعْرًا فِی الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا فَضَّ اللّٰہُ فَاكَ ثَلَاثًا، مَنْ رَاَیْتُمُوْہُ یُنْشُدُ ضَالَّۃً فِی الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَاوَجَدَتَّھَا ثَلَاثًا، وَ مَنْ رَاَیْتُمُوْہُ یَبِیْعُ اَوْیَبْتَاعُ فِی الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَارَبِحَ اللّٰہُ تِجَارَتَكَ۔[2]

جسے مسجد میں تم شعر پڑھتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ تمہارے دانت جھڑ جائیں۔ جسے گمشدہ چیز مسجد میں ڈھونڈتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ تمہیں وہ چیز نہ ملے، جسے مسجد میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ تمہاری تجارت میں اللہ نفع نہ دے۔

ان وعیدوں اور بد دعاؤں پر ان لوگوں کو غور کرنا چاہئے جو مسجد میں غلط سلط قصیدے پڑھتے ہیں، جب مسجد میں گمشدہ شئے کے بارے میں آواز بلند کرنے کی

---

[1] مرسل ہونے کی بناء پر ضعیف ہے۔

[2] اس کی اسناد بہت ضعیف ہے، یہ ابو ہریرہؓ کی حدیث نہیں، نہ اسے ترمذی و نسائی نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، بلکہ اسے طبرانی نے ابو عبدالرحمٰن ثوبان سے بے حد کمزور سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس کی تفصیل "الاحادیث الضعیفہ" (۲۱۳۱) میں مذکور ہے، ہاں ابو ہریرہ سے مرفوعاً جو روایت ثابت ہے اس میں پہلا ٹکڑا نہیں ہے، "الارواء" (۱۲۹۵) میں اس کی تخریج موجود ہے۔

اجازت نہیں تو بلا ضرورت شور اور خلل پیدا کرنے والوں کو کیسے اجازت مل سکتی ہے؟ امام بخاری نے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سویا ہوا تھا' مجھے حضرت عمرؓ نے کنکری مار کر متوجہ کیا اور کہا کہ جاؤ ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ' میں لے کر آیا تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ طائف سے آئے ہیں' حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر اس شہر کے ہوتے تو تم کو میں بہت مارتا' مسجد نبوی میں تم آواز بلند کرتے ہو۔

غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد میں آواز بلند کرنے پر کس طرح تنبیہ کی اور مارنے کی دھمکی دی۔

امام مالک اور بیہقی نے سالم بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد کے بازو میں 'بطیحاء' نام کا ایک چبوترہ بنا دیا تھا' شعر پڑھنے والے اور آواز بلند کرنے والے اسی چبوترے پر چلے جاتے تھے۔[1]

۴۔ وقت سحر کی تحقیق اور درود پڑھنے والوں پر تنقید

بہت سے لوگ اس لفظ کا اصلی معنی نہیں سمجھ پاتے۔ لغت میں اس لفظ کا اطلاق رات کے آخری اور دن کے ابتدائی حصہ پر ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں "اصیل" کا لفظ ہے جس کا معنی ہے دن کا آخری حصہ۔ ان دونوں الفاظ کو وقت کی پاکیزگی اور ہوا کی صفائی کے لئے ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے' امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ "سحر" کا معنی ہے آخری رات کی تاریکی کا دن کی روشنی سے ملنا' اس لفظ کو وقت کا نام بنا دیا گیا ہے۔ زمخشری کہتے ہیں کہ اس وقت کو سحر کے

---

[1] اسے مالک نے مؤطا (۱' ۱۷۵' ۹۳) میں بغیر اسناد روایت کیا ہے' اور بیہقی (۱۰' ۱۰۳) نے اسے بطریق ابوالنضر عن سالم بن عبداللہ موصولاً رویت کیا ہے' اس کے رجال ثقہ ہیں لیکن سالم اور عمر کے مابین انقطاع ہے۔

نام سے بطور استعارہ موسوم کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ رات کے جانے اور دن کے آنے کا وقت ہے' یعنی صبح کے سانس لینے کی گھڑی ہے' اس توضیح کے بعد بعض عابدوں کے اس خیال کی غلطی واضح ہو جاتی ہے کہ سحر کا وقت فجر کے ایک دو گھنٹے پہلے کا وقت ہے۔ اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ کچھ اورادو وظائف لوگوں نے متعین کر کے مذکورہ وقت میں پڑھنے کا سلسلہ شروع کر لیا ہے' ہاں ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز سے قریب ہو اس کو اسی کے نام سے موسوم کر دیا جاتا ہے اور اسی کا حکم بھی اس پر لگاتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص فجر سے اتنی پہلے بیدار ہو کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے پھر اول وقت یعنی غلس میں فجر کی نماز پڑھے تو اس کے بارے میں یہ کہیں گے کہ سحر زندہ دار ہے' اسے اس کا ثواب ملے گا بشرطیکہ وہ استغفار کرے نماز پڑھے اور خشوع و خضوع اپنے اوپر طاری رکھے۔ لیکن یہ خیال کہ اس فضیلت کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو مذکورہ اوراد پڑھتے ہیں' اس لفظ کے لغوی و شرعی مفہوم سے غفلت کی دلیل ہے۔

مسجد میں سحر کے وقت والا درود پڑھنے والے دو حیثیتوں سے قابل تنقید ہیں۔ اول یہ کہ جہری قرأت اور ذکر دوسرے مصلیوں اور ذاکروں کے لئے تشویش و تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ سحر کا ورد کرنے والے کبھی کبھی اپنے امام کے ساتھ مقررہ امام سے پہلے علیحدہ نماز پڑھ لیتے ہیں جس سے جماعت میں تفریق اور باہمی اتحاد کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ مقررہ امام سے علیحدہ نماز ادا کرنے کے مفاسد پر میں نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔

بعض لوگ جلد بازی میں فجر کی اذان ختم ہونے سے قبل سنت شروع کر دیتے ہیں' پھر موجودہ لوگوں کو لے کر نماز شروع کر دیتے ہیں' کبھی کبھی ان کی صف مقررہ امام کی جماعت والی صف سے مل جاتی ہے' جیسا کہ رمضان میں جامع اموی میں ہوتا ہے۔ اس بارے میں جب کچھ کہا جاتا ہے تو لوگ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے مشائخ کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے' اور ان کا علم و تقویٰ ہم سے زیادہ تھا۔ ان

میں سے بعض فقیہ شافعیہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ مقررہ جماعت سے پہلے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ میں نے مذکورہ رسالہ میں اس قول کی غلطی کو واضح کیا ہے۔ ابن حجر نے بھی اپنے فتوی میں اس قول کی تردید کی ہے۔ مزید برآں ہم یہ کہیں گے کہ کسی مذہب کا ایسا قول جو امام سے منقول نہ ہو اس کا مذہب نہیں بن سکتا بلکہ وہ قائل کی رائے ہوگی۔ اس وقت کتاب الام طبع ہو چکی ہے' شافعی کے مقلدین کو اس کے مندرجات سے استدلال کرنا چاہیئے۔ جو باتیں اس میں مذکور نہیں ہیں' ان کا اعتبار کرنا غلط ہے' کیونکہ مقلد کی تقلید جائز نہیں' اصول کے مطابق صرف مجتہد کی تقلید ہو سکتی ہے۔

۵۔ میلاد پر پڑھے جانے والے اذکار

ربیع الاول کی بارھویں [1] رات کو کچھ مسلمان جشن و تقریب مناتے ہیں جس میں نبی ﷺ کی ولادت کا واقعہ بیان کرتے ہیں' ان کے خیال میں اسی رات نبی ﷺ کی ولادت ہوئی تھی (متعدد اقوال میں ایک قول یہ بھی ہے) امام ابن الحاج نے المدخل میں مجلس میلاد کے موقع پر پڑھی جانے والی چیزوں کی بدعتوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اسے ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاوی میں ایک سوال ہے کہ ایک شخص ہر سال میلاد نبوی کی رات ایک ختم کرتا ہے' یہ مستحب ہے یا نہیں؟ شیخ الاسلام نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ کھانے کے لئے عیدین اور ایام تشریق میں جمع ہونا سنت ہے' یہ اسلامی شعار ہے جسے نبی ﷺ نے مسلمانوں کے لئے مسنون قرار دیا ہے۔ رمضان کے مہینہ میں کھانا کھلا کر فقراء کی مدد کرنا بھی اسلامی طریقہ ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

---

[1] میرا قول ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپؐ کی ولادت ربیع الاول میں نویں تاریخ کو ہوئی ہے' جیسا کہ بعض معاصر علماء کی تحقیق ہے۔ (ناصر الدین)

مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ۔ [1]

روزہ افطار کرانے والے کو روزہ دار جیسا اجر ملتا ہے۔

محتاج قاریوں کی قران پر مدد کرنا بھی ہمیشہ نیک عمل مانا گیا ہے۔ ان کی مدد کرنے والے ان کے اجر میں شریک ہیں' لیکن شرعی مناسبتوں کے علاوہ کوئی اور مناسبت مقرر کرنا مثلاً ربیع الاول کے مہینہ میں عید میلادالنبی' یا رجب کی کسی رات یا اس کے پہلے جمعہ یا ذی الحجہ اورشوال کی آٹھویں تاریخ کا کوئی اہتمام کرنا بدعت ہے' ان سب کاموں کو نہ تو سلف نے مستحسن بتایا ہے نہ خود کیا ہے۔ انتہیٰ

انہوں نے اپنے ایک دوسرے فتویٰ میں لکھا ہے کہ عید میلاد النبی ﷺ مناتے ہوئے گانے یا ناچنے کا اہتمام کرنا اور اسے عبادت سمجھنا بلاشبہ ایک منکر کام ہے۔ اسے جاہل یا زندیق کے علاوہ کوئی اچھا نہیں سمجھ سکتا۔ اور نبی ﷺ کے فضائل کے ذکر و تلاوت کے لئے بقصد تعظیم و محبت اکٹھا ہونا چونکہ ایک اچھا ارادہ ہے اس لئے اس پر ثواب کی امید ہے۔ انتہیٰ

میں نے اس شذرہ [2] کے خاتمہ پر جس کا موضوع سیرت نبوی ہے' ولادت نبوی کا واقعہ درج کیا ہے' اس سلسلہ کے اقوال پر تنقید کی ہے اور اس موقع کی بدعتوں پر متنبہ کیا ہے۔ عید میلاد کا جشن منانے کی بدعت کا تاریخی جائزہ بھی لیا ہے' شائقین اس کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

۶۔ دنیاوی بات چیت کے لئے مسجد میں حلقہ بنانا

امام ابن الحاج نے لکھا ہے کہ دنیاوی معاملہ کی اور لوگوں کے ساتھ پیش آنے

---

[1] یہ صحیح حدیث ہے' اس کی تخریج "المشکوۃ" (۱۹۹۲) میں ہے' اسے ابن خزیمہ (۱'۲۱۴۳') اور ابن حبان (۸۹۵) نے صحیح قرار دیا ہے۔

[2] یہ شذرہ مصر سے ۱۳۲۱ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

والے واقعات کی بات چیت کے لئے لوگ اگر مسجد میں اجتماعی صورت میں بیٹھیں تو انہیں اس سے روکنا چاہئے۔ ابن الحاج نے اس موضوع سے متعلق مختلف آثار نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مسجد میں صرف نماز' تلاوت' ذکر و فکر یا تعلیم و درس کے لئے بیٹھا جا سکتا ہے۔ان کاموں میں آواز اس طرح بلند نہ ہونی چاہئے کہ دوسرے مصلیوں یا ذاکروں کو خلل ہو۔ ابن حبان نے ابن مسعود سے اور حاکم نے انس سے روایت کی ہے کہ (اور حاکم نے اسے صحیح الاسناد مرفوع کہا ہے) کہ:

يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَحْلِقُوْنَ فِيْ مَسَاجِدِ هِمْ وَ لَيْسَ هَمَّهُمْ اِلاَّ الدُّنْيَا وَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ فَلاَ تَجَالِسُوْهُمْ۔[1]

ایک زمانہ آئے گا جب لوگ مسجدوں میں حلقہ لگا کر بیٹھیں گے انکا مقصد صرف دنیا ہوگی۔ اللہ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں' اس لئے تم ان کے پاس نہ بیٹھو۔

۷۔ صفر کے آخری بدھ کی رات میں سلام کی آیات لکھنا

ماہ صفر کے آخری بدھ کو بعض مسجدوں میں مغرب اور عشاء کے مابین بہت سے لوگ اکٹھا ہو کر کسی کاتب کے گرد حلقہ بنا لیتے ہیں جو انبیاء کرام پر سلام کی ساتوں آیتیں کسی کاغذ پر لکھتا ہے جسے لوگ برتن میں رکھ لیتے ہیں اور اس کا پانی پیتے ہیں۔ اس کاغذ کے بارے میں لوگوں کو بہت عقیدت رہتی ہے اور اسے دوسروں کو ہدیہ دیتے ہیں۔ میرے خیال میں گنڈے تعویذ والے مشائخ کے سوا اور کوئی اس رسم کا قائل نہیں۔ اس طرح کے عقیدے سے بہت سی بدفالی اور نیک فالی کا تصور پیدا ہوتا ہے' حالانکہ مسلمانوں کو اس سے بے نیاز رہنا چاہئے۔ دمشق میں اس بدفالی کی

---

[1] یہ حدیث حسن ہے' اس کی تخریج "الصحیحۃ" (۱۱۶۳) میں موجود ہے۔

نظیر یہ ہے کہ لوگ بدھ کے دن کسی مریض کی عیادت نہیں کرتے' بظاہر ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ:

يَوْمُ الْأَرْبَعَاءِ يَوْمُ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ۔[1]

بدھ کا دن مستقل نحوست کا دن ہے۔

سخاوی کہتے ہیں کہ بدھ کی فضیلت یا اس سے نفرت کی تمام حدیثیں لغو ہیں۔ لوگوں کی خرافات میں سے یہ قول بھی ہے کہ جو بدھ کو کسی مریض کی عیادت کرے گا اسے جمعرات کو اس کی زیارت کرنی ہوگی' یعنی قبرستان جا کر۔ خدا ہمیں جاہلوں میں داخل ہونے سے بچائے۔

امام احمد اور اصحاب سنن نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ۔[2]

بدفالی شرک ہے۔

طبرانی نے عمران بن حصین سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ وَ لَا مَنْ تُطُيِّرَلَهُ اَوْتَكَهَّنَ اَوْتُكُهِّنَ لَهُ' اَوْسَحَرَ اَوْ سُحِرَلَهُ۔[3]

---

[1] میں کہتا ہوں کہ اسی طرح کی یہ حدیث بھی ہے " آخر اربعاء فی الشهر یوم نحس متمر اس کی تخریج "الضعیفہ" (۱۵۸۱) میں ہے۔ ہماری کتاب "ضعیف الجامع الصغیر و زیادتہ" میں یہ تیسری حدیث ہے۔ اللہ تعالیٰ " صحیح الجامع الصغیر وزیادته" کے ساتھ اس کتاب کی طباعت کا سامان مہیا فرمائے۔

[2] صحیح حدیث ہے اس کی تخریج "الحلال والحرام" (۳۰۱) اور "الصحیحۃ" (۴۲۹) میں موجود ہے۔

[3] حسن حدیث ہے اس کی تخریج "الحلال والحرام" (۵۸۷) میں موجود ہے۔

وہ شخص ہم سے نہیں جو بدفالی لے یا جس کے لئے بدفالی لی جائے' اور جو کہانت کرے یا جس کے لئے کہانت کی جائے' اور جو جادو کرے یا جس کے لئے جادو کیا جائے۔

امام احمد نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهٖ فَقَدْ اَشْرَكَ' قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا كَفَّارَةُ ذَالِكَ؟ قَالَ يَقُوْلُ' اَللّٰهُمَّ لَا طَيْرَةَ اِلَّا طَيْرُكَ وَ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَ لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ [1]

بدفالی جس کو کسی کام سے روک دے وہ مشرک ہے' صحابہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہؐ اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ کہے' اے اللہ! سب خیرو شر سب تیرے ہاتھ میں ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

ابوداؤد نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا:

لَا عَدْوٰى وَ لَاهَامَّةَ وَلَانوء وَلَا صَفْرَ۔ [2]

چھوت چھات' ہامہ اور صفر کی کوئی حقیقت نہیں۔

اسے شیخین نے بھی مختصراً روایت کیا ہے ابن جریر نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے

لَا عَدْوٰى وَلَا هَامَّةَ وَ لَا صفرَ خَلَقَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ فَكَتَبَ حَيَاتَهَا وَمُصِيْبَاتَهَا وَرِزْقَهَا۔ [3]

---

[1] یہ حدیث صحیح ہے اس کی تخریج "الصحیحہ" (۱۰۶۵) میں ہے۔

[2] اس کی تخریج ابوداؤد کتاب الطب میں ہے۔ اسے امام احمد نے المسند (۲:۲۹۷) میں بروایت علاء ذکر کیا ہے اور یہ سند صحیح اور شرط مسلم کے مطابق ہے۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے لیکن اسمیں "ولانوء" کا لفظ نہیں ہے' تخریج کے لئے ملاحظہ ہو "الصحیحہ" (۷۸۳)

[3] اس کی تخریج احمد وغیرہ نے بھی صحیح سند سے کی ہے' ملاحظہ ہو سابقہ ماخذ۔

چھوت چھات' ہامہ اور صفر کی کوئی حقیقت نہیں' اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو پیدا کر کے اس کی زندگی' مصیبت اور رزق لکھ دیا ہے۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے:

سوال: ایام ولیالی کے بارے میں مثلاً بدھ یا جمعرات یا سینچر کو سفر یا کپڑا کاٹنا اور سلنا یا دھاگہ بٹنا مکروہ ہے' اور ان دنوں کی راتوں میں جماع مکروہ ہے اور لڑکے کے بارے میں ڈر ہے۔

جواب: یہ سب باطل اور بے بنیاد ہے۔ آدمی اگر کوئی مباح کام کرنا چاہے تو استخارہ کر کے اسے کسی وقت بھی کرنا چاہئے۔ کسی بھی دن کپڑا کاٹنا' سلنا' دھاگہ بٹنا' یا کچھ اور کرنا مکروہ نہیں' نہ کسی رات میں جماع مکروہ ہے' بلکہ نبی ﷺ نے بدفالی سے روکا ہے۔ جیسا کہ صحیح[1] میں معاویہؓ بن حکم سلمی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یارسول اللہ! ہم میں سے بعض لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں' آپ نے فرمایا کہ ان کے پاس نہ جاؤ' پھر کہا کہ ہم میں سے بعض بدفالی لیتے ہیں' آپؐ نے فرمایا کہ یہ چیز لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے لیکن اس سے تم کوئی کام نہ چھوڑو۔ ایسی صورت میں کسی دن یا رات میں کوئی کام کیسے ممنوع ہو سکتا ہے؟ ہاں جمعرات' سینچر اور پیر کو سفر ضرور مستحب ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے دنوں میں ممنوع ہے۔ البتہ جب جمعہ فوت ہونے کا ڈر ہو تو ایسی صورت میں سفر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔[2] رہا صنعت یا جماع کا معاملہ تو یہ کسی بھی دن میں مکروہ نہیں۔ واللہ اعلم

---

[1] صحیح مسلم مراد ہے' اس حدیث کی تخریج "الارواء" (۳۸۹) میں ہے۔

[2] میں کہتا ہوں کہ راجح قول یہ ہے کہ جمعہ کے دن اس شخص کے لئے سفر جائز ہے جو جمعہ فوت کرنا نہ چاہتا ہو۔ حضرت عمرؓ کا یہ قول ثابت ہے کہ نکلو' جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔ اس دن سفر سے روکنے والی کوئی حدیث صحیح نہیں' ملاحظہ ہو "الضعیفہ" (۲۱۸' ۲۱۹)۔ ناصرالدین

ابن حجر' ہیثمیؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ: عام لوگوں کے ذہن میں یہ بات جم گئی ہے کہ کچھ دن ایسے ہیں جن میں مریض کی عیادت باعث نحوست ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کسی مریض کا ایسا عقیدہ ہے تو اس کی عیادت اس دن میں نہیں کرنی چاہئے کیونکہ بدفالی کے خیال خام کی وجہ سے اسے تکلیف پہنچے گی اور اس سے مرض میں شدت پیدا ہو جائے گی اور نقصان ہوگا' جبکہ حدیث میں وارد ہے کہ لَاَضَرَرَ وَ لَاَضِرَارَ اور کبھی مسنون کام کو قوی عوارض کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے۔

اگر یہ سوال ہو کہ کیوں نہ سنت کے اعلان واظہار اور خام خیالی کے خاتمہ کے لئے انھیں دنوں میں عیادت کی جائے جنہیں لوگ منحوس تصور کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر جہالت و بدفالی کا لوگوں پر غلبہ نہ ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے' ورنہ لوگ عیادت میں جانے والے کے پیچھے پڑ جائیں گے اور اسے سخت تکلیف ہوگی۔ شریعت میں چونکہ نقصان کو روکنا نفع حاصل کرنے پر مقدم ہے اس لئے مذکورہ دنوں میں عیادت نہ کرنا ہی بہتر ہوگا۔

بعض مشائخ کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ بدھ کے دن عیادت کے لئے اپنے گھر کا دروازہ کھلوا دیتے تھے اور گزرنے والوں کو عیادت کے لئے بلاتے تھے' تاکہ اس طرح بدعت کا خاتمہ ہو سکے۔

۸۔ مساجد کے قصہ خواں

امام غزالی نے احیاء العلوم میں مساجد کی منکرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: منکرات میں سے قصہ خواں اور واعظین کا کلام بھی ہے جو بدعت پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر کوئی قصہ خواں جھوٹے واقعات بیان کرے تو وہ فاسق ہے' اسے ٹوکنا ضروری ہے' واعظ اگر بدعتی ہو تو اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنا چاہئے۔ انھوں نے ریاء کے باب میں لکھا ہے کہ: عالم کے تکبر کی آفات میں سے ایک آفت یہ ہے

کہ وہ اپنے ہم جنسوں پر اپنی بڑائی کا اظہار کرنے کے لئے انوکھے علوم یاد کرے اور احادیث کے الفاظ و اسانید حفظ کر کے اپنا فضل ظاہر کرے۔ یہ عادت تکبر کی ہے اور علم و عمل پر غیر معمولی اعتماد سے پیدا ہوتی ہے۔ انتہیٰ

بعض علماء نے مساجد کے واعظین کے بارے میں لکھا ہے کہ: اگر واعظین کے حالات کو فصاحت و بلاغت سے بیان کرنے کی قدرت ہوتی تو میں ایسے عجائب کا ذکر کرتا جن سے دین کا کوئی تعلق نہیں' لیکن پھر بھی ادائے فرض کے خیال سے بحوالہ کتاب و سنت میں کچھ عرض کروں گا کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اسے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے' اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے برا' جانے' لیکن یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

یہ معلوم ہے کہ واعظین کی ذمہ داری چند امور میں منحصر ہے' اول یہ کہ عوام کو اللہ تعالیٰ کی معرفت' اس کی بلند صفات' اسکے حق میں محال اور جائز امور اور انبیاء و رسل کے مرتبے سے آگاہ کریں۔

دوم یہ کہ دین کے ارکان مثلاً نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کی تعلیم دیں' ان کے آداب و احکام اور دنیوی و اُخروی فائدوں کو بتائیں۔

سوم یہ کہ بھلائی کی دعوت دیں اور برائی سے روکیں اور دینی آداب و فضائل نیز رسول اللہ کی تعلیمات کی پابندی پر اُبھاریں۔

چہارم یہ کہ عمل پر آمادہ کریں اور یہ سمجھائیں کہ ہر شخص کو اس کے اچھے اور برے کاموں کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

پنجم یہ کہ شرعی امور میں تعاون کی ترغیب دیں' اولاد کی تربیت پر توجہ دلائیں ہر کام کو صحیح طور پر انجام دینے کے لئے زور دیں۔ امانت کے تحفظ کی ضرورت واضح کریں اور اخوت کا احساس پیدا کریں کیونکہ' یہی قوموں کی زندگی کا سرچشمہ اور دنیا و آخرت میں ان کی بہبود کا باعث ہے۔

ششم یہ کہ دلوں کو فاسد اوہام سے پاک کریں' کیونکہ ان کی وجہ سے باطل

عقیدہ جنم لیتا ہے۔ اس طرح لوگوں کے اندر اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے اور عاجزی کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا' جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (الانعام ۔۷۹)

میں نے یکسو ہو کر اپنے چہرے کو آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے کی طرف پھیر دیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اور جیسا کہ نبی ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ یہ' کہیں:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (الانعام ۔۷۹)

میری نماز' عبادت' زندگی اور موت اللہ کے لئے ہے جو دنیا والوں کا پروردگار ہے اسکا کوئی شریک نہیں' اسی کا مجھے حکم ملا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں۔

انھوں نے آگے لکھا ہے کہ: اللہ جانتا ہے کہ واعظین نے اپنے ان واجبات کو ادا' نہیں کیا بلکہ اوہام و خرافات اور باطل و موضوع احادیث و اقوال کا سہارا لے کر اپنی محفلوں میں زہر گھولنے لگے اور نفسانی خواہشات کے مطابق نبی ﷺ کی جانب غلط حدیثوں' اور حقائق سے بعید باتوں کو منسوب کیا۔ تحذیر و ترغیب میں تشدد' مبالغہ اور سہولت سے حسب منشاء کام لیتے رہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ: اے واعظو! نبی ﷺ پر جھوٹ سے تم کو اُنسیت ہو گئی ہے' اور تم اسی کو حق کہتے ہو' حالانکہ یہ کھلا ہوا گناہ اور باتفاق مسلمین حرام ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ: جو قصداً مجھ پر جھوٹ باندھے اسے جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالینا چاہیے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ: موضوع حدیث کا علم یا ظن ہونے کے بعد اس کی روایت حرام ہے' جو جانتے ہوئے ایسا کرے گا وہ حدیث میں مذکور وعید کا مستحق ہوگا۔ اس کا کوئی لحاظ نہیں کہ جھوٹ کا تعلق احکام سے ہے یا ترغیب و ترہیب اور مواعظ سے'

کیونکہ ہر مسئلہ میں نبی ﷺ کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کرنا حرام ہے۔ تمام دانشمندوں کا اتفاق ہے کہ کسی بھی شخص کی طرف جھوٹ بات کا انتساب حرام ہے' پھر نبی ﷺ کی جانب کسی بات کو غلط طور پر منسوب کرنا کتنا بڑا گناہ ہوگا؟

واعظو! تم اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں اولیاء و صلحاء کا وسیلہ مانتے ہو حالانکہ اس کی ذات سے زمین و آسمان کی کوئی چیز بعید و مخفی نہیں۔ اس توسط کو تم کفر' نہیں سمجھتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عقائد کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَاللّٰهِ۔ (یونس ۱۸)

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان اور نفع نہیں پہنچا سکتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

تم بت پرستوں کے ہم عقیدہ ہو کیونکہ وہ بھی بتوں کو اسی خیال سے پوجتے تھے کہ ان سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (الزمر۔ ۳)

ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں۔

سورہ فاتحہ میں جسے ہم متعدد بار روزانہ پڑھتے ہیں' صاف طور پر وارد ہے کہ:

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ (سورہ فاتحہ ۔ ۴)

ہم صرف تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ جل شانہ' کے علاوہ کسی سے مدد چاہنا غلط ہے۔

اے واعظو! قرآن نے ہمکو بتا دیا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارا جائے گا' اور نہ کسی کا قصد کیا جائے گا:

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (الجن ۔ ۱۸)

تم اللہ کے ساتھ کسی نہ پکارو۔

اور فرمایا کہ:

قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ' اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ (سورہ اخلاص ۔۱-۲)

آپ کہہ دیجئے' اللہ ایک ہے' اللہ بے نیاز ہے۔

اور صمد اس ذات کو کہتے ہیں جس کا ضرورت کے وقت قصد کیا جائے اور بندے اچھے برے میں اسی سے مدد طلب کریں۔ اس آیت سے لغوی قاعدہ کہ بناء پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا صمد نہیں ہو سکتا۔

قرآن نے اس جانب بھی رہنمائی کی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کا قصد ہی واجب ہے چنانچہ ارشاد ہے:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ' اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔
(البقرہ:۱۸۶)

اور جب میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں' پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں۔

ایسی صورت میں اللہ کے لئے کسی اور کا وسیلہ نہیں بنایا جا سکتا' کیونکہ توسل کا مقصود اللہ تعالیٰ کے قرب کی تلاش ہے' اور اس نے ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ وہ خود ہی ہم سے قریب ہے۔

صحیح احادیث میں مذکور ہے کہ استسقاء کے موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ:

اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْتَقِيْنَا وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ الْعَبَّاس فَاَسْقِنَا۔[1]

---

[1] اسے امام بخاری نے استسقاء کے بیان میں بروایت انس بن مالک ذکر کیا ہے۔ ابن تیمیہ نے "التوسل والوسیلہ" (ص ۶۴' ۱۰۴) میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جو مخلوقات سے سوال کے لئے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

ہم تیرے نبی ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے دعاء کرتے تھے تو تو' ہمیں سیراب کرتا تھا' اب ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا عباس کو وسیلہ بناتے ہیں تو' ہمیں سیراب فرما۔

حضرت عمرؓ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب کہ حضرت عباس ان کے پہلو میں اللہ سے دعاء کر رہے تھے' اور جب انبیاء اور صدیقین کا یہ حال ہے کہ تو پھر اولیاء اور صلحاء کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔

واعظو! شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ اس طرح اولیاء و صلحاء کی تعظیم ہوگی' حالانکہ ان کی اصل تعظیم و احترام یہ ہے کہ ان کے قول و عمل کی پیروی کی جائے' ان سے توسل کا یہی معنی ہے' اسی طرح زندہ لوگوں سے توسل کا مطلب یہ ہے کہ ان سے دعاء میں شرکت کی درخواست کی جائے' جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

واعظو! تین صدیوں کا نمونہ موجود ہوتے ہوئے مذکورہ عقیدے پر تم کیسے قائم ہو۔ اُس وقت اس طرح کا توسل قطعاً نہیں تھا' حدیث و تاریخ کی کتابوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اُس دور کے بعد جو افعال ایجاد ہوئے وہ یقیناً بدعت ہوں گے اور بدعت گمراہی اور جہنم کا باعث ہے۔

واعظو! متنبہ ہو جاؤ اور ان آیات کا مصداق بن جاؤ:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ' وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ تْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ۔ (آل عمران ۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶)

تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی دعوت دے' اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے' یہی لوگ کامیاب ہیں' ان لوگوں

کی طرح نہ بنو جو متفرق ہو گئے اور نشانیوں کے بعد اختلاف کر لیا' ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ جس دن بہت سے چہرے سفید' اور بہت سے سیاہ ہوں گے' جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ ایمان کے بعد تم نے کفر کیا تھا۔ اب اپنے کفر کے سبب عذاب کا مزا چکھو۔ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ ہمیشہ اللہ کی رحمت میں رہیں گے۔

ایک ازہری عالم کا یہ مضمون مصری اخبار "المؤید" بابت ۷ / شعبان ۱۳۲۲ھ شمارہ نمبر ۴۳۹۷ میں موجود ہے۔"

دوسری فصل

قرأت اور قاریوں کے بیان میں

۱۔ قرأت کے وقت شور

در مختار اور اس کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ : نماز میں اور نماز کے باہر جب قرآن پڑھا جائے تو اس کا سننا واجب ہے' کیونکہ آیت مذکورہ آئندہ:

وَ اِذَا قُرِئَی الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْلَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (الاعراف : ۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنا کرو اور چپ رہا کرو تاکہ تم پر رحم ہو۔

اگرچہ نماز کے بارے میں وارد ہے لیکن اس میں الفاظ کی عمومیت کا لحاظ کیا جائے۔ شرح المنیتہ میں مذکور ہے کہ : قرآن کا احترام قاری کے لئے ضروری ہے' بایں طور کہ بازار یا عام مصروفیت کی جگہوں پر تلاوت نہ کرے' اگر وہ ایسا کرے گا تو خود اس کی عزت و توقیر کو ضائع کرنے والا تصور کیا جائے گا' اس کا گناہ بھی اسی کو

ہو گا سامعین کو نہیں۔

۲۔ قرأت سے لوگوں کا خلل

امام تاج الدین فزاری شافعی کے فتاوی میں یہ سوال درج ہے کہ کچھ لوگ بلند آواز سے اس طرح قرآن پڑھتے ہیں کہ دوسروں کو خلل ہوتا ہے' کیا ایسا' جائز ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے امام موصوف نے لکھا ہے کہ ایسا نہ کرنا بہتر ہے' دوسروں کو روکنا چاہئے کہ کوئی ایسا نہ کرے' اسی سوال کا جواب شیخ زین الدین مالکی نے یہ دیا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں' ولی امر کو اس سے روکنا چاہئے' امام مالک سے مروی ہے کہ ایسا کرنے والے کو مسجد سے نکال دینا چاہئے۔ شیخ شمس الدین حنبلی اور قاضی حنفی نے بھی اسی طرح کا جواب دیا ہے۔

۳۔ مسجد میں قراء کا خلل

امام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ میں مذکور ہے کہ اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ کسی مسجد میں صبح و شام قرآن کی تلاوت و تعلیم ہو اور مسجد کے دروازے پر حاضرین اس طرح بات چیت کریں کہ تلاوت کرنے والوں کو خلل ہو؟

جواب یہ ہے کہ مسجد میں جو لوگ نماز' تلاوت' ذکر یا دعاء کے لئے آتے ہیں ان کو تکلیف دینا جائز نہیں' اس لئے کسی شخص کو مسجد میں یا اس کے دروازے پر کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے اس میں موجود لوگوں کو خلل یا تکلیف ہو۔ نبی ﷺ ایک مرتبہ مسجد تشریف لائے تو صحابہ جہری قرائت سے نماز پڑھ رہے تھے' آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے اس لئے بعض کو بعض کے سامنے زور سے نہیں پڑھنا چاہئے۔ اور جب مصلی کو بلند آواز سے پڑھنے سے روکا گیا ہے تو پھر دوسرے کو کیسے اجازت ہوگی۔ جو شخص بھی کوئی ایسا کام کرے جس سے مسجد کے لوگوں کو تشویش ہو اسے اس سے روکنا ضروری ہے' واللہ اعلم۔

۴۔ مسجد کی علمی مجلسوں سے اعراض کرنا

بہت سے بودے عوام اس حلقہ میں بیٹھنے سے اعراض کرتے ہیں جس میں کوئی عالم وعظ و نصیحت کرتا ہے اور حکمت و دانائی کی باتیں بتاتا ہے' اس کے بجائے وہ لوگ حلقے بنا کر بیہودہ باتوں کے ذریعہ وقت گزاری کرتے ہیں' ایسے لوگوں پر وہ روایت صادق آتی ہے جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے باب " مَنْ قَعَدَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ مَجْلِس وَ مَنْ رَاَىَ فُرْجَةً فِيْ الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيْهَا (اس شخص کا باب جو جہاں جگہ پائے بیٹھ جائے اور جو حلقہ میں کوئی خالی جگہ دیکھے وہاں بیٹھ جائے) میں ذکر کیا ہے' اس میں وارد ہے کہ ابوواقد لیثی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے' صحابہ بھی موجود تھے' اسی اثناء میں تین آدمی آئے' دو رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے اور ایک آدمی واپس ہو گیا' دونوں افراد میں سے ایک حلقہ کی ایک خالی جگہ میں بیٹھ گیا اور دوسرا پیچھے بیٹھ گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تمہیں تینوں افراد کے بارے میں بتاتا ہوں' ایک نے اللہ سے جگہ مانگی تو اسے اللہ نے جگہ دے دی' دوسرے کو حیا آ گئی تو اللہ کو بھی اس سے حیا معلوم ہوئی' اور تیسرے نے اعراض کیا تو اللہ نے بھی اس سے اعراض کیا۔

فتح الباری میں مذکور ہے کہ اس حدیث سے علمی مجلسوں کے حلقہ کا استحباب ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی کہ علمی مجلسوں میں باادب رہنا چاہیے اور جو خلاء ہو اسے پر کرنا چاہئے' اسی طرح حدیث سے ان لوگوں کی تعریف نکلتی ہے جو بھلائی کی طلب میں دوسروں کے ساتھ نکلتے ہیں' یہ بھی نکلتا ہے کہ زجر و توبیخ کے لئے گنہگاروں کے حالات سے متعلق بتلایا جا سکتا ہے' اور یہ کہ حیاء کرنے والا قابل تعریف ہے۔ مجلس میں جہاں جگہ جہاں ملے بیٹھ جانا چاہئے۔ علمی حلقوں کی حاضری اور عالم کا مسجد میں بیٹھنا باعث فضیلت ہے۔ انتہیٰ

یہ بات مخفی نہیں کہ علم کی اشاعت کے لئے عالم کا بیٹھنا عوام کے لئے بہت

بڑی نعمت ہے۔ ان کا فرض تو یہ ہے کہ نفع بخش علم کے لئے دور دراز کا سفر کریں' لیکن اگر کوئی علم سکھانے والا ان کے پاس موجود ہو اور وہ علم سیکھنے سے منہ پھیریں تو یہ بے حد بد بختی اور بد قسمتی کی دلیل ہے۔ قرون اولیٰ میں لوگ ایک حدیث کو سیکھنے کے لئے مہینہ بھر تک سفر کرتے تھے اور آج احادیث اور حکمت کی باتوں کا بازار سب سے زیادہ سونا پڑا ہے۔ لوگ نفسانی خواہشات کے پیچھے وعظ و نصیحت سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۵۔ عید کا خطبہ سننے سے اعراض کرنا

عوام دین کے مقاصد سے ناواقف اور شریعت کے اسرار و رموز سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ عید کی نماز کے بعد اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور خطبہ سننے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ حالانکہ خطبہ سننا نماز کا تتمہ ہے۔ بلکہ اس کا نتیجہ و حاصل ہے۔ کیونکہ خطبہ میں زبانی نصیحت ہوتی ہے اور نماز میں قلبی۔ ایسے لوگ خطبہ سے اس لئے اعراض نہیں کرتے کہ امام خطبہ کے مقام و آداب سے ناواقف ہوتا ہے' نہ ان کا عذر ہے کہ وہ خطبوں کو سمجھ نہیں پاتے اور ان سے انہیں قانون قدرت کو سمجھنے میں مدد نہیں ملتی' بلکہ ان کے اعراض کا واحد سبب یہ ہے کہ وہ جلد از جلد بیہودگی و غفلت کی سابقہ حالت کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں' ورنہ خطبے عام طور پر مفید ہوتے ہیں' ان کے اندر آیتوں اور حدیثوں کی تلاوت ہوتی ہے جنہیں سننا یقیناً باعث ثواب ہے' ان سے انسان کے اندر خشوع اور انابت پیدا ہوتی ہے اس لئے عامی شخص کو چاہئے کہ وہ خلاف ورزی کرتے ہوئے اللہ سے ڈرے اور دینی علم و تفقہ کے ذریعہ نجات طلب کرے' دین ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

۶۔ مسجد کی علمی مجلسوں کو چھوڑ کر نفل نمازمیں مصروف رہنا

سیوطی نے اپنی کتاب "الامر بالاتباع والنہی عن الابتداع" میں لکھا ہے کہ نو ایجاد کاموں میں ایک کام یہ ہے کہ جہالت کے باوجود علمی مجلسوں کو چھوڑ کر نفل عبادت میں انسان مصروف رہے' یہ ایک ایسی غلطی ہے کہ جس سے بندہ بہت سی مخالف شریعت آفتوں کا شکار ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ تلقین فرمائی ہے کہ:

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ: ۱۱۴)

آپ کہئے کہ اے رب! میرا علم زیادہ کر۔

اس آیت میں علم کی زیادتی کو طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے حضرت موسیٰ اور خضر علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت موسیٰ کا یہ قول منقول ہے کہ:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (سورہ کہف: ٦٦)

کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط پر کہ جو کچھ اللہ نے آپ کو دیا ہے اس میں سے مجھے بھی سکھائیے۔

انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلیٰ قسم کی تعلیم دی جاتی ہے اور ان کی مدد کی جاتی ہے لیکن اس کے بعد بھی انہیں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ مزید علم کی طلب رکھیں' اس کا سبب یہ ہے کہ علم کی کوئی انتہاء نہیں' ہر شخص مزید علم کا محتاج رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ (التوبہ: ۱۲۲)

پس کیوں نہ ہر ایک قوم سے چند آدمی نکلیں تاکہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب اپنی قوم میں جائیں تو انکو سمجھائیں تاکہ وہ بھی بچتے رہیں۔

امام ترمذی نے حضرت ابوامامہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے دو اشخاص کا ذکر ہوا' ایک عابد تھا اور دوسرا عالم' آپ نے فرمایا:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ۔ [1]

عابد پر عالم کو ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے تمہارے ادنیٰ شخص پر۔

صحیحین میں حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔

اللہ تعالیٰ جس کا بھلا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے۔

ترمذی نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ:

كَلِمَةُ الْحَقِّ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا۔ [2]

حق بات مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے' وہ جہاں ملے اسی کا حق ہے۔

ایک شخص سہل بن عبداللہ تستری کے پاس دوات و کتاب لے کر آیا اور سہل سے کہا کہ میں ایسی تحریر لکھنا چاہتا ہوں جس سے اللہ مجھے فائدہ پہنچائے۔ انہوں نے کہا کہ لکھو: اگر تم اس حال میں اللہ تعالیٰ سے مل سکو کہ تمہارے ہاتھ میں دوات ہو تو ایسا ہی کرو۔"

سہل ہی کا قول ہے کہ میں نے جراح بن عبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "اللہ تک پہنچنے کے علم سے افضل کوئی راستہ نہیں' اگر علم کی راہ سے قدم بھر بھٹکو گے تو چالیس دن تک جہالت کی راہ میں بھٹکنا پڑے گا۔ خلاصہ یہ کہ علم سیکھنا فرض ہے' اور علم و علماء سے دوری جہالت کے تسلط کو مضبوط بناتی ہے۔

---

[1] یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ میں نے "تخریج المشکوۃ" (۲۱۳) میں واضح کیا ہے۔

[2] یہ ضعیف حدیث ہے خود امام ترمذی نے اسے ضعیف کہا ہے' اس کی سند بہت ضعیف ہے' ملاحظہ ہو سابقہ ماخذ اور شاید حکمت کا لفظ محرف ہو کر حق ہو گیا ہے کیونکہ ترمذی میں "الکلمۃ الحکمۃ" ہے۔

۷- تلاوت قرآن میں عجلت

بعض مسجدوں میں ایسے حفاظ دیکھنے میں آتے ہیں جو آہستہ یا بلند آواز سے غیر معمولی تیزی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ انہیں آداب تلاوت کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ امام غزالی نے احیاء العلوم کے باب المغرورین میں اس پر تنبیہہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "کچھ لوگ تلاوت قرآن کے سلسلہ میں دھوکہ میں ہیں' بہت تیزی اور بے احتیاطی کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں' بسا اوقات چوبیس گھنٹے میں ایک ختم کر لیتے ہیں' زبان پر قرآن کی آیتیں ہوتی ہیں لیکن دل خواہشات کی وادی میں بھٹکتا ہے' آیات پر غور و فکر کر کے تنبیہات پر متنبہ نہیں ہوتے' مواعظ سے نصیحت نہیں حاصل کرتے' اوامر ونواہی پر غور نہیں کرتے اور عبرت آموز مقامات سے عبرت نہیں سیکھتے' یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن غفلت میں گنگنانے کے لئے اتارا گیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے اپنے غلام کو ایک تحریر لکھ کر دی اور یہ نصیحت کی کہ اس کے احکام پر عمل کرو اور نواہی سے پرہیز کرو' لیکن غلام نے نہ تو اس کو سمجھا نہ اس پر عمل کیا بلکہ اس کو یاد کر لیا اور اچھی آواز سے روزانہ سو مرتبہ پڑھنے لگا' ظاہر ہے کہ ایسا غلام اپنے مالک کا نافرمان تصور کیا جائے گا اور سزا کا مستحق ہو گا خواہ اپنے تئیں وہ یہ سمجھتا رہے کہ وہ مالک کے مدعا کو پورا کر رہا ہے۔ تلاوت قرآن کا مقصد اس کا حفظ ہے اور حفظ سے معنی مقصود ہے اور معنی سے عمل' تاکہ اس سے انسان کو فائدہ حاصل ہو سکے۔ اگر کسی کی آواز اچھی ہو اور تلاوت سے اسے اور سننے والوں کو لذت حاصل ہو اور یہ تصور ہو کہ یہ اللہ سے مناجات کی لذت ہے' تو یہ بھی دھوکہ ہے' یہ لذت اصل میں آواز کی ہے' ایسا شخص اگر کوئی شعر وغیرہ بھی پڑھے گا تو وہی لذت حاصل ہو گی۔ ایسا کرنے والا فریب خوردہ ہے' اپنے دل کا جائزہ لے کر اس نے یہ نہیں سمجھنے کی کوشش کی کہ قرآن سے جو لذت اسے مل رہی ہے وہ اس کے نظم و معنی کے لحاظ سے مل رہی ہے یا کسی اور

طرح؟ انتہیٰ

۸۔ مسجد میں غلط طور پر قرآن پڑھنے والے

امام غزالی نے احیاء العلوم میں منکرات مسجد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایک منکر امر یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا غلط قرآن پڑھے۔ ایسے شخص کو غلطی سے روکنا چاہیۓ اور صحیح طور پڑھنے کا طریقہ بتانا چاہیۓ۔ اگر مسجد میں اعتکاف میں بیٹھنے والا شخص نفل نماز اور ذکر چھوڑ کر اپنا زیادہ تر وقت اس طرح کے کاموں میں صرف کرتا ہے تو اس کے لئے یہ بہتر ہے کیونکہ یہ فرض ہے اور اس کا فائدہ دوسرے شخص کو بھی پہنچے گا۔ اس لئے اگر قرأت کی تصحیح میں اتنا وقت لگ جائے کہ معتکف اپنی روزی کا سامان نہ کر سکے اور اس کو کہیں سے کھانے پینے کا سامان نہ مل سکے تو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ہمہ وقت قرأت کی تصحیح میں لگا رہے' لیکن اگر کھانے پینے کا انتظام ممکن ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرات کی تصحیح کرے اور ثواب کا مستحق بنے۔

تلاوت میں غلطی کرنے والا شخص اگر سیکھنے پر قادر ہو اور اس سے پہلے قرأت سے رک جائے تو وہ گناہ گار ہوگا' اگر قرأت میں زبان اس کا ساتھ نہ دے سکے۔ اور غلطی زیادہ ہوتی ہو تو اسے قرأت چھوڑ کر صحیح سورہ فاتحہ سیکھ لینا چاہیۓ اور اگر زیادہ تر صحیح تلاوت کرتا ہو اور مکمل اصلاح نہ کر سکتا ہو تو اس کے لئے قرات میں کوئی حرج نہیں لیکن اسے آہستہ پڑھنا چاہیۓ تاکہ دوسرے نہ سن سکیں۔ امام غزالی نے آگے لکھا ہے کہ واعظوں کے سامنے کھینچ کر لحن سے اس طرح قرآن پڑھنا کہ اس کا نظم بدل جائے اور ترتیل کی حد سے تجاوز ہو جائے انتہائی مکروہ و منکر ہے' اسے علماء سلف کی ایک جماعت نے ناپسند کیا ہے۔ انتہیٰ

۹۔ سال کی پہلی اور آخری رات کی دعاء

بعض مسجدوں میں عوام اپنے ائمہ سے سال کی پہلی اور آخری رات کی دعاء

پڑھنے کا مطالبہ کرتے ہیں' یہ دعاء من گھڑت ہے' نبی ﷺ' صحابہ یا تابعین سے منقول نہیں اور نہ کسی حدیث کی کتاب میں مروی ہے۔ اسے بعض جعلی شیخ و فقیر نے ایجاد کیا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض خطیبوں نے اسے خطبات کی کتاب میں شامل کر دیا ہے' نااہل خطیبوں میں سے جو بھی اسے پڑھتا ہے یہ سمجھتا ہے کہ یہ صحیحین میں مروی ہے۔ اس دعاء کے موجد کا اللہ اور رسول ﷺ پر یہ عظیم بہتان ہے کہ شیطان اس دعاء کے پڑھنے والے کے بارے میں افسوس سے یہ کہتا ہے کہ اس شخص کے پیچھے ہم پورے سال تھکتے رہے لیکن اس نے ایک گھڑی میں ہماری پوری محنت کو رائیگاں کر دیا یہ بے حد افسوس ناک بات ہے' فریب دہی اور گناہ کی جرأت پیدا کرنے کی اس سے بڑی جرأت اور کیا ہوگی؟ جو لوگ خیر سمجھ کر اس دعاء کو قبول کر لیتے ہیں ان پر اور زیادہ تعجب ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو العزبن عبدالسلام کا وہ قول پڑھنا چاہئے جس کو ابو شامہ نے نقل کیا ہے۔

(اس بحث کا تتمہ ابو شامہ کی کتاب "الباعث" میں ملاحظہ ہو)

تیسری فصل

مؤذنوں کے بیان میں

۱۔ اذان و اقامت کے آداب

بعض مسجدوں میں اذان و اقامت کے آداب کا لحاظ نہیں رکھا جاتا' حالانکہ نماز میں ان کی اہمیت مخفی نہیں' اکثر ائمہ کے مطابق یہ دونوں چیزیں فرض کفایہ ہیں۔ اس لئے ان کے آداب کی معرفت ضروری ہے اس سے اذان و اقامت کہنے والے کو بصیرت حاصل ہو جائے گی۔ اقناع' اس کی شرح اور در مختار میں درج ذیل توضیح ہے۔

اذان کے آداب

۱۔ مؤذن کو بلند آواز ہونا چاہئے' اس سے سب کو بخوبی اطلاع ہو سکے گی۔

۲۔ اس کی آواز اچھی ہو تاکہ سننے والے متاثر ہوں۔

۳۔ امانتدار ہو' کیونکہ نماز جیسی اہم عبادت میں اس پر اعتماد کرنا ہوگا۔

۴۔ اوقات نماز کو جانتا ہو' تاکہ اول وقت میں اذان دے سکے۔

۵۔ اذان کے الفاظ کو ترتیل کے ساتھ ادا کرے اور ہر جملے پر ٹھہرے' کیونکہ ابن رشد کے مطابق سلف اور خلف سے وقف کی مخالفت ثابت نہیں۔

۶۔ بلند جگہ پر کھڑا ہو کر اذان دے تاکہ سب لوگ سن لیں۔[1]

۷۔ حدث اصغر اور اکبر دونوں سے پاک ہو' کیونکہ جنبی اور محدث کی اذان مکروہ ہے۔

۸۔ اس کا بدن اور کپڑا نجاست سے پاک ہو۔

اقامت کے آداب

۱۔ مسنون یہ ہے کہ اقامت جلدی جلدی کہے۔

۲۔ اذان کی طرح ہر جملے پر وقف بھی کرے۔

۳۔ جو اذان دے وہی اقامت بھی کہے۔[2]

---

[1] میرا قول ہے کہ یہی سنت بھی ہے جیسا کہ انصاری کی حدیث میں مذکور رہے جنہوں نے خواب میں اذان کے کلمات سکھانے والے کو دیکھا کہ وہ اونچی جگہ پر کھڑا ہے' آج کل لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے لوگ اونچی جگہ کھڑے نہیں ہوتے' لیکن یہ سنت کے خلاف ہے' مناسب یہ ہے کہ اونچی جگہ سے اذان دیں تاکہ ان کی شکل ظاہر ہو' اگر لاؤڈ سپیکر ہو تو بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (ناصرالدین)

[2] میں کہتا ہوں کہ لیکن "مَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ" والی حدیث ضعیف الاسناد ہے' جیسا کہ میں نے "الضعیفۃ" (۳۵) میں بیان کیا ہے۔

۲۔ اذان کے کچھ فروعی مسائل

❶ کوئی بھی باشعور شخص اذان دے سکتا ہے۔

❷ مقررہ مؤذن کے علاوہ دوسرے کا بغیر اجازت اذان دینا حرام ہے۔ البتہ اگر اذان کا وقت نکل رہا ہو تو امام وغیرہ اذان دے سکتے ہیں۔

❸ اذان کے اول یا آخر میں کسی حرف' حرکت یا مد وغیرہ کا اضافہ کر کے نغمہ پیدا کرنا یا آواز کو کاٹنا اور کپکپانا جائز نہیں۔

❹ اذان و اقامت کے دوران طویل خاموشی' جائز بات چیت' یا سب و شتم سے وہ دونوں باطل ہو جاتی ہیں۔

❺ وقت سے پہلے ہونے والی اذان کافی نہیں' البتہ فجر کی اذان آدھی رات کے بعد صحیح ہے۔

❻ اقامت کے لئے مؤذن کو اتنا انتظار کرنا چاہئے کہ روزانہ کے پابند مصلی پہنچ جائیں۔ "البحر الرائق" میں مذکور ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان چالیس آیت پڑھنے کی مقدار وقفہ ہونا چاہئے۔

❼ مؤذن کا جواب دینا مسنون ہے۔ ہر کلمہ کے جواب میں وہی کلمہ کہا جائے گا' البتہ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہا جائے گا۔

❽ اذان سے فراغت کے بعد مؤذن اور سامع دونوں کو یہ دعا پڑھنا چاہئے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِىْ وَعَدْتَه۔[1]

---

[1] بخاری وغیرہ کی حدیث میں اسی طرح وارد ہے' اس میں "الدرجة الرفيعة" اور آخر میں "اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" کا اضافہ بدعت ہے۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو مذکورہ حدیث کی ہماری تخریج "التوسل والوسيلة" اور فضل الصلوة علی النبی" میں۔

⑨ جس پر نماز فرض ہو اس کا اذان کے بعد مسجد سے جانا حرام ہے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو یا فوراً ہی واپس آنا ہو تو جا سکتا ہے۔

⑩ البجیرمی نے "الاقناع" کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ان غلطیوں سے بچنا چاہئے جو اذان کو باطل کر دیتی ہیں اور بعض کو قصداً کرنے سے کفر لازم آتا ہے مثلاً "اکبر" کے ب یا ہمزہ کو "اشھد" کے ہمزہ کو یا "اللہ" کے الف کو حد سے زیادہ کھینچنا "الصلوۃ" کے ہاء کا تلفظ نہ کرنا۔ اگر اس طرح کی تبدیلی سے معنی میں تبدیلی ہو جائے یا کسی ممنوع صورت کا وہم پیدا ہو تو یہ حرام ہے۔ انتہیٰ

امام ابن زورق نے اپنی کتاب "عمدۃ المرید فی البدع" میں مؤذنوں کی غلطیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک غلطی یہ ہے کہ مؤذن "الصلوۃ" کی ہاء اور "الفلاح" کی حاء کو حذف کر دیتے ہیں' اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خوش الحانی اور طرب پیدا کریں' حالانکہ اس سے اذان کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ خطیب کے سامنے دو اذانیں بدعت ہیں' بعض مسجدوں میں یہ دستور ہے کہ ایک مؤذن منبر کے سامنے اور دوسرا بلند منبر پر کھڑا ہوتا ہے' پہلا شخص اذان کے الفاظ کو آہستہ آہستہ اور دوسرا بلند آواز سے کہتا ہے۔ خطیب کے سامنے صرف ایک اذان کا ثبوت ہے' مؤذن یا تو منبر کے سامنے کھڑا ہو یا اس اونچی جگہ پر جو اذان کے لئے بنائی گئی ہے۔

۱۲۔ جنازہ کی اذان نہیں ہے۔ یہ کام بھی بہت غلط ہے کہ جنازہ کی نماز کے وقت اشعار پڑھے جائیں اور مصنوعی اوصاف و محاسن کا ذکر کیا جائے۔ انتہیٰ۔

۱۳۔ دور کے مقتدیوں تک آواز پہنچانے کے لئے اجتماعی طور پر تکبیر کہنا بدعت ہے۔

امام ابن الحاج نے لکھا ہے کہ اس سے نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے' بعض لوگوں کی چیخ سے خشوع و خضوع اور وقار و سکون ختم ہو جاتا ہے۔

۱۴۔ مؤذن کے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہنے کے وقت شہادت کی انگلیوں

سے دونوں آنکھوں کو چھونے کی جو حدیث مسند الفردوس میں دیلمی نے حضرت ابو بکرؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے اس کے بارے میں ابن طاہر نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ صحیح نہیں ہے' یہی "الفوائد المجموعۃ" میں بھی مذکور ہے۔[1]

۳۔ مغرب و عشاء میں مناروں کی اذان کے علاوہ مسجد کے اندر اذان

بعض اماموں کا خیال ہے کہ بڑی مسجدوں کے مناروں پر جماعت کی اذان سے سنت نہیں ادا ہوتی' کیونکہ یہ بدعت ہے' وہ مغرب و عشاء میں اقامت سے پہلے اذان کا حکم دیتے ہیں۔ معلوم نہیں ظہر و عصر میں ایسا کیوں نہیں کرتے؟ میرے خیال میں اذان کا مقصد چونکہ آگاہی ہے' اس لئے کسی بڑے محلہ میں اگر دو مؤذنوں کی ضرورت ہو تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں' یہ اذان صحیح ہوگی اور اعلان و اطلاع کی سنت اس سے ادا ہو جائے گی الاقناع میں مذکور ہے کہ: اگر ایک شخص کی اذان سے اطلاع کا مقصد حاصل نہ ہو تو ضرورت کے مطابق اضافہ ہو سکتا ہے' ہر ایک دوسرے کے پہلو میں ہو یا ایک ہی جگہ سے سب ایک دفعہ اذان دیں۔ انتہیٰ۔

ہاں کسی کی آواز سن کر شروع کرنا' جو حصہ چھوٹ گیا ہے اسے چھوڑ دینا' بعض کا آدھے کلمہ سے اذان دینا اور اللہ کے لفظ کو کاٹ دینا فن ادائیگی سے ناواقفیت ہے' ابن الحاج وغیرہ نے اسی لئے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ اس لئے مؤذن کو چاہیئے کہ وہ مسنون طریقہ سیکھ لے یا سننے والے اسے بتا دیں۔ مغرب و عشاء سے پہلے کسی مؤذن کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ منارہ کی اذان سے فراغت کے بعد نماز شروع کی جائے۔ امام ابن الحاج نے "المدخل" میں مسجد کے اندر کی اذان کو درج ذیل وجوہ سے مکروہ بتایا ہے۔

---

[1] مزید ملاحظہ ہو "سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ" (۷۳)۔ ناصرالدین۔

اول یہ کہ گذشتہ قابل اتباع لوگوں نے اسے نہیں کیا ہے۔

دوم یہ کہ اذان لوگوں کو مسجد میں بلانے کے لئے دی جاتی ہے۔ اور جو لوگ اس میں موجود ہوں ان کو بلانا صحیح نہیں' اور اس اذان کو گھر والے نہیں سن سکتے۔

سوم یہ کہ اس اذان سے نفل پڑھنے اور ذکر کرنے والوں کو خلل ہوتا ہے۔

اس بدعت سے دوسری بدعتیں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ دیکھئے مسجدوں میں اذان کی ایجاد سے یہ ہوتا ہے کہ عوام اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ جس کی سمجھ میں آتا ہے وہ کھڑا ہو کر اپنی جگہ میں اذان دینے لگتا ہے۔

۴۔ شرعی اذان میں اضافہ اور تنعیم کی بدعت

حنبلی مذہب کی کتاب "شرح العمدہ" میں لکھا ہے کہ اذان سے قبل مؤذن کا

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا۔ (الاسراء:۱۱۱)

تعریف ہے اس اللہ کے لئے جس نے کوئی اولاد نہیں بنائی۔

کہنا مکروہ ہے' اسی طرح اس کے ساتھ کوئی اور ذکر ملانا بدعت ہے۔ اقامت سے پہلے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہنا مکروہ ہے۔ الاقناع اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ فجر سے پہلے اذان کے علاوہ تسبیح' ترانہ' اور بلند آواز سے دعاء وغیرہ مسنون نہیں ہے۔ کسی عالم نے بھی ان چیزوں کو مستحب نہیں کہا ہے بلکہ مکروہ بدعتوں میں شمار کیا ہے کیونکہ نبی ﷺ اور صحابہ کے عہد میں ان کا وجود نہ تھا' اس دور کی کسی اصل کی جانب ان چیزوں کو نہیں لوٹایا جاسکتا' اس لئے کسی کو ان کا حکم دینا یا ان کے ترک پر ملامت کرنا جائز نہیں۔ عبدالرحمٰن بن الجوزی نے اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" میں لکھا ہے کہ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ مسجد کے منارہ پر رات کو کھڑے ہو کر بلند آواز سے وعظ اور ذکر و تلاوت کرتے ہیں جس سے سونے والوں کو تکلیف ہوتی ہے اور تہجد پڑھنے والوں کو خلل ہوتا ہے یہ سب ناپسندیدہ فعل ہے' ابن الحاج نے "المدخل" میں لکھا ہے کہ مؤذنوں نے رات کے وقت کی جو تسبیح ایجاد کی ہے اس

سے انہیں روکنا چاہیے' اللہ تعالیٰ کا ذکر بلاشبہ بہتر ہے۔ لیکن نبی ﷺ نے جن مقامات پر ذکر سے روکا نہیں ہے وہیں مستحسن ہو گا ہر موقع پر نہیں۔ ابن الحاج نے آگے لکھا ہے کہ رات کی تسبیح اذان کے مقصد تشریع کی مخالف ہے کیونکہ اذان کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو وقت کی اطلاع دی جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مؤذنوں نے جمعہ کے دن جو ذکر ایجاد کیا ہے اس سے بھی انہیں روکنا چاہیے کیونکہ اسے نہ تو نبی ﷺ نے کیا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے نہ سلف میں کسی نے اسے کیا ہے اسے قریب میں بعض حکام نے ایجاد کیا ہے' اذان میں غناء بھی انہی کی ایجاد ہے۔ امام ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ اذان کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کی بدعت مؤذنوں نے ایجاد کی ہے۔ پھر انہوں نے اس کے وجود کی تاریخ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جس کیفیت سے یہ کام کرتے ہیں وہ بدعت ہے۔ مؤرخین نے ۲۵۳ھ کے واقعات میں ذکر کیا ہے کہ مزاحم بن خاقان کے داروغہ ارجوز نے جمعہ کے دن مسجد کے پچھلے حصہ میں اذان کا حکم دیا تھا' اسی طرح حلقہ والوں کو نماز کی اقامت سے پہلے اس نے قبلہ کی طرف متوجہ ہونے اور بلند آواز سے بسم اللہ نہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ انتہیٰ

میں کہتا ہوں کہ اس طرح بعض مسجدوں میں تنعیم کی بدعت پائی جاتی ہے' یعنی عصر کے وقت سے تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے مسجد کے منارہ یا صحن سے بعض مؤذن بلند آواز کے ساتھ "نعم" کہتے ہیں' عین کو پوری قوت سے سانس بھر کھینچتے ہیں۔ اس بدعت کو ایجاد کرنے والے کا مقصد یہ ہے کہ ظہر کی نماز سے غافل لوگوں کو یہ بتا دیا جائے کہ عصر کا وقت قریب آگیا ہے۔ اس عادت سے بدعت کے علاوہ یہ خرابی ہے کہ اسی کے انتظار میں بہت سے لوگ ظہر کی نماز مؤخر کر دیتے ہیں۔ بحمد اللہ بعض مسجدوں سے یہ بدعت ختم ہو گئی ہے' لیکن ابھی بعض کے اندر موجود ہے۔

۵۔ فجر سے پہلے رمضان میں سحری میں جلدی کیلئے دوسری اذان

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں "تعجیل الافطار" کے باب میں لکھا ہے کہ اس زمانہ کی منکر بدعتوں میں سے یہ بدعت ہے کہ رمضان میں فجر سے تقریباً بیس منٹ پہلے دوسری اذان دی جائے اور ان روشنیوں کو گل کر دیا جائے جو روزہ رکھنے والوں کے لئے کھانے پینے سے رکنے کے لئے بطور علامت روشن کی جاتی ہیں۔ ایسا لوگ احتیاط کے خیال سے کرتے ہیں' اسی طرح افطار کے لئے غروب کے کچھ بعد اذان دیتے ہیں' اس سے سنت کی مخالفت اور افطار میں تاخیر ہو جاتی ہے' ان لوگوں میں اسی وجہ سے خیر کی کمی اور شر کی زیادتی ہو گئی ہے۔ انتہیٰ

میں کہتا ہوں کہ اسی کے مثل دمشق میں لوگوں کا یہ عمل ہے کہ سحری کی اذان کو کھینچتے ہیں آواز کو تھرتھراتے ہیں اور جملوں کے مابین دیر تک خاموش رہتے ہیں تاکہ مؤذن دیر تک اذان میں لگا رہے۔

چونکہ عام طور پر سحری کے لئے لوگوں کو دف بجا کر' دروازہ کھٹکھٹا کر یا توپ اور بندوق داغ کر متنبہ کیا جاتا ہے' ایسی صورت میں مذکورہ اذان دینے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی' صرف صبح صادق کے بعد ایک اذان ہونی چاہئے' میں نے .علبک میں دیکھا کہ لوگ رمضان اور غیر رمضان میں یہی ایک اذان دیتے ہیں' سلفیت سے یہی قریب تر ہے۔

ماہ رمضان کی ایک دوسری بدعت یہ ہے کہ مؤذن جب سحری کی اذان سے فارغ ہوتا ہے تو صبح صادق میں تقریباً پندرہ منٹ باقی رہتا ہے' مؤذن منارہ سے اتر کر مصلیوں کی آخری صف میں کسی سیڑھی یا منبر وغیرہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور مخصوص لے کے ساتھ نظم یا نثر میں "امۃ اخیر الانام" والا جملہ پڑھتا ہے' اس عبارت میں لوگوں کو رمضان کی راتوں کے غنیمت شمار کرنے کی ترغیب اور سحر کے وقت قیام کرنے والوں کی کامیابی کا ذکر ہوتا ہے یہ فعل بدعت ہے' خصوصاً ان لوگوں کی موجودگی میں

جو فجر کی نماز کے انتظار میں تہجد' ذکر اور تلاوت قرآن سے فراغت کے بعد بیٹھے رہتے ہیں۔ جن مسجدوں میں مؤذن کو مذکورہ عبارت یاد نہیں رہتی وہ درود وغیرہ پڑھتا ہے اور اس سے خلل پیدا ہوتا ہے۔ میں نے مختلف مسجدوں سے اس بدعت کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ معلوم نہیں پچھلے دور میں بااثر علماء نے ان بدعتوں کو مٹانے کی کوشش کیوں نہیں کی' ممکن ہے ان بدعتوں کے رواج کے وقت علماء کو اختیار نہ حاصل رہا ہو اور جو بااختیار اشخاص رہے ہوں ان کے اندر ان بدعتوں کی قباحت کو جاننے کے لئے بصیرت مفقود رہی ہو۔

٦- بعض مسجدوں میں وقت بتانے والے

دمشق کی اکثر بڑی مسجدوں میں وقت بتانے والے مقرر ہیں' واقف کی شرط کے مطابق ان کا کام یہ ہے کہ وقت کا فنی وسائل کی مدد سے جائزہ لیتے رہیں' اور وقت سے پہلے مسجد میں آجائیں' جب اذان کا وقت ہو جائے تو منارہ پر مؤذن کو اشارہ کر دیں تاکہ وہ اذان شروع کرے۔ ان کے کام کی حقیقت صرف اتنی ہے پچھلے دور میں جامع اموی میں یہی ہوتا تھا' وہاں پر جو لوگ مقرر تھے انہیں فلکیات کے فن سے واقفیت تھی اور وہ پوری مہارت سے وقت پہچانا کرتے تھے' لیکن اب یہ منصب محض رسماً باقی ہے' جو لوگ اس پر مقرر ہوتے ہیں انہیں اوقات شناسی سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا' مسجد کی تنخواہ سے وہ اپنا پیٹ پالتے ہیں' حالانکہ یہ انکے حق میں بے حد مضر ہے۔ اسی طرح مسجد میں تدریس کیلئے بھی کچھ ایسے لوگ مقرر ہو جاتے ہیں جن کے اندر اس کی صلاحیت نہیں ہوتی' اثر و رسوخ سے یا وراثتاً ان کا تقرر ہوتا ہے' ایسی روزی حرام ہے' جو لوگ اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر ادا نہیں کرتے انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرنا چاہئے اور عمل میں ایمانداری و اخلاص پیدا کرنا چاہئے۔

۷- مؤذن کی اقامت

فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مؤذن ہی اقامت کہے۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ

اقامت اذان کا تکملہ ہے' اس لئے وہ مؤذن ہی کا حق ہے' ممکن ہے کسی دوسرے کے اقامت کہنے سے اسے تکلیف ہو' اس کی بڑی حکمت یہ ہے کہ اس طرح آنے والوں کا انتظار ہو جاتا ہے اور جماعت مکمل ہو جاتی ہے' ورنہ اگر مؤذن کے منارہ سے اترنے سے پہلے ہی کوئی دوسرا شخص اقامت کہہ دے اور جماعت شروع ہو جائے تو بہت سے لوگوں کی پہلی یا اور بھی کوئی رکعت فوت ہو جائے گی۔ مزید برآں دوسرے کی اقامت سے عجلت کا ثبوت ملتا ہے۔

بہت سی مسجدوں میں مغرب اور عشاء کے وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ منارہ کی اذان ختم ہوتے ہی حاضرین میں سے کوئی محراب کے سامنے اذان اور اقامت کہہ دیتا ہے' جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ جن مسجدوں میں ایک ہی مؤذن ہوتا ہے ان میں کبھی کبھی مؤذن کا انتظار کئے بغیر دوسرا شخص اقامت کہہ دیتا ہے۔ لیکن بہتر اور مسنون یہ ہے کہ مؤذن کے منارہ سے اترنے کا انتظار کیا جائے اور وہ یا مؤذنوں میں سے کوئی ایک اقامت کہے' اس میں اطمینان و مہلت بھی ہے اور اور اس طرح کاروبار میں مصروف لوگوں کے انتظار کا موقع بھی مل جائے گا۔ نبی ﷺ نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا تھا کہ اے بلال ؓ! اذان و اقامت کے درمیان اتنا وقفہ رکھو کہ وضوء کرنے والا آسانی کے ساتھ وضو کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۱۳۲۴ھ میں میں نے جامع سنانیتہ سے مغرب و عشاء میں محراب والی اذان کو ختم کرا دیا' اب مؤذن منارہ سے اذان دے کر اترتا ہے تو اطمینان کے ساتھ لوگوں کے آلینے کے بعد اقامت شروع کرتا ہے۔

۸۔ اقامت کے الفاظ میں "سیدنا" کا اضافہ

بیت المقدس کے سفر کے دوران میں نے دیکھا کہ اقامت کہنے والا جو کبھی کبھی امامت بھی کرتا ہے' سیدنا کا لفظ بڑھا کر اَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہتا ہے۔ میں نے نماز کے بعد کہا کہ اقامت کے اندر یہ لفظ مشروع نہیں' اسے آپ

کیوں بڑھاتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس لفظ کے بارے میں بیت المقدس اور یافا کے علماء کے مابین اختلاف پیدا ہو گیا تھا' یعنی اسے کسی بدعتی نے ایجاد کیا تھا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اذان و اقامت کے جو الفاظ وارد ہیں' انہی پر اکتفاء مناسب ہے' اضافہ نہیں کرنا چاہئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے نام کے ساتھ "سیدنا" کا لفظ بڑھا لینا مستحب ہے۔ پھر یہ اختلاف شدید ہو گیا اور رسالہ بازی ہوئی' معاملہ تقریباً حد سے تجاوز کر چکا تھا' اب ہم مستحب کہنے والوں کی پیروی میں اس لفظ کو اقامت میں بڑھا لیتے ہیں تاکہ مزید قیل و قال ختم ہو جائے۔

میں نے کہا کہ میرے بھائی' اذان و اقامت کے الفاظ ماثور اور ذریعہ عبادت ہیں' انہیں خلف نے سلف سے تواتر کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ جملہ کتب حدیث میں موجود ہے' کسی صحابی' تابعی یا فقیہ سے مذکورہ لفظ کی زیادتی کا مستحب ہونا ثابت نہیں' فقہا کی کتابیں تمہارے سامنے موجود ہیں اور تم انہیں کے مقلد ہو' پھر یہ بدعت کیسی؟ مشروع کلمات میں چند الفاظ کا بڑھانا جن کا نبی ﷺ اور خلفاء راشدین سے ثبوت نہیں' نبی ﷺ کی تعظیم پر دلالت نہیں کرتا' کیونکہ ہر مقام کے لئے ایک مخصوص کلام ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے یا سیدنا اور ابن سیدنا کہہ کر مخاطب کرنے سے منع بھی فرمایا ہے' چنانچہ امام نسائی نے بسند جید حضرت انس؄ سے روایت کیا ہے۔ کہ کچھ لوگوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ' یا خَیْرَنَا وَ اِبْنَ خَیْرِنَا وَ سَیِّدَنَا وَ اِبْنَ سَیِّدِنَا اس پر نبی ﷺ نے فرمایا:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا بِقَوْلِكُمْ وَلَا يَستَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ' اَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُاللّٰهِ وَ رَسُوْلُهٗ' مَا اُحِبُّ اَنْ تَرْفَعُوْا فِيْ فَوْقَ مَنْزِلَتِيَ الَّتِيْ اَنْزَلَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔ [1]

---

[1] صحیح حدیث ہے' اسے احمد (۳:۱۵۳' ۲۴۱' ۲۴۹) نے مسلم کی شرط کے مطابق بسند صحیح انس سے روایت کیا ہے۔

"لوگو! تم اپنی بات کہو' شیطان تمہیں بہکا نہ سکے' میں محمد' اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں' میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم مجھ کو اس مرتبہ سے اوپر اٹھاؤ جس پر اللہ عزوجل نے رکھا ہے۔"

ابوداؤد نے بسند جید عبداللہ بن شخیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بتایا کہ میں بنی عامر کے وفد کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس گیا تو ہم نے آپ کو کہا:

اَنْتَ سَيِّدُنَا (آپ ہمارے مالک ہیں) تو آپؐ نے فرمایا: اَلسَّيِّدُاللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی (مالک اللہ تعالیٰ ہے)[1]

اس کے باوجود ظاہریہ کی طرح ہم اس لفظ کے استعمال کو ممنوع نہیں سمجھتے۔ بدائع الفوائد کے مطابق امام مالک سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں میں فرمایا کہ:

اِنَّ اِبْنِیْ هٰذَا سَيِّدٌ۔[2]

میرا یہ نواسہ سید ہے۔

جب سعد بن معاذ آئے تو آپؐ نے انصار سے کہا کہ:

قُوْمُوْا لِسَيِّدِكُمْ۔[3]

اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

---

[1] یہ حدیث صحیح ہے' اسے ابوداؤد نے کتاب الادب میں' احمد نے مسند (۴:۲۴' ۲۵) میں ابن السنی نے "عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ" (۳۸۱) میں اور ضیاء الدین نے "المختارة" (۵۸:۱۸۱' ۲) میں عبداللہ بن شخیر سے مرفوعاً روایت کیا ہے' اس کے اسناد صحیح اور صحیحین کی شرط کے مطابق ہے۔

[2] صحیح حدیث ہے' اسے بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "الارواء" (۱۵۹۶)

[3] متاخرین کے یہاں اسی طرح مشہور ہے' اورانہوں نے اس سے آنے والے کی خاطر قیام پر استدلال کیا ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں' حدیث کے محفوظ الفاظ اس طرح ہیں "اِلٰی سَيِّدِكُمْ" جیسا کہ بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو "الاحادیث" (۶۷)

نبی ﷺ تو سید السادات (سرداروں کے سردار) اور خیر البشر ہیں۔ رہی مشروع الفاظ کی بحث تو مجھے معلوم نہیں کہ کوئی اس کے استحباب کا قائل ہے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کا ایک فتوی ہے جس میں سوال کیا گیا ہے کہ درود ابراہیمی میں "سیدنا" کا لفظ بڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے جواب میں لکھا ہے کہ ماثورہ کلمات میں اضافہ جائز نہیں' غیر ماثورہ میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس فتوی کو میں نے اربعین عجلونیہ کی شرح میں ذکر کیا ہے' اسے ملاحظہ کریں۔[1]

خلاصہ یہ کہ اتباع بدعت نکالنے سے بہتر ہے۔ بعض نقلی فقیہوں کا یہ قول تعجب انگیز ہے کہ چونکہ اس میں نبی ﷺ کی تعظیم ہے اس لئے اس کو ذکر کرنا چاہیے۔ ہمارا سوال ہے کہ کیا تم لوگ نبی ﷺ کی تعظیم حضرت ابوبکر و عمر' عثمان و علی وغیرہ سے زیادہ کرتے ہو؟ ان کی اذان کے الفاظ کو بے شمار راویوں نے نقل کیا ہے' کسی میں سیدنا کا اضافہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ تعظیم کے معنی نہیں سمجھتے۔ آپؐ کی تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے طریقہ کی پیروی بلا کسی کمی' زیادتی' یا بلا بدعت و انحراف کی جائے۔ القاب و آداب کا اضافہ چونکہ عجمیوں کا دستور تھا اس لئے نبی ﷺ اس سے منع فرماتے تھے' اللہ ہمیں جہالت مذہبی اور سنت نبوی کی مخالفت سے محفوظ رکھے۔

۹۔ نمازوں کے بعد بلند آواز سے آمین کہنا اور ماثور ورد کو چھوڑ کر درود کمالی پڑھنا

بعض مسجدوں میں جب امام عصر کی نماز کا سلام پھیرتا ہے تو مؤذن چلا کر آمین کہتا ہے اور دعاء پڑھتا ہے۔ اور بعض مسجدوں میں جب امام سلام پھیرتا ہے تو

---

[1] مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری کتاب "صفتہ صلوٰۃ النبی" ص ۱۵۸' ۱۶۲) (ناصرالدین)

مقتدی بلند آواز سے درود کمالی پڑھتے ہیں۔ یہ سنت کے خلاف ہے کیونکہ مسنون یہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ہر شخص آہستہ آہستہ ماثور اوراد پڑھے' اسی طرح دعاء کے آداب میں ہے کہ آہستہ دعاء کی جائے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً۔ (الاعراف:۵۵)

اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی کے ساتھ پکارو۔

لیکن یہ لوگ تضرع و آہستگی کے بجائے شور و شغب کرتے ہیں' امام ترمذی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب فئے کو مال' امانت کو غنیمت' اور زکوۃ کو تاوان سمجھ لیا جائے' دین کے علاوہ دوسرے مقصد کے لئے علم سیکھا جائے' مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرے' باپ کو دور کر دے اور دوست کو قریب رکھے' مسجدوں میں آواز بلند ہو' فاسد آدمی قبیلہ کا سردار اور رذیل آدمی قوم کا زعیم بن جائے' شر کے ڈر سے مرد کی تعظیم کی جائے' لونڈیوں اور گانے بجانے کا ظہور ہو جائے شراب پی جائے اور امت کے پچھلے لوگ اگلوں پر لعنت بھیجیں' تو ایسے وقت میں سرخ آندھی' زلزلے' زمین میں دھنسانے' مسخ کرنے اور سنگسار کرنے کا انتظار کرو اور ایسی نشانیوں کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے ہار ٹوٹنے پر موتی گرتے ہیں۔[1]

اللہ کا بے پناہ شکر ہے کہ ۱۳۲۴ھ میں جامع سنانیہ سے عصر کے سلام کے بعد آمین کی بدعت کو دور کرنے میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی' ایک مصلی نے مجھے نماز کے بعد بتایا کہ جب ایک شخص نے چلا کر آمین پکارا تو وہ سجدہ میں جانے لگا اور رکوع بھول گیا' ایک دن پہلے میرے پاس بیروت کے ایک عالم آئے تھے' عصر کی نماز کے بعد اس آمین سے انہیں گھبراہٹ ہوئی' اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے بڑے مؤذن سے بات کی اور کہا کہ مسجد کے امام اور مؤذنوں کو شریعت کی مخالف

---

[1] یہ حدیث ضعیف ہے' ملاحظہ ہو "الضعیفۃ" (۱۷۲۷) اور "المشکوۃ" (۵۴۵)

چیزوں کو ختم کر کے ملامت سے بچنا چاہئے' یہاں پر سب کے سب ایک عضو کی حیثیت رکھتے ہیں' اس لئے مفید امور میں تعاون ہونا چاہئے۔ بلند آواز سے آمین بولنے کی اکثر نے شکایت کی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ پھر ہم آہستہ آمین بولیں' میں نے کہا کہ اس چیز کو یکدم ختم کر دینا بہتر ہے یہ سن کر وہ مان گیا اور سب کو آمین چھوڑ دینے کا حکم دے دیا' پھر میں نے ان کو اس اطاعت کی فضیلت بتائی اور کہا کہ جس چیز کا ممنوع ہونا ثابت ہو جائے اسے چھوڑ دینا چاہئے۔

۱۰۔ خطبہ جمعہ سے پہلے شعر خوانی

مسجدوں میں منبر کے مقابل چبوترے پر مؤذن اکٹھا ہو کر حلقہ بنا لیتے ہیں اور خطیب کے منبر پر چڑھنے سے پہلے چیخ چیخ کر درود پڑھتے ہیں' اور خطیب کے منبر پر چڑھنے کے بعد تین درود پڑھتے ہیں اور "وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ" کے جملہ پر بے حد زور سے چیختے ہیں۔ بیروت کی بعض مسجدوں میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی آواز اچھی ہو' نعت پڑھتا ہے' یہ بے سود عمل ہے' سنت یہ ہے کہ امام کے منبر کی جانب جانے کے وقت کوئی شور و شغب نہ ہو' جب وہ منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن کھڑا ہو کر اذان دے۔

کاش کوئی ایسا شخص پیدا ہو جائے جو ان جاہل مؤذنوں کو ایسی حرکتوں سے روکے۔

۱۱۔ اجتماعی طور پر مؤذنوں کا تکبیر پکارنا

امام ابن الحاج نے "المدخل" میں اس بدعت کے ممنوعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ اذان دینے والے تکبیر میں دوسروں پر بھروسہ کر لیتے ہیں اسے کاٹتے اور جوڑتے ہیں' مثلاً ایک شخص اذان شروع کرتا ہے' پھر دوسرا شخص لفظ کے درمیان سے اپنی آواز ملا کر اسے بہت زیادہ اونچی کرتا ہے' اس طرح تکبیر صحیح طور پر ادا نہیں ہوتی۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ ان کی چیخ و پکار سے خشوع و خضوع اور وقار و سکون ختم ہو جاتا ہے۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ امام کو ان کا انتظار کرنا پڑتا ہے' مثلاً امام رکوع کے لئے تکبیر کہتا ہے اور رکوع میں چلا جاتا ہے' اس کے بعد مکبر تکبیر کہتے ہوئے اپنی آواز بلند کرتے ہیں اب یا تو ان کی تکبیر ختم ہونے سے پہلے امام رکوع سے اٹھ جائے یا پھر ان کے تکبیر ختم کرنے کا انتظار کرے' دونوں صورتوں میں امام مقتدیوں کا تابع بن جاتا ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ یہ عمل سنت کے مخالف ہے' کیونکہ مسجدوں میں اتنا بڑا مجمع نہیں ہوتا کہ ایک شخص کی آواز ان تک نہ پہنچ سکے' اگر کوئی اسے تسلیم نہ کرے تو اسے ضد پر محمول کیا جائے گا۔ انتہیٰ

۱۲۔ مخصوص نغموں سے تکبیر

تکبیر کا مقصد یہ ہے کہ امام کے پیچھے والے آواز سن لیں' اس کی اجازت اس لئے دی جاتی ہے کہ مصلیوں کی زیادتی کے وقت میں ہر شخص تک آواز نہیں پہنچ پاتی' ایسی صورت میں مکبر کو چاہئے کہ اپنی فطری آواز سے بلا تکلف تکبیر کہے اور آواز کو نہ تو کھینچے نہ اس میں کسی طرح کا نغمہ پیدا کرنے کی کوشش کرے' دمشق کی بعض بڑی مسجدوں میں مکبروں نے ہر رات کے لئے ایک مخصوص نغمہ متعین کر لیا ہے' یکشنبہ کے لئے صبا کا نغمہ' دو شنبہ کے لئے بیات کا' سہ شنبہ کے لئے نویٰ کا' چہار شنبہ کے لئے سیکاہ کا' پنجشنبہ کے لئے عراق کا' جمعہ کے لئے حجاز کا' اور شنبہ کے لئے راست کا۔ ان کی عادت ہے کہ ابتدائی دو رکعتوں کے لئے ہمیشہ راست کا نغمہ اختیار کرتے ہیں اور آخری دو رکعتوں کے لئے مذکورہ ترتیب کے مطابق نغمے اختیار کرتے ہیں' تراویح کے لئے عراق کا نغمہ اور وتر کے لئے عموماً بیات کا نغمہ ہوتا ہے۔

نئے مکبر اگر ان نغموں کو صحیح طور پر مقررہ دنوں کے لحاظ سے کہہ نہیں پاتے تو ان پر

ڈانٹ پڑتی ہے۔ تکبیر کا یہ بے حد نامانوس طریقہ ہے' ان نغموں کو بہ تکلف ادا کرنے سے تکبیر کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اللہ کی تعظیم و تقدیس کے کلمات شعر و نغمہ کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں۔

۱۳۔ بلا ضرورت تکبیر

درمختار کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ بلا ضرورت آواز بلند کرنا جس طرح امام کے لئے مکروہ ہے اسی طرح مکبر کے لئے بھی مکروہ ہے۔ ابوالسعود کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ امام کی آواز اگر پہنچتی ہو تو ایسی صورت میں تکبیر مکروہ ہے۔ "السیرۃ الحلبیہ" میں مذکور ہے کہ ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ بغیر ضرورت تکبیر بدعت اور مکروہ ہے لیکن اگر ضرورت ہو تو مستحب ہے۔ "الفتح" میں ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو تکبیر رائج ہے اس کا فساد ظاہر ہے' اس لئے کہ تکبیر میں بہت زیادہ شور کیا جاتا ہے اور نغمہ سرائی کے فن کا اظہار ہوتا ہے عبادت کی حیثیت ملحوظ نہیں رہتی۔ اکثر مسجدوں میں امام کی آواز کافی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود مکبر کی آواز سے خلل پیدا کیا جاتا ہے۔ اس موضوع پر علماء کی رائے جاننے کے بعد مکبروں کو شعوری یا غیر شعوری طور پر عبادت خراب کرنے سے بچنا چاہئے۔

۱۴۔ مؤذنوں کا کسی مخصوص ورد یا شعر کو زور سے پڑھنا

گزشتہ سطور میں جو ممانعت مذکور ہے اس کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے' اس لئے کہ ادب کا تقاضہ ہے کہ آواز پست رہے۔ اشعار و قصائد کو مخصوص راتوں میں جو لوگ مسجدوں میں پڑھتے ہیں وہ اور زیادہ معیوب ہے۔ انا للہ۔

۱۵۔ مناروں پر غزلیات پڑھنا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ سے سوال کیا گیا کہ جو مؤذن منارہ پر چڑھ کر ایسے اشعار پڑھتا ہے جن میں احباب کی جدائی اور دوری کا ذکر ہوتا ہے اسے اگر کوئی شخص

روکے اور یہ حکم دے کہ تسبیح و تحمید اور مذہبی اشعار پڑھا کرو' اس کا کیا حکم ہے؟

آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہاں نوحہ' مرثیہ اور غزل پڑھنے والے کو روکنا چاہئے اس لئے کہ اس میں بہت سی خرابیاں ہیں اور یہ مشروع ذکر نہیں' البتہ ایسے اشعار میں کوئی حرج نہیں جن میں آیات و اخبار اور توبہ و استغفار کے مضامین درج ہوں' واللہ اعلم۔

فائدہ : سیوطی نے "الاوائل" میں لکھا ہے کہ مصر کے منارے پر سب سے پہلے اذان کے لئے چڑھنے والے شرجیل بن عامر ہیں' سلمہ نے معاویہ کے حکم سے اذان کے لئے منارے بنوائے تھے' اس سے پہلے ان کا وجود نہ تھا۔ ابن سعد نے ام زید بن ثابت سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میرا گھر[1] مسجد سے متصل گھروں میں سب سے طویل تھا مؤذن اول حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی پر سے اذان دیتے تھے' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد تعمیر کرائی تو بلال مسجد کی ایک اونچی جگہ سے اذان دینے لگے۔

۱۶۔ رمضان کے الوداعی اشعار

اکثر مسجدوں میں یہ قبیح عادت موجود ہے' رمضان کی جب پانچ یا تین راتیں باقی رہ جاتی ہیں تو مؤذن اور نفل خواں اپنے ساتھیوں کو جمع کر لیتے ہیں' جب امام رمضان کے وتر کا سلام پھیر کر فارغ ہوتا ہے تو یہ لوگ مسنون تسبیح چھوڑ کر ایسے منظوم قطعات پڑھنا شروع کرتے ہیں جن میں رمضان کے گزرنے پر افسوس کا اظہار ہوتا ہے' ایک قطعہ ایک شخص بلند آواز سے پڑھ لیتا ہے تو اس کے تمام ساتھی اس کو دہراتے ہیں' یہ لوگ اس قدر شور کرتے ہیں کہ کان پھٹنے لگتا ہے' دوسرے مصلی بھی ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں' چونکہ لوگوں کو معلوم رہتا ہے کہ یہ الوداعی راتیں ہیں' اس لئے مسجد کے اطراف اسکے دروازوں' چبوتروں اور صحن میں مرد'

---

[1] یہ حدیث حسن ہے' اسے میں نے "صحیح السنن" (۵۳۲) مع تخریج ذکر کیا۔

عورت' بچے اور جوان سب اس طرح جمع رہتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس بدعت سے کئی اور بدعتیں پیدا ہوتی ہیں' مثلاً مسجد میں شور ہوتا ہے جو سخت مکروہ ہے' اور ذکر و عبادت کے مقامات پر نغمہ و طرب کا ماحول قائم ہو جاتا ہے اور عورتیں و بچے نماز ختم ہونے کے بعد تفریح و سماع کے لئے مسجد آتے ہیں' اور مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے' اور مسجد گندی ہوتی ہے جس سے اس کا احترام ختم ہو جاتا ہے سلف کے زمانے میں اگر یہ بدعتیں رونما ہوتیں تو وہ بدعتیوں کا ہاتھ پکڑ لیتے اور پوری قوت سے ان کا مقابلہ کرتے' اللہ ہمارے حال کی اصلاح فرمائے۔

ایک عجوبہ یہ بھی ہے کہ رمضان کے آخری جمعہ کو خطیب رمضان کی جدائی پر رنج کا اظہار کرتے ہوئے مختلف قسم کے جملے کہتا ہے' مثلاً:

لَا اَوْحَشَ اللّٰهُ مِنْكَ يَا شَهْرَ الْمَفَاتِيْح لَا اَوْحَش اللّٰهُ مِنْكَ يَا شَهْرَ الْمَفَاتِيْح۔

اے بابرکت مہینہ اللہ تیری طرف سے وحشت نہ پیدا کرے۔اے بابرکت مہینہ اللہ تیری طرف سے وحشت نہ پیدا کرے۔

غور کا مقام ہے کہ رمضان جیسے باعظمت مہینہ کے آخری جمعہ کو اس طرح کی لایعنی چیزوں میں گذار دیا جاتا ہے' جب کہ لوگوں کو ضرورت رہتی ہے کہ انہیں صدقہ فطر' فقراء کی غم خواری اور رمضان کے روزوں سے پیدا ہونے والے کمالات کے تحفظ کے بارے میں بتایا جائے اور ان مسائل کی تشریح کی جائے جن کا عید الفطر سے تعلق ہے۔ ذیل میں ایک قابل تقلید خطبہ کا ترجمہ ہم درج کرتے ہیں' یہ دلوں کی طہارت کے لئے بہترین نصیحتوں پر مشتمل ہے۔

"اے شخص! نصیحتوں کو حضور قلب سے سنو تو فائدہ ہو گا' جب دریا بہہ رہا ہو اور تم اپنے کھیت کے لئے نالی نہ کھودو تو پانی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ امن کی کشتی میں سونے والے! اپنے سکون کو نہ دیکھو' تمہیں چلایا جا

رہا ہے لیکن تم محسوس نہیں کر پا رہے ہو۔ اللہ کے بندو! اس کی نعمت کا شکر کرو کہ اس نے تمہیں رمضان کے روزے میسر کیے اور ایمان کی دولت بخشی' اس کا حکم تمہیں اس ذات نے دیا ہے جس کی روشنی سے لوگ راہ پاتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِتُكْمِلُوْا الْعِدَّةَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (البقرہ: ۱۸۵)

تاکہ تم گنتی پوری کر سکو اور بتلائے ہوئے طریق پر اللہ کی بڑائی بیان کرو تاکہ تم شکریہ کرو۔

ماہ رمضان کو الوداع کہتے ہوئے کوتاہی پر بکثرت استغفار کرو اور مسلسل جدو جہد کا عزم کرو۔ رمضان کا مہینہ متقیوں کے لئے چمن اور تفریح ہے اور غافلوں کے لئے بیڑی اور قید ہے۔ نیکوں کے لئے اس میں دل چسپی ہے اور بروں کے لئے پابندی۔ گناہ پر اصرار کی گرہ جو اس مہینہ میں کھول دے اور محتاجی کی منزل میں تقویٰ کے چمن کے اندر اتر پڑے اس کے لئے خوش خبری ہے:۔

"اللہ کے بندو! کون سا مہینہ ہم سے رخصت ہو کر جا رہا ہے! اگر ہم سمجھ سکیں تو اس کی جدائی پر ہمیں خون کے آنسو رونا چاہیے' غفلت میں جو مہینہ گذر گیا اس پر ہم کیوں نہ روئیں؟ جب کہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ہماری عبادت مقبول ہوئی یا مردود؟ کاش ہمیں یہ معلوم ہو سکے کون محروم و مردود ہے' اور کس کے روزے مقبول ہوئے تاکہ اسے ہم مبارک باد دیں۔

یہ مہینہ ہمارے لئے نور و جمال کا مہینہ ہے۔

اے اللہ! اس کا انجام بھی نور و جمال بنا دے۔"

بقیہ مہینہ تم بھی کوشش کرو' اور جو تقصیر ہوئی ہے اس کی تلافی کی کوشش کرو۔ بہت سے یوم الفطر کی تیاری کرنے والے عید کے دن قبر میں پہنچ جاتے ہیں'

بھائی بند' اور دوست و یار سب چھوٹ جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ جو رمضان کی رعایت معشوق اور شیریں خواب کی طرح کرتے ہیں' اس مہینہ میں برائیوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور نیکیوں کی راہ پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ کچھ لوگ اسے خواہشات کے حصول اور بیکاری کا مہینہ سمجھتے ہیں' کچھ لوگ توبہ و استغفار میں کوتاہی کرتے ہیں اور قبولیت سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو رمضان میں دہرا گناہ ہوتا ہے' یہ خسارے پر خسارہ اٹھاتے ہیں اور آخرت کا کوئی سامان نہیں کرپاتے۔

۱۷۔ جامع اموی میں بدعتوں کے وجود اور متقدمین کی اس پر خاموشی کا کوئی اعتبار نہیں

دمشق کے بعض لوگ جامع اموی میں (جسے شام کی مسجدوں کا سردار مانا جاتا ہے) ان بدعتوں کے وجود اور علماء کی ان پر خاموشی سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ وہ بدعتیں مستحسن ہیں۔ یہ دلیل ان بہت سے امور میں پیش کی جاتی ہے جو علماء کے تساہل سے رواج پا جاتے ہیں' کسی عامی شخص کو جب کسی بدعت پر ملامت کی جاتی ہے اور صحیح راہ کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے تو وہ اپنے شیخ یا کسی عالم کے فعل یا کسی جگہ کے رواج سے استدلال کرتا ہے اور اسی بناء پر اس بدعت کو مشروع یا حسن سمجھتا ہے' حالانکہ یہ دھوکہ ہے' کیونکہ مشائخ کا فعل یا ان کی رضامندی شرعی دلیل نہیں۔ شریعت عبارت ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول معصوم کی سنت سے' آپ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں' اگر نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کا فعل دین کے لئے حجت ہوتا تو اس سے شریعت میں بڑی خرابی پیدا ہوتی' کیونکہ کوئی بھی شخص جب کسی چیز کو اچھی سمجھتا اور اسے کرتا' یا کسی چیز کو بری سمجھتا اور اسے چھوڑتا تو دوسرے لوگ اس کی اقتداء کرتے اور اس طرح دین منسوخ ہو جاتا' نعوذ باللہ۔ حالانکہ شریعت قرآن و سنت کے مطابق ہر طرح کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔ کوئی شخص اگر شریعت کے خلاف کوئی کام کرے گا تو اسے رد کر دیا جائے گا' اسی طرح شریعت کے

خلاف کسی بھی قول و فعل کی پیروی نہیں کی جائے گی' نہ کسی جگہ کو احکام کی تشریع میں کوئی اہمیت دی جائے گی' خواہ وہ کتنی ہی برتر جگہ کیوں نہ ہو۔ پھر ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ بدعات پر علماء کی خاموشی کا سبب بھول چوک تھی یا سہو و عدم تفکر یا کمزوری یا جاہلوں کا ڈر۔ ہاں ارباب اقتدار کا کوئی عذر البتہ مقبول نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے ہاتھ میں طاقت ہے اور انہیں سنت کا علم بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر دمشق کی جامع اموی اور اس طرح کی بڑی مسجدوں میں حالات کی اصلاح ہو جائے تو تمام مسجدوں کی اصلاح ہو جائے گی' اصلاح کرنے والوں کو اس کے لئے برابر کوشش کرنی چاہیے' اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا۔



باب چہارم

خاص و عام اسباق کے بیان میں

(۱) بعض مدرسین کا تعصب

مسجدوں میں بہت سے علماء' طلباء کو درس دیتے ہیں' ان مدرسین میں بہت کم ایسے ہوتے ہیں جن میں تعصب نہ ہو' اسی وجہ سے جن مسجدوں میں مدرسین زیادہ ہوتے ہیں ان میں علمی ہنگامے ہوتے رہتے ہیں' ان ہنگاموں کا اصل سبب تعصب ہوتا ہے۔

مثلاً فقہ کا مدرس جس میں دانائی کم ہوتی ہے' جب فقہ کا درس دیتا ہے تو مخالف مذہب کی حق تلفی کرتا ہے' اسے کچھ سمجھتا نہیں۔ اس رویہ کی بناء پر جب طلباء اس کے درس سے نکلتے ہیں تو ان کے اندر بھی غیر معمولی جوش و تعصب رہتا ہے' وہ اپنے مسلکی مخالفین کو باطل پرست تصور کرتے ہیں اور ان کی اقتداء کو ناجائز بتاتے ہیں' حالانکہ اسلاف کرام سے ایسا کوئی فعل ثابت نہیں۔ اسی طرح مضبوط دلیل کے مقابلہ میں کمزور دلیل کی حمایت میں بحث و مباحثہ کرتے ہیں' مرسل حدیث کو مسند کے مقابلہ میں اور شیخین کی روایت پر دیگر محدثین کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں' حالانکہ یہ انصاف سے بعید ہے۔ اس لئے فقہ کے مدرس کا فرض ہے کہ وہ دلائل پر قوی نظر رکھتے ہوئے طلباء کو فروعی مسائل کی تعلیم دے' ان کے دلوں میں تمام ائمہ و مجتہدین کی محبت و احترام پیدا کرے' پھر یہ بتائے کہ وہ جس فقہ کو پڑھا رہا ہے وہ

فلاں مذہب کی ہے اور وہ اسے اس لئے پڑھا رہا ہے کہ اسی مذہب پر اس کی نشو ونما ہوئی ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ دوسرے مذہب کے پیرو بھی خیر و ہدایت اور تقوی کے مستحق ہیں' سب ایک دین اور ایک کتاب کے پیرو ہیں' اسی دین کی برکت سے ہم بھائی بھائی ہیں۔ دوسرے مسلک والوں کی اقتداء و اتباع کے جواز کا بھی یقین رکھنا چاہئے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دلوں کو جوڑنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا توڑنے کے لئے نہیں۔ اس طرح درس سے طلباء کے دلوں میں ائمہ و تابعین کی محبت پیدا ہو گی اور وہ فقہ کو لڑائی کا محرک بنانے کے بجائے دوسروں کے دلائل کو سمجھنے اور ان کی غلطیوں کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں گے "وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ" والے جملہ کا یہی مفہوم ہے کہ ہر ایک رسول اللہ ﷺ سے استدلال کی کوشش کرتا ہے۔

اسی طرح حدیث کے مدرس کو چاہئے کہ وہ تعصب کو ختم کرے اور دلوں کو جوڑنے کی تدبیر کرے۔ اکثر دانشوروں کو قارئین حدیث سے تعصب کا شکوہ ہوتا ہے جس سے فقہاء کے تعصب کے مقابلہ میں زیادہ برے نتائج پیدا ہوتے ہیں' جب ایک مدرس حدیث جس میں مصلحت بینی کا جوہر نہیں ہوتا' حدیث کا درس دیتا ہے اور کسی مختلف فیہ مسئلہ میں استدلال کرتا ہے تو اپنی مؤید حدیثوں کی خوب خوش ہو کر تشریح کرتا ہے' درس میں اگر کوئی محدود فکر کا مقلد رہتا ہے۔ جس کے امام اس حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے تو اس کے منہ پر رنج و غم کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اگر مجلس میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور مسلکاً وہ باہم مختلف ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں بحث و مباحثہ اور حیلہ و تعسف کا سلسلہ طویل ہو جاتا ہے' مدرس بھی کسی ایک فریق کے ساتھ ہو جاتا ہے اور حدیث کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ دل شق ہونے لگتا ہے۔ ان اختلافات کو ختم کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ مدرس لوگوں پر اپنا رعب قائم رکھے اور وقار و دانشمندی کے ساتھ درس دے' اگر درس میں کوئی ایسی حدیث ہو جس پر کسی امام کا عمل نہ ہو بلکہ وہ دوسری حدیث کو

مانتا ہو تو اس وقت میں مدرس کو یہ کہنا چاہئے کہ اس حدیث کا یہ مفہوم ہے اور اسی کو فلاں امام نے اختیار کیا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے امام نے دوسری حدیث پر عمل کیا ہے' کیونکہ پہلی حدیث یا تو انہیں مل نہیں سکی' یا دوسری حدیث کو انہوں نے زیادہ قوی سمجھا۔ ائمہ کی نگاہ میں دقت پسندی ہوتی ہے' صحیح حدیث محض صحیح ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے استدلال کی دوسری شرطیں بھی ہیں جن کا ذکر اصول حدیث میں موجود ہے۔

اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ ائمہ کا مقصد دین کی مدافعت و حفاظت ہے' اس لئے مذکورہ طریقہ پر عمل کرنے والے سبھی ہدایت و دلیل کی راہ پر مانے جائیں گے' اس کے بعد یہ بتانا چاہئے کہ مختلف آراء کے مابین ترجیح کا کام دقت نظر کا طالب ہے' مختلف اسباب کی وجہ سے ایک امام کسی رائے کو ترجیح دیتا ہے اور دوسرا دوسری رائے کو' مگر یہ اختلاف ملامت کا موجب نہیں۔ یہ بات البتہ قابل افسوس ہے کہ کسی دلیل کی قوت کا علم ہونے کے بعد بھی تاویل کی جائے اور اسے تسلیم نہ کیا جائے۔ عقل و فہم قدرت کا بہت عظیم عطیہ ہے' اسے ہر معاملہ میں استعمال کرنا چاہئے' جب کسی دلیل کی قوت ظاہر ہو جائے تو اسے حق ہونے کی وجہ سے مان لینا چاہئے' اس لئے نہیں کہ وہ کسی خاص مذہب کے موافق ہے کیونکہ لوگ حق سے پہچانے جاتے ہیں' حق لوگوں سے نہیں پہچانا جاتا۔ اسی طرح نرمی اور دانائی سے دلوں میں محبت کا جذبہ اور ذہن و فکر میں صحیح استدلال کا ڈھنگ پیدا کرنا چاہیے جو لوگ تعصب اور جماعت بندی پر جمے رہتے ہیں صحیح اور قوی مسلک سے کوئی محبت نہیں رکھتے اور اس بارے میں غور و فکر کی زحمت نہیں اٹھانا چاہتے ان کے لئے حدیث پڑھنا حرام ہے[1] ایسے لوگ حدیث سے کھیل کریں گے اور ان کی تقدیس کو ٹھیس

---

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ تحریم محل نظر ہے' اس قاعدہ کو عام کرنے سے لازم آئے گا کہ ایسے متعصبین کے لئے قرآن کی تلاوت بھی حرام ہو' حالانکہ یہ صحیح نہیں' صحیح مسلک یہ ہے کہ ایسے =

پہنچائیں۔ گے' اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی سودا ایسے آدمی کے سامنے پیش کیا جائے جو اسے لینا نہ چاہتا ہو' اس پیش کش کا نتیجہ کیا ہو گا' سب جانتے ہیں۔

مدرس حدیث کے بارے میں ایک بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر اس نے صحیحین پڑھی ہے' اور ان کے علاوہ کسی کتاب میں کوئی ایسی بات اسے ملی جو صحیحین کی مخالف ہے تو وہ دونوں کے مابین تطبیق دینے کی کوشش کرتا ہے' حالانکہ دوسری روایت صحیحین کی شرط پر نہیں ہے اس لئے اس پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں' تطبیق کی بات تو دور کی ہے۔ [1] کبھی دوسری روایت ضعیف یا منکر ہوتی ہے' اور اس کے اسباب سے جید علماء باخبر ہوتے ہیں' ایسی صورت میں اس روایت کو ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر کسی شارح نے اسے ذکر کیا ہو تو یہ دلیل نہیں بن سکتا' کیونکہ شارحین جو کچھ ذکر کرتے ہیں اس کی پیروی ضروری نہیں معاملہ سے متعلق شخص کو فقہ کے ساتھ دوسرے علوم کا جاننا بھی ضروری ہے مثلاً تاریخ' طب' اصول اور حکمت وغیرہ' مزید یہ کہ اس کے اندر اسرار شریعت کو سمجھنے کا ذوق ہو' ورنہ تاریکی میں بھٹکتا رہے گا۔

نقلی علوم میں تعصب کی طرح عقلی علوم میں بھی مدرسین کے تعصب کی داستان افسوسناک ہے۔ اکثر مدرسین نحو میں بصری مذہب کی تائید اور کوفی مذہب کی

= کو حدیث پڑھنے' اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا جائے گا اور حدیث کے معاملہ میں تعصب اور تاویل سے باز رہنے کی تلقین کی جائے گی (ناصرالدین)

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ اصطلاح حدیث کے قاعدہ کے خلاف ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ دو متعارض حدیثیں اگر ازقسم مقبول ہوں تو ان کے مابین تطبیق ضروری ہے' اور مقبول میں صحیح اور حسن دونوں داخل ہیں' جیسا کہ حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ میں واضح کیا ہے' خصوصاً جب کہ سنن وغیرہ کی بعض حدیثیں صحت میں صحیحین کی بعض حدیثوں کے مماثل یا کبھی اس سے اعلیٰ ہوتی ہے۔ (ناصرالدین)

تردید کرتے ہیں، شواہد و دلائل کی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی، حالانکہ دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ تاویل کو چھوڑ کر دلیل کی پیروی کی جائے۔ ابوحیان نے بہت عمدہ بات کہی ہے کہ بصری یا کوفی مذہب کی اتباع میں اللہ کی عبادت کا سوال نہیں، صرف قوی دلیل کی پیروی ہونی چاہیئے۔

اسی طرح اصول کا طالب علم بھی غور و فکر کئے بغیر کتاب میں مصنف کے رویہ کی طرفداری کرتا ہے، حالانکہ یہ دانش مندی کے منافی ہے، مدرس کا فرض صرف یہ ہے کہ وہ صحیح طور پر غور و فکر کرے، اور لعن طعن کے بغیر مسائل کی چھان بین کرے، اسی کے ساتھ اپنے مصاحبین پر بھی نظر رکھے اور ان کے دلوں میں الفت و محبت کا بیج بونے اور اللہ کا تقوی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

(۲) عام اسباق میں بعض مدرسین کا تساہل

عقول کو جلا دینے اور اخلاق کو مہذب بنانے میں تعلیم کی بڑی اہمیت ہے، اسی بناء پر ضروری ہے کہ اس ذمہ داری کو ادا کرنے والا دانش مندی، وسعت معلومات، فروعی مسائل سے واقفیت اور شریعت میں ملحوظ آسانی کے علم سے متصف ہو۔ معلم کا اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ تعلیم کے لئے ایسی کتابوں کا انتخاب کرے جن میں عبادات، معاملات اور اخلاق کے موضوعات پر مضامین موجود ہوں، اور ان میں واہی تباہی باتیں، کمزور روایات، فرضی مسائل اور فضول چٹکلے نہ ہوں۔ کیونکہ ضعیف حدیثوں کی روایت کے بارے میں امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ایسی روایتیں بیان کرنا ممنوع ہے، جو بیان کرے وہ دھوکہ باز اور گناہ گار ہے۔ قرآن کی محکم آیات اور حدیث کی صحیح روایتوں کی موجودگی میں ایسی چیزوں کو کوئی حاجت نہیں، ترغیب و ترہیب کا کام ان مہمل روایتوں کے بغیر بخوبی پورا ہوگا، قران نے کسی ضروری چیز کو بیان کرنے میں بخل نہیں کیا ہے۔ اصول حدیث کے علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ضعیف حدیث کے بارے میں یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ رسول اللہ کا فرمان ہے۔

خرافات قسم کی ایسی حکایتیں جنھیں عقل سلیم قبول نہ کرے اور صحیح علم جن کی تردید کر رہا ہو انہیں تفریح طبع یا انوکھے پن کے خیال سے عوام کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے' اس سلسلہ میں بعض لوگ یہ سہارا لیتے ہیں کہ فلاں مصنف نے انہیں اپنی کتاب میں بیان کیا ہے' لیکن یہ سہارا قابل توجہ نہیں کیونکہ ہر کتاب میں صرف صحیح باتیں ہی مذکور نہیں' بلکہ تفسیر' سیرت اور وعظ و نصیحت کی اکثر کتابوں میں موضوع قصے' من گھڑت حکایتیں اور فرضی مسائل بکثرت مذکور ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ مدرس ان میں صحیح باتوں کو منتخب کرے اور غلط باتوں کو نظر انداز کر دے' اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو ناقابل معافی گناہ کا مرتکب ہے۔[1]

رہے فرضی مسائل تو ان میں قیمتی وقت ضائع کرنا فضول ہے' ایسے مسائل کی تخلیق وسعت علم کی بات نہیں جیسا کہ نادانوں کا خیال ہے' بلکہ یہ علم کی پیشانی کا داغ ہے۔ وسعت علم' دین کے اصول و اسرار اور قرآنی آیتوں کے اشارات کو جاننے سے پیدا ہوتی ہے' اسی پہلو پر توجہ دینی چاہئے اور اس کے ثمرات کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

---

[1] سید علوی سقاف کی کتاب "مختصر الفوائد المکیۃ" کے خاتمہ میں "المشروع الروی" کے حوالے سے بعض ان کتابوں' حدیثوں' اور حکایتوں کی نشاندہی ہے کہ جن کو ہاتھ لگانا جائز و مناسب نہیں۔ مسجد میں انبیاء کے ان قصوں کو بھی سننا یا سنانا غلط ہے۔ جنھیں فتوح الشام وغیرہ میں مؤرخین نے ذکر کیا ہے' کیونکہ ان میں سے اکثر موضوع یا غیر معتبر افراد سے منقول ہیں' سقاف نے مزید کہا کہ "نزہتہ المجالس" وغیرہ کتب کا جن میں حق و باطل دونوں گڈمڈ ہیں' پڑھنا حرام ہے۔ محدث دمشق امام برہان الدین نے ان کے پڑھنے والوں پر سخت نکتہ چینی کی ہے اور ان میں سے چند روایتوں کو امام سیوطی کے سامنے پیش کر کے ان سے فتویٰ طلب کیا ہے۔ سیوطی نے جواب میں کہا کہ ان میں سے بعض مقبول احادیث ہیں اور بعض میں کلام ہے' انہوں نے ایسی چالیس حدیثیں شمار کی ہیں اور کہا ہے کہ ان کے علاوہ سوال میں وارد تمام حدیثیں قطعاً باطل ہیں۔

فضولیات کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک فن کی تعلیم کے وقت دوسرے فن کا کوئی مسئلہ اس میں بیان کیا جائے۔ اس سے عوام کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا' البتہ لوگ یہ ضرور سمجھتے ہیں کہ مدرس علم کا سمندر ہے۔ اس سے ریاء کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

جو مسائل کسی مخصوص دور یا جگہ کے ساتھ مربوط تھے اور اب ان کا وجود نہیں' انہیں بھی عوام کے سامنے ذکر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے وقت ضائع ہو گا اور کسی کو کچھ ہاتھ نہیں آئے گا' ہماری خواہش یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والے احتیاط برتیں اور اپنے دور کے دانشوروں کی تنقید کے سامنے ڈھیر نہ ہو جائیں' اپنی عزت و وقار اور افادیت کو ہر قیمت پر محفوظ رکھنا چاہئے۔ امام مالکؒ نے کتنی عمدہ بات کہی ہے کہ:

اَلْعَالِمُ الْبَصِيْرُ بِزَمَانِهٖ۔

عالم اپنے دور سے واقف رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینی امور صحیح طور پر بجالانے کی توفیق دے۔ آمین۔

۳۔ نااہل شخص کو مدرس بنانا

ہر شخص کو معلوم ہے کہ عام و خاص تدریس جس کے ذمہ کی جاتی ہے وہ اس کام کے لئے مختار اور علم و فضل میں معروف ہوتا ہے' اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ امت کے اخلاق کی نگرانی کرے اور اسے صحیح علم' سنت نبوی' دینی شعور' آیات کی شان نزول اور مسائل کے استنباط سے آگاہ کرے۔ لیکن افسوس کہ بعد کے لوگوں نے اس باب میں سلف کی روایات کو باقی نہیں رکھا اسلاف آسمان علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کے چمکتے ستارے تھے' لیکن بعد کے لوگوں نے علمی میدان میں کسی ترقی کے بجائے بیکار کاموں میں اپنا وقت ضائع کرنا شروع کر دیا' شب بیداری کی محفلوں میں بیٹھ کر چائے پینے' نغمات سننے' بانسری بجانے' لطیفے سنانے اور بیکار باتوں

میں وقت ضائع کرنے سے انہیں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اب یہ علمی ادارے اپنی اصل روح سے خالی ہو چکے ہیں اور یہاں پر صلاحیت و قابلیت کے بجائے موروثی طور پر تقرر ہوتے ہیں۔ جاہل لوگ بڑے بڑے عہدوں پر قدم جما چکے ہیں او شریف و باصلاحیت افراد اپنا دامن بچانے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔

۴۔ نااہل شخص کو مدرس یا متولی بنانا اور تنخواہ دینا جائز نہیں

بعض علماء نے [۱] "مدرسین و طلباء" کے زیر عنوان ایک مقالہ لکھا ہے جس میں مذکور ہے کہ میں اکثر عام لوگوں سے مدرسین و واعظین کی جہالت کی شکایتیں سنتا رہتا ہوں، چونکہ امتحان کی تاخیر سے علمی و دینی نقصان ہو رہا ہے اس لئے میں اس مقالے کے ذریعہ عام لوگوں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں اور بنیادی قانون کی دفعہ (۱۱۱) کے مطابق جو کمیٹی مقرر ہوئی ہے اس کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ وہ نااہل مدرسین سے چھٹکارا حاصل کرے۔ نااہل لوگوں کے تقرر سے نادار طلباء کا بڑا نقصان ہوتا ہے اور حصول علم کی آرزوؤں پر پانی پھر جاتا ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ مال و متاع کی طرح علمی مناصب کی تقسیم بھی بطور وراثت ہوتی ہے اور مستحق افراد محروم ہو جاتے ہیں۔

دمشق جیسے شہر میں ابن عساکر، ابن تیمیہ اور ابن عابدین وغیرہ چوٹی کے علماء پیدا ہوئے، لیکن آج یہ شہر علمی اجارہ داری کی بناء پر باصلاحیت علماء سے محروم ہے، نااہلوں کو علمی مناصب پر مقرر کرنے والوں کو شاید یہ علم نہیں کہ قوم جب خواب غفلت سے بیدار ہوگی تو اپنے حقوق کا مطالبہ کرے گی اور متقدمین فقہاء کے اقوال کی مدد سے ان نااہلوں سے چھٹکارا حاصل کر لے گی جنہوں نے دین کی عظمت کو

---

[۱] دمشق کے میگزین "المقتبس" شمارہ ۲۵ میں۔

خاک میں ملانے کی کوشش کی ہے اور اسلام و مسلمین کے لئے باعث عار بن گئے ہیں۔

علم کے جھوٹے مدعیوں کو ابن عابدین (ج ۴ ص ۳۹۲) کا یہ بیان ملاحظہ کرنا چاہئے: اشباہ میں مذکور ہے کہ حاکم اگر نااہل مدرس کا تقرر کرے تو اس کا تقرر صحیح نہ ہوگا' کیونکہ تدریس کا مقصد طلباء کا مفاد ہے اور نا اہل شخص انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا' اسی طرح اگر وہ کسی اہلیت والے مدرس کو معزول کرے گا تو وہ معزول نہ ہوگا۔ "معید النعم و مبید النقم" میں مذکور ہے کہ اگر مدرس تدریس کے لائق نہ ہو تو اسے تنخواہ لینا جائز نہیں۔ آگے لکھا ہے کہ اگر کوئی امام یا مدرس فوت ہو جائے تو اس کا نصب اس کے چھوٹے لڑکے کے حوالے کرنا درست نہیں۔ انتہیٰ .... لیکن بعض علماء نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ مرنے والے کے چھوٹے لڑکوں کو اس کے منصب پر برقرار رکھنا چاہئے تاکہ ان کی مدد ہو سکے اور وہ بھی علم سے اپنا تعلق استوار کر سکیں۔ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں کہ اس صورت میں ہم یہ شرط لگائیں کہ بیٹا علم سے اپنا تعلق استوار رکھے لیکن اگر اس نے علمی مشغلہ ترک کر دیا ہو تو پھر اسے اس منصب سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ایسی صورت میں اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔ انتہیٰ

ان وضاحتوں کے بعد جاہل ائمہ و مدرسین کو ان کے منصب پر برقرار رکھنا اور تنخواہوں سے نوازنا درست نہیں' تنخواہ میں انہیں جو رقم دی جاتی ہے اسے بچا کر عوام کے فائدے والے کاموں میں خرچ کرنا چاہئے تاکہ وقف کرنے والوں کا اصل مقصد حاصل ہو۔

اہل خیر کی عہدوں سے بے نیازی

تاریخ و تراجم کی کتابوں میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ تدریس و امامت پر مقرر علماء نے اپنے عہدوں سے دستبردار ہو کر بہتر لوگوں کا ان پر تقرر کر دیا۔ اس سلسلہ میں اہل شام کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں' گزشتہ صدی کے شروع

میں "نبی مرادی" کے ایک مفتی نے جو تکیہ سلیمانیہ میں رجب اور شعبان کے مہینوں میں ہر جمعرات کو حنفی فقہ کی کتاب "ہدایہ" کا درس دیا کرتے تھے، مشہور محدث شیخ احمد عطار کے لئے اپنا منصب چھوڑ دیا اور انہوں نے ہدایہ کی جگہ بخاری شریف کا درس شروع کر دیا کیونکہ وہ مسلکاً شافعی تھے۔ مفتی موصوف کا یہ اقدام ان کی عقل و دانائی کا واضح ثبوت ہے کیونکہ شیخ موصوف درس و تدریس کے لئے وقف تھے۔

اسی طرح سید محمد عطار نے قبۂ نسر میں بخاری شریف کے درس کی ذمہ داری شیخ یوسف معروف بہ ابن شمس کے حوالے کر دی جو وفات تک درس دیتے رہے۔

قبۂ نسر ہی میں احمد آفندی منینی نے حدیث کی تدریس شیخ سعید حلبی کے حوالے کر دی پھر ان کے لڑکے شیخ عبداللہ حلبی اس ذمہ داری کو انجام دینے لگے۔

حسنی آفندی کی وفات کے بعد مفتی دمشق کا منصب ان کے لڑکے ابو سعود آفندی کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن انہوں نے سختی سے معذرت کی تو اس منصب پر طاہر آفندی آمدی کو شام کا مفتی مقرر کیا گیا۔

ہمارے اسلاف نے احساس فرض اور قناعت و بے نیازی کی جو اعلیٰ مثال قائم کی تھی اس کے مقابلہ میں آج کے لوگوں کی عہدوں کے لئے حرص و ہوس کو دیکھ کر تعجب و افسوس ہوتا ہے۔ آج نااہلوں کو جو لوگ منصب سونپ رہے ہیں ان کی نکتہ چینی اور اصلاح کے لئے زبانیں گنگ ہیں، لیکن تاریخ وقت آنے پر خاموش نہیں رہ سکتی، ہر چھوٹا بڑا واقعہ اس کے احاطۂ تحریر میں آ چکا ہے اور وہ عبرت کے لئے محفوظ رہے گا۔



باب پنجم

پہلی فصل

میت سے متعلق مسجد میں ہونے والی بدعتوں کا بیان

۱۔ اذان کے مقام سے موت کا اعلان اور جنازہ کے لئے پکارنا

ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی سنت یہ تھی کہ میت کی موت کا اعلان نہیں کرتے تھے بلکہ اس سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دور جاہلیت کا فعل ہے۔[۱] حضرت حذیفہؓ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کی موت کے بعد ان کے گھر والے لوگوں کو خبر دیں' وہ کہتے تھے کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ "نَعْی" میں داخل ہو جائے گا۔ قاضی ابوالولید بن رشدؒ نے "البیان والتحصیل" میں لکھا ہے کہ جنازہ کے لئے مسجد کے اندر آواز لگانا باتفاق ناجائز ہے کیونکہ مسجد میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے' علم کے سلسلہ میں بھی یہ مکروہ ہے۔ مسجد کے دروازہ پر جنازہ کے لئے پکار کو امام مالکؒ نے مکروہ بتایا ہے اور ان کے خیال میں یہ نَعْی میں داخل ہے جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

---

[۱] یہ ضعیف ہے ثابت نہیں' صرف موت کے اعلان سے منع ثابت ہے' اور اس کی تخریج میری کتاب "احکام الجنائز و بدعہا" ص ۳۰' ۳۱ میں موجود ہے۔

إِيَّاكُمْ وَالنَّعْيَ ' فَإِنَّ النَّعْيَ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ۔[1]

نعی سے بچو' کیونکہ یہ جاہلیت کے زمانے کی عادت ہے۔

اور ان کے یہاں نعی کی صورت یہ تھی کہ لوگوں میں ان الفاظ سے پکارتے تھے:

اَلَا اَنَّ فُلَانًا قَدْ مَاتَ فَاشْهَدُوْا جَنَازَتَهٗ۔

فلاں شخص مرگیا ہے اس کے جنازے میں حاضری دو۔

ہاں پکار کے بغیر موت سے لوگوں کو آگاہ کرنا باتفاق جائز ہے۔ رسول اللہ نے مسجد میں جھاڑو دینے والی عورت کی وفات کے بعد فرمایا تھا:

اَفَلَا آذَنْتُمُوْنِیْ بِهَا۔[2] نہایہ میں ہے کہ "نَعَى الْمَيِّتَ يَنْعَاهُ نَعْيًا وَ نَعِيًّا" اس وقت بولتے ہیں جب موت کی خبر کو مشتہر کیا جائے اور میت پر رویا جائے اور اس کی خوبیاں گنائی جائیں۔

۱۔ مسجد میں داخلہ کے موقع پر میت کے آگے بلند آواز سے شعرخوانی

امام ابن الحاج نے لکھا ہے کہ مسجد میں میت کو لے آنے کے بعد سے جنازہ کی نماز تک قراء' فقیر اور مرید جو کچھ کرتے ہیں بدعت ہے' اس سے روکنا چاہئے' یہ کام مسجد سے باہر بھی بدعت ہے پھر اندر کیسے نہ ہوگا' کیونکہ اس سے نفل پڑھنے والوں' تلاوت اور ذکر و فکر کرنے والوں کو خلل ہوتا ہے۔ امام نووی سے جب اس

---

[1] ضعیف حدیث ہے' اسے ترمذی (۱:۱۸۴) میں مرفوعاً و موقوفاً بہ سند عن ابی حمزۃ عن ابراہیم عن علقمۃ عن عبداللہ بن مسعود روایت کیا ہے اور کہا کہ موقوف زیادہ صحیح ہے۔ ابو حمزۃ سے میمون الاعور مراد ہے جو محدثین کے یہاں قوی نہیں۔

[2] صحیح حدیث ہے' اسے شیخین وغیرہ نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اس کی تخریج سابقہ ماخذ میں موجود ہے۔

کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ: دمشق میں بعض جاہل مختلف طرح کی آواز سے جنازوں پر جو کچھ پڑھتے ہیں وہ باتفاق حرام ہے اور بے حد مذموم ہے۔ اس بارے میں ماوردی وغیرہ نے علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ میت کے ولی کو چاہئے کہ ان پڑھنے والوں کو منع کرے' نہ مانیں تو سزا دے اور توبہ کرائے' اسی طرح ہر شخص کو اس سے روکنا چاہئے۔ انتہی۔

میت کے دفن کے وقت اذان کے بارے میں ابن حجر نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ یہ عمل بدعت ہے کیونکہ اس کے بارے میں کچھ ثابت نہیں' اور اس طرح کا عمل نبی ﷺ کی تعلیم و توقیف کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا' جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی مصیبت یا موت کے وقت اذان سنت ہے اور یہ قیاس کرتے ہیں کہ پیدائش کے وقت اذان مستحب ہے تو خاتمہ پر بھی مستحب ہونا چاہئے' ان کا خیال صحیح نہیں دونوں مسئلوں کے مابین کوئی ربط نہیں' ایک فعل ابتداء میں ہو تو اس کا انتہا میں ہونا ضروری نہیں' یہ ضعیف قیاس ہے جسے آسانی سے روکا جا سکتا ہے۔ انتہی

۳۔ مسجد میں میت کا مرثیہ اور نسب نامہ پڑھنا

حنبلی مذہب کی کتاب "الفصول" میں مذکور ہے کہ آہ و بکا' خوبیوں کا شمار' یا گھبراہٹ کا اظہار حرام ہے' کیونکہ یہ ظالم کے ظلم کے بعد فریاد کے مشابہ ہے' حالانکہ موت اللہ تعالیٰ کا برحق فیصلہ ہے۔ شیخ تقی الدین ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ جو وعظ یا شعر مصیبت کو تازہ کرے وہ نوحہ میں شمار ہو گا (یعنی حرام ہو گا) اسے شرح اقناع میں نقل کیا ہے۔

ابن الحاج کا قول ہے کہ تزکیہ و تعظیم کے الفاظ کے ساتھ پکارنے کی جو بدعت مؤذنوں نے ایجاد کی ہے اس سے انہیں روکنا چاہئے' اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

لَاتُزَكُّوا عَلَى اللّٰهِ اَحَداً۔[1]

اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی پاکی نہ جتاؤ۔

میت تو دعاء کی محتاج ہوتی ہے' اور پاکی جتلانے کا معنی یہ ہے کہ وہ دعاء کی محتاج نہیں اس لئے ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے اسے عذاب ہو اور اس سے بطور توبیخ پوچھا جائے کہ کیا تم ایسے ہی تھے؟

ابن حجر کے فتاوی میں مذکور ہے کہ جو مرثیے نوحہ پر آمادہ اور غم کو تازہ کریں (جیسا کہ دنیا کی عظیم ہستیوں کے بارے میں شعراء کرتے ہیں اور ان کے مرثیے مجلسوں میں سنائے جاتے ہیں) وہ بلاشبہ حرام ہیں' اذرعی نے اسے نقل کیا ہے۔

ابن عبدالسلام کا قول ہے کہ بعض مرثیے نوحہ کی طرح حرام ہیں' کیونکہ ان میں خدائی فیصلہ پر دل برداشتگی کا اظہار ہوتا ہے' ہاں اگر کسی عالم یا نیکوکار شخص کی خوبیاں اس لئے ذکر کی جائیں کہ لوگ ان کے بارے میں حسن ظن رکھیں اور ان کی پیروی کریں تو یہ جائز ہوگا۔ انتھیٰ

۴۔ میت کے دفن میں تاخیر کرنا

حدیث میں وارد ہے کہ میت پر نماز پڑھنے اور اس کو دفن کرنے میں جلدی کرنی چاہیئے اس میں اس کی تکریم ہے۔ ابن الحاج نے لکھا ہے کہ جب جنازہ کی نماز کا ارادہ ہو تو فرض نماز کی جماعت یا جمعہ کی وجہ سے تاخیر نہیں کرنا چاہیئے۔ سنت کے پابند بعض علماء کا دستور تھا کہ جب لوگ مسجد میں جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے جنازہ لے کر آتے تو وہ خطبہ سے پہلے ہی جنازہ کی نماز پڑھا دیتے تھے' اور جنازہ کی نماز پڑھ کر ان سے کہتے کہ جاؤ دفن کر آؤ' اور انہیں یہ بتا دیتے کہ دفن کے بعد اگر جمعہ نہ

---

[1] یہ صحیح حدیث ہے' اسے بخاری (۱۰:۳۹۷) اور مسلم (۸:۲۲۷) نے ابوبکرۃؓ سے روایت کیا ہے (حدیث طویل ہے)

مل سکے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ایسی صورت میں وہ تم سے ساقط ہے۔ ابن الحاج کہتے ہیں کہ سنت کی اس محافظت اور بدعت سے روکنے پر اللہ انہیں جزائے خیر دے' اگر تمام علماء یہی روش اختیار کر لیں تو موجودہ خرابی دور ہو سکتی ہے۔ بدعات کو دیکھ کر خاموش رہنے سے ان میں زیادتی ہوتی ہے۔

۵۔ مسجد میں تعزیت کے لئے بیٹھنا

اقناع اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ کسی جگہ بیٹھ کر مصیبت زدہ شخص کو تسلی دینا مکروہ ہے کیونکہ اس سے غم تازہ ہوتا رہے گا۔ احمد نے ابوداؤد کی روایت کے بارے میں کہا ہے کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میت کے گھر والے مسجد میں بیٹھیں اور لوگ ان کی تعزیت کریں' مجھے ڈر ہے کہ اس سے میت کی تعظیم کا پہلو نکلے گا۔

ابن قیم نے زادالمعاد میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی سنت یہ تھی کہ آپ میت کے گھر والوں کو تسلی دیتے تھے' لیکن تعزیت کے لئے جمع ہونا یا قبروغیرہ کے پاس قرآن پڑھنا آپ کی سنت نہیں' بلکہ یہ مکروہ بدعت ہے' آپؐ کی سنت یہ بھی ہے کہ قضاء الٰہی پر سکون و رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اور اِنا للہ وَ اِنا اِلیہ رَاجعون پڑھا جائے۔

مسجد میں تعزیت کے قطعی مکروہ ہونے کی بات اور ائمہ حنفیہ میں سے "المنیتہ" کے شارح' "البحر" اور "الفتح" کے مصنفوں نے بھی لکھی ہے۔ امام نووی نے "الروضتہ" میں لکھا ہے کہ تعزیت سنت ہے' لیکن اس کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے۔

تعزیت کا معنی یہ ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں کو صبر کا حکم دیا جائے' اجر کی خاطر اس پر آمادہ کیا جائے' اور بے صبری پر گناہ سے ڈرایا جائے' میت کے لئے مغفرت طلب کی جائے اور مصیبت زدہ کے لئے تلافی کی دعاء کی جائے۔ پھر نووی نے لکھا ہے کہ صاحب شامل کا قول ہے کہ میت کے گھر والوں کا کھانا بنانا اور لوگوں کو جمع کرنا بدعت اور غیر مستحب ہے' سنت یہ ہے کہ میت کے قرابتدار اور پڑوسی اس کے گھر والوں

کے لئے کھانا بنائیں، کیونکہ انہیں مصیبت میں اس کا موقع نہیں، انتہیٰ

ابن الحاج کا قول ہے کہ میت کی طرف سے محتاجوں اور مجبوروں پر صدقہ کے لئے کھانا بنانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ لوگوں کو جمع کرنا مقصود نہ ہو، لیکن اسے بھی قابل تقلید شعار نہیں بنانا چاہئے، کیونکہ عبادت وہی افضل ہے جسے پوشیدہ طور پر کیا جائے۔ انتہیٰ

۶۔ میت کو مسجد میں دفن کرنا یا اس کی قبر پر مسجد بنانا

امام نوویؒ کے فتاویٰ میں درج ذیل سوال و جواب مذکور ہے مسلمانوں کے ایسے مقبرہ میں جو راہ خدا میں وقف ہو اگر کوئی مسلمان تعمیر کرے اور محراب بنائے تو کیا یہ جائز ہے، یا اس کا گرا دینا واجب ہے؟ ایسی تعمیر جائز نہیں، اس کا گرانا ضروری ہے، انتہیٰ

ابن حجر نے "الزواجر" میں لکھا ہے کہ کبیرہ گناہوں میں درج ذیل گناہ بھی ہیں، "قبروں کو سجدہ گاہ بنانا، ان پر چراغ جلانا، انہیں بتوں کی حیثیت دینا، ان کا طواف کرنا، ان کو چومنا اور ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا، انہوں نے اس سلسلہ میں حدیثیں بھی ذکر کی ہیں ملاحظہ ہو ان کی یہ کتاب [1]

علامہ ابن القیمؒ نے زادالمعاد میں لکھا ہے کہ نیکی اور عبادت کے علاوہ کسی اور غرض کے لئے وقف صحیح نہیں، جیسا کہ مسجد ضرار کا وقف صحیح نہیں مانا گیا، (اسے منافقوں نے مسلمانوں میں تفریق اور ان کی ایذاء رسانی کے لئے تعمیر کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے گرا دی گئی۔ اس بناء پر قبر پر بنائی جانے والی مسجد گرا دی جائے گی

---

[1] میں کہتا ہوں کہ اس موضوع پر مزید ملاحظہ کیجئے میری کتاب "احکام الجنائز و بدعہا" کی فصل "ما یحرم عند لقبور" (ص ۲۰۳۔۲۴۳) اور میری مستقل کتاب "تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد"۔ (ناصرالدین)

اور مردہ اگر مسجد میں دفن ہو تو اسے کھود دیا جائے گا' اس کی صراحت امام احمد وغیرہ نے کی ہے۔ دین اسلام میں مسجد اور قبر اکٹھا نہیں ہو سکتی' جو بعد میں بنے گی اسے ہٹا دیا جائے گا۔ اور اگر دونوں ایک ساتھ تعمیر ہوں تو جائز نہ ہوگا' نہ وقف صحیح ہوگا اور نہ مسجد میں نماز درست ہوگی' اس لئے کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ان لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جو قبر کو مسجد بنا لیتے ہیں یا اس پر چراغ جلاتے ہیں۔ یہ ہے دین اسلام' جسے لے کر نبی ﷺ تشریف لائے' آج یہ لوگوں میں اجنبی بنا ہوا ہے' انتہیٰ

ابن القیمؒ نے مسجد ضرار کا ذکر غزوہ تبوک کے فوائد کی بحث کے ضمن میں کیا ہے' لکھتے ہیں کہ معصیت کے وہ مقامات جہاں اللہ اور رسول کی نافرمانی ہوتی ہو انہیں جلا دینا یا گرا دینا چاہئے جیسا کہ نبی ﷺ نے مسجد ضرار کو جلا دیا اور گرا دینے کا حکم دیا' اس مسجد میں بھی نماز پڑھی جاتی تھی اور خدا کا ذکر ہوتا تھا' لیکن اس کی تعمیر کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچائی جائے' ان میں پھوٹ ڈالی جائے اور منافقوں کو اس میں پناہ دی جائے۔ ایسی جو جگہ بھی ہو امام کا فرض ہے کہ اسے گرا دے' جلا دے یا بیکار بنا دے۔ جب مسجد گرائی جا سکتی ہے تو پھر آج کے شرک کے اڈے جن کے مجاورین مدفون لوگوں کو خدا کے مقام پر سمجھنے کی تلقین و دعوت دیتے ہیں' کیسے نہ گرائے جائیں گے؟ انتہیٰ

۷۔ عاشوراء کے جمعہ کو منبر پر حضرت حسینؓ کی موت کا اعلان

خطیبوں کی طرف سے بعض ایسے ناپسندیدہ امور صادر ہوتے ہیں کہ ان کا بیان مشکل ہے ان کی ایک قبیح عادت یہ ہے کہ محرم کے جمعہ میں تمام مسلمانوں کے سامنے حضرت حسینؓ کی موت کا اعلان کرتے ہیں۔ ۶۱ھ میں کربلاء کے میدان میں ان کی شہادت اور مسلمانوں کے مصائب کا ذکر دہراتے ہیں' اس کو سن کر بہت سے

مسلمان رونے لگتے ہیں اور ان کے دلوں میں رنج و غم کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اس کا کوئی فائدہ انہیں نہیں ملتا' اس کی ممانعت کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں' یہ بیماری مسلمانوں میں رافضی لوگوں کی جانب سے آئی ہے۔ صاحب "المجالس" نے لکھا ہے کہ شہادت حسینؓ کی مصیبت پر اظہار کے سلسلہ میں رافضہ نے غلو سے کام لیا ہے۔ عاشورہ کے دن وہ حضرت حسینؓ کا ماتم کرتے ہیں' مجلس عزاء منعقد کرتے ہیں' نوحہ و بکاء کرنے والوں کو لاتے ہیں' رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں اور دوسرے نامناسب کام کرتے ہیں' انہیں نبی ﷺ کا یہ فرمان معلوم نہیں کہ:

لَا يَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰی مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلَی الزَّوْجِ' اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْراً۔ [1]

اللہ و رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ کسی مرنے والے کا تین دن سے زیادہ غم منائے ہاں شوہر کا چار مہینے دس دن غم منانے کی اجازت ہے۔

پھر آگے لکھا ہے کہ غالی ناصبی' رافضہ کو چڑھانے کے لئے عاشورہ کے دن مسرت و شادمانی کا اظہار کرتے' سرمہ لگاتے' عمدہ کپڑے پہنتے' اچھے کھانے کھاتے ہیں۔ انہوں نے اس سے متعلق غلط حدیث کو بھی نبی ﷺ کی جانب منسوب کیا ہے جس میں شب بیداری' نماز' غسل' سرمہ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے کا ذکر ہے۔ یہ حدیث جھوٹ ہے اللہ اس کے وضع کرنے والے کا برا کرے' اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا ہے۔ انتہیٰ

---

[1] صحیح حدیث ہے' شیخین وغیرہ نے ام حبیبہؓ و ام عطیہؓ سے اسے روایت کیا ہے اس کی شاہد البیاضی کی حدیث ہے جسے مالک (۱:۸۰: ۲۹) اور احمد (۴:۳۴۴) نے ذکر کیا ہے' احمد نے ابن عمر کی روایت بھی ذکر کی ہے اور یہ معجم ابن خزیمہ (۱:۲۲۷:۱) میں بھی ہے۔ طبرانی نے ابو ہریرہؓ اور عائشہؓ سے ذکر کیا ہے جیسا کہ "الفتح الکبیر" میں ہے۔

امام تقی الدین ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں ان دونوں بدعتوں کی مفصل تردید کی ہے، لکھتے ہیں کہ شیطان نے شہادت حسینؓ کے سبب لوگوں میں دو بدعتیں پیدا کی ہیں ایک تو عاشوراء کے دن نوحہ و ماتم کرنا، چیخ و پکار کرنا، طمانچے مارنا، مرثیے پڑھنا اور سلف کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا۔ اس موقع پر شہادت حسین کے واقعات بھی پڑھے جاتے ہیں جن کا اکثر حصہ جھوٹ پر مشتمل ہے۔ جنھوں نے ان بدعات کی بنیاد ڈالی ہے ان کا مقصد امت میں تفریق ڈالنا اور فتنہ کا دروازہ کھولنا تھا، کیونکہ باتفاق مسلمین مذکورہ کام واجب یا مستحب نہیں بلکہ سخت حرام ہے۔

دوسری بدعت مسرت و شادمانی کے اظہار کی ہے، کوفہ میں کچھ لوگ شیعہ تھے جو حضرت حسینؓ کی حمایت کا دم بھرتے تھے، ان کا سربراہ المختار بن عبید کذاب تھا، اور وہاں کچھ لوگ ناصبی تھے۔ جو حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے بغض رکھتے تھے، ان میں حجاج بن یوسف ثقفی بھی تھا۔ صحیحین میں نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا قبیلہ ثقف میں ایک جھوٹا اور ایک سفاک ہوگا۔ جھوٹا تو شیعی یعنی مختار ہوا، اور سفاک ناصبی یعنی حجاج۔ پہلے نے غم کی بدعت ایجاد کی اور دوسرے نے خوشی کی۔ انہوں نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ عاشوراء کے دن جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ وسعت کا معاملہ کرلے گا اسے اللہ تعالیٰ پورے سال وسعت میں رکھے گا۔ حرب کرمانی کا قول ہے کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔[1] یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ عاشوراء کے دن سرمہ لگانے سے پورے سال آنکھ خراب نہ ہوگی اور عاشورہ کے دن غسل کرنے سے پورے سال بیماری نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے کچھ لوگ عاشوراء کے دن سرمہ لگانا، غسل کرنا، اہل و عیال پر وسعت کرنا اور غیر معمولی

---

[1] یعنی صحت میں، ورنہ اسے طبرانی اور بیہقی وغیرہ نے ابو سعید وغیرہ سے روایت کیا ہے، لیکن اس باب میں کوئی حدیث ثابت نہیں، بیہقی نے اس کی تضعیف کی ہے، ملاحظہ ہو "المشکوٰۃ" (۱۹۲۶-۱۹۲۷)

کھانا کھانا مستحب سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ حضرت حسینؓ کے مخالفین کی پھیلائی ہوئی بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے ان امور میں سے کسی ایک کو بھی مستحب نہیں مانا ہے۔ ان کے استحباب کی کوئی شرعی دلیل بھی نہیں، البتہ جمہور علماء کے نزدیک عاشوراء کے دن کا روزہ مستحب ہے۔

ابن تیمیہؒ نے مزید لکھا ہے کہ بلا شبہ حضرت حسینؓ کا قتل بہت بڑا گناہ ہے، لیکن یہ انبیاء اور سابقین اولین (پہلے پہل مسلمان ہونے والے)، جنگ مسیلمہ، شہداء احد، شہداء بیئر معونۃ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے قتل سے بڑا نہیں۔ مصیبت کے وقت صبر کرنا اور اناللہ پڑھنا چاہیے، یہی اللہ اور اس کے رسول کی مرضی ہے۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک نوحہ کرنے والی عورت پیش ہوئی تو آپؓ نے اسے مارنے کا حکم دیا، لوگوں نے کہا کہ یا امیر المومنین اس کے بال کھل گئے ہیں، آپؓ نے فرمایا کہ اس کا کوئی احترام نہیں، یہ صبر سے روکتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، اور یہ جزع فزع کا حکم دیتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے، زندہ کو فتنہ میں ڈالتی ہے، مردہ کو تکلیف دیتی ہے، اپنے آنسو فروخت کرتی ہے، دوسرے کے غم میں روتی ہے، یہ تمہارے مردوں پر نہیں روتی ہے بلکہ تمہارے پیسے لینے کے لئے روتی ہے۔



دوسری فصل

چند قابل توجہ امور کے بیان میں

۱۔ مقربین کے درجات تک پہنچنے کے لئے مسجد میں بیٹھنا

امام غزالیؒ نے نیت سے متعلق اعمال کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جاننا چاہئے کہ اعمال کی اگرچہ بہت سی قسمیں ہو سکتی ہیں مثلاً قولی، فعلی، حرکتی، سکونی، حصولی، مدافعتی، فکری اور ذکری وغیرہ، لیکن ان تمام کو تین قسموں میں مندرج کیا جاسکتا ہے۔ طاعت، معصیت اور مباح، آگے لکھا ہے کہ دوسری قسم طاعات کی ہے، اپنی اصل صحت اور فضیلت میں اضافہ کے لئے یہ نیت سے مربوط ہے۔ بہرحال اصل تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان اعمال سے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت کی جائے۔ اگر ریاء کی نیت ہوگی تو یہ اعمال معصیت میں داخل ہو جائیں گے۔ رہا فضیلت میں اضافہ تو یہ اچھی نیت کی کثرت سے ہوتا ہے، ایک ہی طاعت سے بہت سی نیکیوں کی نیت ہو سکتی ہے، اور ہر نیت کے بدلہ میں ثواب ملے گا، کیونکہ ہر نیت نیکی ہے، پھر ہر نیکی کا ثواب دس گناہ ہوگا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔ اس کی مثال مسجد میں بیٹھنا ہے، یہ طاعت ہے، اس کے اندر بہت سی نیتیں کی جاسکتی ہیں جس سے متقیوں کے عمل کی فضیلت اور مقربین کے درجات تک یہ عمل پہنچ سکتا ہے۔

اول یہ کہ مسجد کو اللہ کا گھر سمجھا جائے اور اس میں داخل ہونے والے کو اللہ کا زائر جو اپنے مولیٰ سے ملاقات کے لئے مسجد میں آیا ہے اور اس وعدہ کا امیدوار ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے:

مَنْ قَعَدَ فِیْ الْمَسْجِدِ فَقَدْ زَارَ اللّٰهَ تَعَالٰی' وَ حَقَّ عَلَی الْمَزُوْرِ اِکْرَامُ زَائِرِہٖ۔[1]

مسجد میں بیٹھنے والا اللہ تعالٰی کی زیارت کرنے والا ہے اور جس کی زیارت کی جاتی ہے اس پر زائر کے اکرام کا حق ہے۔

دوم یہ کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرے' اس طرح پورے وقت میں نماز کا ثواب ملے گا' اللہ تعالٰی کے قول ""وَ رَابِطُوْا"" کا یہی معنی ہے۔

سوم یہ کہ آنکھ' کان اور جملہ اعضاء کو حرکت اور اضطراب سے روک کر گوشہ نشینی کی نیت کر لے' کیونکہ اعتکاف کا معنی رکنا ہی ہے' اور یہی روزہ میں بھی ہوتا ہے' یہ ایک قسم کی گوشہ نشینی ہے' حدیث میں ہے کہ:

رُهْبَانِيَةُ اُمَّتِیْ الْقَعُوْدُ فِیْ الْمَسْجِدِ۔[2]

میری امت کی رہبانیت مسجد میں بیٹھنا ہے۔

چہارم یہ کہ اللہ کو مقصود ٹھہرانے' آخرت پر غور و فکر کے لئے خاموشی اختیار کرے اور اس سے غافل کرنے والی چیزوں کو مسجد میں بیٹھ کر دور کرے۔

پنجم یہ کہ اللہ کا ذکر کرنے' اسے سننے اور اسے یاد کرنے کے لئے یکسو ہو جائے۔

ششم یہ کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعہ کا فائدہ پہنچانے کی نیت کرے کیونکہ مسجد میں ایسے لوگ آتے رہتے ہیں جو صحیح طور پر نماز نہیں پڑھتے اور

---

[1] حافظ عراقی نے ""تخریج الاحیاء"" (۴' ۳۱۷) میں کہا کہ اسے ابن حبان نے ضعفا میں سلمان کی حدیث سے روایت کیا ہے' اس کے مثل بیہقی نے شعب الایمان میں صحابہ کی ایک جماعت سے ان کا نام لئے بغیر بہ سند صحیح روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث میرے نزدیک حسن ہے' اس کی بعض اسنادوں کو المنذری نے الترغیب (۱: ۱۳۰) میں جید کہا ہے۔

[2] عراقی نے ""تخریج الاحیاء"" (۴' ۳۱۷) میں کہا ہے مجھے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ملی۔

دوسرے حرام کام کا ارتکاب کرتے ہیں' ایسے لوگوں کو بھلی باتوں کا حکم دے اور دین کی طرف رہنمائی کرے' اس طرح وہ خیر میں اس کا شریک ہو جائے گا اور نیکی دوچند ہو جائے گی۔

ہفتم یہ کہ اللہ کے لئے لوگوں کو بھائی بنائے' یہ چیز غنیمت اور آخرت کے لئے ذخیرہ ہوگی مسجد دیندار لوگوں کا ٹھکانہ ہے جو اللہ کے لئے اور اسی کی راہ میں محبت کرتے ہیں۔

ہشتم یہ کہ اللہ تعالیٰ سے شرم اور اس کے گھر کی بے حرمتی کی شرم سے گناہوں کو چھوڑ دے۔ حسن بن علیؓ کا قول ہے کہ جو شخص برابر مسجد میں جاتا رہے گا اسے اللہ تعالیٰ سات چیزوں میں سے کوئی ایک چیز دے گا' اللہ کی راہ میں کوئی بھائی اسے ملے گا' یا رحمت نازل ہوگی یا علم ملے گا' یا رہنمائی والی بات ملے گی' یا ہلاکت دور ہو گی' یا ڈر سے گناہ چھوڑ دے گا' یا حیاء پیدا ہوگی۔ نیت کو بڑھانے کا یہ طریقہ ہے۔ بقیہ طاعات اور مباح چیزوں کو اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ہر طاعت میں بہت نیتیں ہو سکتی ہیں' مومن کے دل میں بھلائی کی جتنی طلب اور اس کے لئے جدوجہد اور غور و فکر کا جذبہ ہوگا اسی لحاظ سے اس میں نیتیں پائی جائیں گی' اس کے اعمال ستھرے ہوں گے اور نیکیاں بڑھیں گی۔ انتہیٰ

۲۔ تحفظ نفس کے لئے مسجد میں گوشہ نشین ہونا

امام ابن قیمؒ نے "اغاثتہ اللھفان" میں لکھا ہے کہ شیطان کے دھوکہ اور چال کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ آدمی کو کسی مسجد' فقیروں کے مسکن' خانقاہ یا سنسان مقام پر گوشہ نشینی کا حکم دیتا ہے' وہاں اسے روکتا ہے اور نکلنے سے منع کرتا ہے' یہ کہتا ہے کہ اگر باہر نکلو گے تو لوگوں کے سامنے بے وقعت ہو جاؤ گے' دلوں سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی اور بعض اوقات تم اپنے راستہ میں برائی دیکھو گے جس میں شیطان کے کچھ مقاصد پوشیدہ ہوں گے' مثلاً تکبر' لوگوں کو حقارت سے دیکھنا' ناموس کا تحفظ اور سرداری کا قیام' اور لوگوں کے ساتھ اختلاط میں یہ چیز ختم ہو جائے گی۔ وہ

یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے پاس آئیں اور وہ کہیں نہ جائے' لوگ اس کا قصد کریں' اور وہ کسی کا قصد نہ کرے' امراء اس کے پاس آئیں' لوگ جمع ہوں اور ہاتھ کو بوسہ دیں' اس سے اسے خوشی ہوتی ہے۔ واجبات' مستحبات اور تقرب خداوندی کی تمام چیزوں کو چھوڑ کر ایسی چیزیں اختیار کر لیتا ہے جو لوگوں کو اس سے قریب کر دیں۔ حالانکہ رسول اللہؐ بازار تشریف لے جاتے تھے بعض حفاظ حدیث کے مطابق آپؐ اپنی ضرورت کی چیز خریدتے تھے اور اسے خود لے کر[1] آتے تھے' اسے ابوالفرج ابن الجوزی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ابوبکرؓ کپڑے اٹھا کر بازار لے جاتے تھے اور خرید و فروخت کرتے تھے۔ عبداللہ بن سلام اس حال میں گزرے کہ ان کے سر پر لکڑی کا گٹھرا تھا' لوگوں نے کہا کہ آپ کو اللہ نے بے نیاز بنایا ہے' ایسا کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس طرح تکبر دور کرتا ہوں کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَبْدٌ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنَ الْكِبْرِ۔[2]

---

[1] شاید مصنف کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے کہ نبی ﷺ ابوہریرہؓ کے ساتھ بازار تشریف لے گئے اور پاجامہ خریدا اور ابوہریرہؓ کو یہ کہہ کر اس کے اٹھانے سے روک دیا کہ جس کی چیز ہو اسی کو اٹھانا چاہئے۔ اگر مصنف کی مراد یہ ہو تو واضح ہو کہ یہ موضوع ہے جیسا کہ میں نے "الضعیفہ" (۸۹) میں بیان کیا ہے' اور اگر کچھ اور مراد ہو تو مجھے اس کا علم نہیں۔

[2] یہ صحیح حدیث ہے' اسے طبرانی نے معجم کبیر (۲۱۶:۶۴) میں دو طریق سے عکرمۃ بن عمار سے روایت کیا ہے' انہوں نے کہا کہ محمد بن قاسم نے بیان کیا کہ عبداللہ بن حنظلہ راہب کا خیال ہے کہ عبداللہ بن سلام بازار سے اس حال میں گذرے کہ ان کے سر پر لکڑی کا گٹھر تھا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حسن اسناد ہے جیسا کہ ہیثمی (۹۹:۱) نے کہا ہے' اور اس کی مرفوع روایت کے ان کے یہاں بہت سے شواہد ہیں' اسے مسلم (۷۵:۱) اور ابوداؤد (۱۸۱:۲) اور ترمذی (۲۶:۱) نے ذکر کیا ہے۔ ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے' اسے ابن خزیمہ نے التوحید (۲۴۷) میں اور احمد (۴۵۱:۱) نے اور ابن سعد (۴۷۵:۷) نے ابن مسعود کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

ایسا بندہ جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ جب مدینہ کے گورنر تھے اس وقت بھی لکڑیاں اور دوسری ضرورت کی چیزیں اٹھا کر لاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اپنے امیر کو راستہ دو' اپنے امیر کو راستہ دو۔ حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں کسی ضرورت سے پیدل نکلے۔ آپ کو تھکن محسوس ہوئی' ایک غلام کو گدھے پر سوار دیکھا تو اس سے کہا کہ میں تھک گیا ہوں مجھے سوار کر لو' غلام سواری سے اتر گیا اور کہا کہ امیر المومنین آپؓ سوار ہو جایئے' آپؓ نے فرمایا کہ تم سوار ہو جاؤ' میں تمہارے پیچھے بیٹھوں گا' پھر آپؓ غلام کے پیچھے بیٹھے اور اسی طرح مدینہ میں داخل ہوئے' لوگ آپؓ کو دیکھ رہے تھے۔

۳۔ کسب معاش چھوڑ کر مسجد میں سکونت پذیر ہونا

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کے "باب المغرورین" میں لکھا ہے کہ ایک جماعت مال سے بے نیاز اور معمولی لباس و خوراک پر قانع ہے' یہ مسجدوں میں رہتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ وہ زہد کے مقام پر فائز ہے' حالانکہ ساتھ ہی اسے جاہ' علم' وعظ یا زہد کے ذریعہ سرداری کی بھی خواہش رہتی ہے۔ ایسا شخص آسان چیز چھوڑ کر مشکل چیز اختیار کر رہا ہے' اسے دھوکہ لگا ہے' سمجھتا ہے کہ میں زاہد ہوں۔ اسے دنیا کا معنی معلوم نہیں' اور یہ بھی نہیں سمجھتا کہ اس کی آخری لذت سرداری ہے' اور اسے چاہنے والا یقیناً منافق' حاسد' متکبر' ریا کار اور جملہ اخلاقی خرابیوں سے متصف ہوتا ہے۔ جب کبھی سرداری چھوڑ کر تنہائی گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے اس وقت بھی فریب میں رہتا ہے' اس لئے کہ ایسے وقت میں مالداروں کے سامنے بڑائی کا اظہار کرتا ہے' سخت کلامی کرتا ہے' ان کی طرف حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اپنے لئے ان سے زیادہ کی امید رکھتا ہے۔ اپنے عمل پر خوش ہوتا ہے' مال دیا جاتا ہے تو اس ڈر سے نہیں لیتا کہ لوگ کہیں گے کہ اس کا زہد ٹوٹ گیا۔ اگر اس سے یہ کہا جائے

کہ یہ مال حلال ہے' ظاہر میں لے لو اور خفیہ طور پر واپس کر دو تو اس کی طبیعت اسے گوارا نہیں کرتی۔ اس ڈر سے کہ لوگ مذمت کریں گے' اسے اصل میں لوگوں کی تعریف درکار ہوتی ہے جو دنیا کی لذیذ ترین چیز ہے' وہ اپنے کو زاہد سمجھتا ہے لیکن یہ دھوکہ ہے' کیونکہ خود مالداروں کی عزت کرتا ہے اور غریبوں پر انہیں فوقیت دیتا ہے' اپنے مریدوں اور تعریف کرنے والوں کی جانب مائل رہتا ہے اور دوسروں سے نفرت کرتا ہے' یہ سب شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے' اللہ ہمیں پناہ میں رکھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو جسمانی عمل کے لئے اپنے اوپر سختی کرتے ہیں' مثلاً رات دن میں ہزار رکعت نماز پڑھتے ہیں' قرآن ختم کرتے ہیں' حالانکہ دل پر نظر نہیں رکھتے' نہ اسے ریاء و تکبر اور خود پسندی سے پاک کرتے ہیں۔ اپنے کو بخشا بخشایا جانتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ دل کی حالتوں پر ان کا مواخذہ نہیں ہوگا' ظاہری عبادتوں کی وجہ سے اپنا پلہ بھاری سمجھتے ہیں' حالانکہ متقی کا ایک ذرہ اور دانش مند کا ایک اخلاقی عمل ان جسمانی اعمال سے اچھا ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگوں میں بد خلقی و سخت کلامی کے ساتھ ساتھ ریاء کاری اور تعریف پسندی کا جذبہ بھی ہوتا ہے' جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ اولیاء و قطب اور اللہ کے محبوب ہیں تو اسے سچ سمجھتے ہیں' خوش ہوتے' مزید غرور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کی تعریف و تزکیہ اللہ کی رضا مندی کی دلیل ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ لوگ ان کی تعریف اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں ان کے باطنی خبث کا حال معلوم نہیں۔ انتہیٰ

۴۔ مساجد و مدارس میں گوشہ نشینی اور اس کے مفاسد

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے عقل و گویائی سے نوازا تاکہ معاشرہ میں دوسروں کو فائدہ پہنچائے اور زندگی کے میدان میں جد و جہد کے ذریعہ خود بھی فائدہ اٹھائے' لیکن انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تخلیق کے فلسفہ سے غافل ہیں' اور وحشیوں کی طرح الگ تھلگ خاموش زندگی کو بہتر سمجھتے ہیں' پھینکی پڑی یا صدقہ کی

چیزوں پر راضی ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ بہت اچھے حال میں ہیں۔ حالانکہ ان کا وجود ملک و قوم کے لئے آفت سے کم نہیں۔

یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ اسلاف میں جن لوگوں نے گوشہ نشینی اختیار کی تھی وہ ایسے ہی لوگ تھے' کیونکہ ان کی گوشہ نشینی کا سبب یا تو سیاسی معاملہ ہوتا تھا یا اپنے اجتہاد کی بناء پر وہ ایسا کرتے تھے اگرچہ اپنے مقصد میں معصوم عن الخطاء نہیں تھے' یا اپنی افتاد طبع سے ایسا کرتے تھے یا کسی علمی کام کے لئے تنہائی پسند کرتے تھے' یا اسی طرح کا کوئی اور مقصد ہوتا تھا۔ ہمارے سامنے نبی ﷺ اور صحابہ کرام کی سیرت موجود ہے' ان میں سے کوئی بھی مسجد میں گوشہ نشین نہیں ہوا' نہ یہ پسند کیا کہ معاش کے معاملہ میں دوسروں پر بوجھ بنے اور امت سے متعلق اپنی ذمہ داریوں سے پہلوتہی برتے۔

گوشہ نشینی سے جو نقصانات ہوتے ہیں ان کی تلافی اختلاط و اجتماع سے ہو سکتی ہے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اختلاط کے محرکات مندرجہ ذیل ہیں' مثلاً تعلیم و تعلم' نفع و انتفاع تادیب و تادب' مانوس ہونا اور مانوس کرنا' ثواب حاصل کرنا اور پہنچانا' تاکہ حقوق ادا کئے جا سکیں' تواضع کی عادت پڑے اور حالات کو دیکھ کر تجربہ اور عبرت حاصل ہو سکے آگے انہوں نے تفصیل کی ہے اور اختلاط کے چھٹے فائدے کے ضمن میں بعض نمائشی صلحاء کی گوشہ نشینی کے مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بہت سے لوگ گھر میں گوشہ نشینی اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ ان میں تکبر ہوتا ہے' مجلس میں اگر جائیں تو وہاں توقیر نہیں ہوتی اور آگے نہیں بڑھائے جاتے۔ یا پھر یہ سوچ کر لوگوں سے اختلاط نہیں رکھتے کہ اس طرح مرتبہ اونچا رہے گا اور لوگوں میں ہمیشہ ذکر ہوتا رہے گا' یا اس خیال سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں کہ اس طرح برائیاں چھپی رہیں گی۔ اگر لوگوں سے ملتے رہے تو پھر زہد و عبادت کی حقیقت کھل جائے گی۔ ایسے لوگ گھر کو اپنی برائیاں چھپانے کے لئے پردہ بناتے ہیں اور لوگوں پر اپنے زہد و تعبد کا رعب ڈالے رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کی

آمد کو پسند کرتے ہیں لیکن خود کسی یہاں نہیں جاتے' عوام اور سلاطین جب ان کے پاس آتے ہیں تو انہیں خوشی ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو گھروں میں اس مقصد سے روکے رکھتے ہیں تاکہ عوام ان کے بارے میں اچھا عقیدہ رکھیں اور ذکر خیر کریں تو ایسے لوگ دنیا میں مشقت اٹھاتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو اور بڑا ہے' کاش یہ لوگ سمجھیں۔ انتہیٰ

۵۔ مساجد سے انسیت رکھنے والے بینا اور پاک دامن لوگ

بہت سے بینا حفاظ مسجدوں میں حلقے بنا لیتے ہیں تاکہ لوگ انہیں دیکھ لیں اور ان کے ساتھ احسان کریں۔ لیکن اکثر لوگ ان سے غافل رہتے ہیں اور شادی و غمی کے علاوہ کسی اور موقع پر انہیں نہیں بلاتے۔ لیکن یہ مواقع بہت کم آتے ہیں' اور ان میں جو کچھ ملتا ہے اس سے ان کی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے بال بچے ہوتے ہیں' مکان کا کرایہ دینا ہوتا ہے' اور اسی طرح کے دوسرے مسائل رہتے ہیں' یہ لوگ بہت زیادہ توجہ اور احسان کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ جب میں کسی بینا شخص کو دیکھتا ہوں تو میرا دل اس کے حال پر افسوس سے پھٹنے لگتا ہے' خصوصاً جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ تلاوت قرآن کے ذریعہ لوگوں سے سوال کرتا ہے' حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ کہاں ہیں مالدار؟ کہاں ہیں اہل خیر؟ اور کہاں ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھیں:

لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکتے جب تک اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرو۔

ان فقیروں کا حال بڑا قابل رحم ہوتا ہے خصوصاً جو ان میں سے بینا ہوتے ہیں۔ مالداروں کو ان پر غور کرنا چاہئے کہ بہت سے ملکوں میں ایسے مفلسوں پر غیر معمولی توجہ دی جاتی ہے' ان کے لئے اقامت گاہ بنا کر ان میں لکھنے پڑھنے اور دوسرے کام

سکھانے کا انتظام ہوتا ہے' معلوم نہیں ہم لوگ کب ان چیزوں پر توجہ دیں گے اور ایسے نیک کاموں کو رواج دیں گے؟ مفلس حافظ قرآن دوسروں کے مقابلہ میں توجہ کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ اس میں افلاس کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن کی صفت موجود ہے' یہی چیز مسجد کے خدام' مؤذن' اور حاضرباش لوگوں کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ مسجد میں کچھ لوگ ایسے بھی رہتے ہیں جو سوال سے پرہیز کرتے ہیں' یہ اچھے خاندان و گھرانے کے ہوتے ہیں' بعض کا صوفیاء و صلحاء کے گھرانوں سے تعلق ہوتا ہے' لیکن وقت بگڑ جانے سے اور کسب معاش کے لئے محنت نہ کر سکنے کی بناء پر مفلسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ احسان و سلوک کے زیادہ مستحق ہیں' بے نیازی اور شرم سے یہ خاموش رہتے ہیں لیکن ایمان کی فراست رکھنے والے انہیں پہچانتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ' تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ' لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَّ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔(البقرہ۔ ۲۷۳)

جو مال خرچ کرو گے اس کا بدلہ پورا ملے گا اور تمہارا کچھ نقصان نہ ہوگا' ان محتاجوں کو دو جو اللہ کی راہ میں بند ہو رہے ہیں زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔ ناواقف لوگ ان کو نہ مانگنے کی وجہ سے مالدار سمجھتے ہیں مگر تو ان کے چہروں سے ان کو پہچان لیتا ہے وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے' اور تم جو مال خرچ کرو گے تو اللہ اس کو جانتا ہے۔

نبی ﷺ کا فرمانا ہے کہ:

لَيْسَ الْمِسْكِيْنَ الَّذِيْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ فَترده اللقمة واللقمتان وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ' وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنَ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا

يُتَفَطَّنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ، وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ۔[1]

مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں کا چکر لگائے اور لقمہ' دو لقمہ' یا کھجور دو کھجور لے کر واپس ہو جائے' بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس نہ تو مال ہو نہ لوگ اس کی غربت کو سمجھ سکیں کہ اس کو صدقہ دیں اور نہ تو وہ خود اٹھ کر لوگوں سے سوال کرے۔

(اسے امام مالک' احمد' شیخین نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے)

مصری شاعر حافظ ابراہیم نے کیا خوب کہا ہے:

اَيُّهَا الْمُصْلِحُوْنَ ضَاقَ بِنَا الْعَيْشُ وَلَمْ تُحْسِنُوْا عَلَيْهِ الْقِيَامَا

اے مصلحین! ہماری زندگی تنگ ہو چکی ہے اور تم اس کی صحیح نگرانی نہیں کر رہے ہو۔

عَزَّتِ السِّلْعَةُ الذَّلِيْلَةُ حَتّٰى بَاتَ مَسْحُ الْحِذاءِ خطبًا جسامًا

معمولی سامان اہم ہو گئے ہیں' یہاں تک کہ جوتا صاف کرنا بڑا کام مانا جاتا ہے۔

وَ غداً الْقُوْتُ فِيْ يَدِالنَّاسِ كَالْيَا قُوْتِ حَتّٰى نَوَى الْفَقِيْرُ الصِّيَامَا

روزی یاقوت کی طرح نایاب ہے جس کی وجہ سے فقیر روزہ رکھنے کی سوچ رہے ہیں۔

يَقْطَعُ الْيَوْمَ طَاوِيًا وَ لَدَيْهِ دُوْنَ رِيْحِ الْقُتَارِ رِيْحُ الْخزامى

پورے دن خالی شکم رہتا ہے' اس کے پاس سے گوشت کے بجائے گھاس کی مہک آتی ہے۔

وَ يخَالُ الرَّغِيْفَ فِي الْبُعْدِ بَدْرًا وَ يَظُنَّ اللُّحُوْمَ صَيْداً حَرَاما

اور روٹی کو چاند کی برابر دور سمجھتا ہے۔ اور گوشت کو حرام شکار تصور کرتا ہے۔

اِنْ اَصَابَ الرَّغِيْفُ مِنْ بَعْدِ كَدٍّ صَاحَ مَنْ لِيْ بِاَنْ اَصِيب الاوامَا

---

[1] صحیح حدیث ہے' اس کی تخریج "مشکلة الفقر" (۷۷) میں موجود ہے۔

اگر مشکل سے روٹی مل بھی جاتی ہے۔ تو پھر سالن کے لئے چیختا پھرتا ہے۔

اَیُّهَا الْمُصْلِحُوْنَ اَصْلَحْتُمُ الْاَرْ ضَ وَبِتُّمْ عَنِ النُّفُوْسِ نِيَامَا

اے مصلحین! تم نے زمین کی اصلاح کی لیکن انسانی نفوس سے غافل رہے۔

اَصْلِحُوْا اَنْفُسًا اَضَرَّبِهَا الفق رُوَ اَحْیَا بِمَوْتِهَا الاثامَا

ان جانوں کی اصلاح کرو جن کو محتاجی نے تکلیف پہنچائی ہے اور ان کی موت سے گناہوں کو زندہ کیا ہے۔

لَیْسَ فِیْ طَوْقِهَا الرَّحِیْلُ وَلاَ الجد وَالاَّ اَنْ تُوَاصِلَ الاقْدَامَا

ان کے بس میں نہ تو سفر ہے اور نہ کوشش ہے اور نہ اقدام۔

یُّهَا الْمُصْلِحُوْنَ رِفْقًا بِقَوْمٍ قَیَّدَ الْعِجْزُ شَیْخَهُمْ وَالْغُلاَمَا

اے مصلحین! ان لوگوں پر رحم کرو جن کے بوڑھوں اور بچوں کو عاجزی نے مقید کر دیا ہے۔

وَاَغِیْثُوْا مِنَ الْغَلاَءِ نُفُوْسًا قَدْ تَمَنَّتْ مَعَ الْغَلاَءِ الْحِمَامَا

گرانی میں ان لوگوں کی مدد کرو جو موت کی تمنا کر رہے ہیں۔

ایک شعر میں ہے ؎

قَدْ شَقِیْنَا وَ نَحْنُ کَرَّمَنَا اللّٰهُ بِعَصْرٍ یُکَرَّمُ الْاَنْعَامَ

ہم بد بختی میں پڑے ہیں' حالانکہ (خدا ہمیں عزت دے) ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس میں جانور بھی معزز ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ مجھ سے ایک اہلحدیث (سلفی) نے فقہاء کے اس عمل کے بارے میں سوال کیا تھا کہ نماز کے کفارہ میں فقیر کو درہموں کی تھیلی دی جاتی ہے' پھر اسے اس سے واپس لے لیتے ہیں' ایسا چند بار کرنے کے بعد اسے تھوڑے سے درہم دے دیتے ہیں' کیا یہ ماثور ہے؟ اگر ماثور نہیں تو کیا بدعت سے بچنے کے لئے اسے چھوڑنا بہتر نہیں؟

میں نے اس کا جواب دیا تھا کہ یہ کیفیت ماثور نہیں ہے' بعض ائمہ نے

روزے، قسم اور نذر کے کفاروں پر قیاس کرتے ہوئے اسے جائز بتایا ہے، چونکہ اس سے فقراء کو فائدہ ہوتا ہے، اور صدقہ ایک مستحب کام ہے، اس لئے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ [1] لیکن بعض مالدار اشخاص کا فقہا کے بتانے سے بھری ہوئی تھیلی کو ہبہ کرنا اور پھر اسے واپس لے لینا فقراء کے حق کو ختم کرنے کا حیلہ ہے اور اصل مسئلہ کے ساتھ کھیل۔ واضح رہے کہ جس حیلہ سے کوئی واجب ساقط ہوگا اس کو عمل میں لانے والا اللہ کے یہاں بری نہیں ہو سکتا، جیسا کہ فقہاء نے بیان کیا ہے اور ابن قیم نے اغاثتہ اللہفان میں اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ لیکن میرا قول یہ ہے کہ فقراء پر ظلم کے باوجود یہ فعل مکروہ نہیں، اگر اسے مکروہ کہا جائے تو ڈر ہے کہ جو کچھ فقراء کو ملتا ہے وہ بھی بند ہو جائے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ ہاں مالدار لوگ البتہ قابل ملامت ہیں کہ کثیر مال و جائیداد اس طرح سمیٹے رہتے ہیں کہ گویا سب کچھ انہی کے لئے بنا ہے اور ان کے مال میں کسی اور کا حق نہیں۔ فقہاء جو مالداروں کو یہ حیلے بتاتے ہیں اور امت کے رؤساء و قائدین جو محتاجوں کے بارے میں کبھی سوچتے نہیں، یہ سب لوگ بھی قابل ملامت ہیں، اگر سب مل کر اصلاح کی کوشش کریں اور ہر طبقہ میں علم کی روشنی پھیل جائے تو یقیناً یہ بدعتیں ختم ہو جائیں گی اور ان کے بادل چھٹ جائیں گے، کیونکہ جہالت، علم کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی، اور حق باطل کو دبا کر رہتا ہے:

---

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ مصنف کی رائے ہے، لیکن ہم اسے درست نہیں سمجھتے، یہ سلف سے منقول نہیں اور بھلائی ان ہی کی پیروی میں ہے، اس لئے سلفی کے قول کے مطابق اسے چھوڑنا ہی بہتر ہے بلکہ واجب ہے، اس لئے غیر مشروع فعل سے اللہ کا تقرب بہت بڑی گمراہی ہے۔ محض فقیر کے نفع کے خیال سے اسے مستحسن قرار دینا مؤلف جیسے سلفی عالم کا بہت تعجب انگیز خیال ہے، ایسے علماء سے مخفی نہیں کہ مقصد، ذریعہ کو جائز نہیں بناتا۔ مجھے لگتا ہے کہ مصنف محتاجوں پر نرمی و مروت کے جذبہ سے مجبور ہونے کی وجہ سے مذکورہ رائے کی غلطی کو نہیں سمجھ سکے، بہرصورت انہیں اجر ملے گا۔ واللہ المستعان۔ (ناصرالدین)۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔ (الانبیاء: ۱۸)

بلکہ ہم تو سچ کو (پتھر کی طرح) جھوٹ پر ڈالتے ہیں' پھر وہ اس کو کچل ڈالتا ہے پس وہ جھوٹ اسی وقت ملیا میٹ ہو جاتا ہے۔

۶۔ مساجد کو خانقاہ کے طور پر استعمال کرنا

گزشتہ حکام نے صوفیاء کے لئے خانقاہیں تعمیر کی تھیں' جہاں مقیم رہ کر وہ اپنے اذکار و اوراد اور مخصوص حرکات و رسوم ادا کرتے تھے' صاحب "الدارس" نے متعدد خانقاہوں کے نام گنائے ہیں۔ لیکن سابقہ حکام سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے صوفیا کے مسجد میں ٹھہرنے اور اپنی رسوم کو ادا کرنے کا انتظام کیا ہو۔ کیونکہ آباد مساجد کو نماز' اور جماعت کیلئے تعمیر کیا جاتا ہے' اگر ان میں اس طرح کے کاموں کی اجازت دے دیدی جائے۔ تو مصلیوں کو عبادت میں خلل ہوگا اور بہت سے لوگ مسجدیں چھوڑ کر چلے جائیں گے' اسلئے بہتر یہی ہے کہ صوفیاء کیلئے تکئے اور خانقاہیں بنادی جائیں اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں اکٹھا ہو کر رسوم ادا کریں۔[1]

لیکن بعد کے ادوار میں بعض صوفیوں نے اپنے استاد کے مشورے سے بعض مسجدوں کو تکیہ بنانے کی کوشش کی اور وہاں پر رسوم و اوراد کا سلسلہ شروع کیا' جس سے مصلیوں کو تکلیف ہونے لگی۔ ارباب طریقت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسرے طریقہ والوں کو اپنے حلقہ ذکر میں داخل نہیں ہونے دینا چاہتے' اس لئے جب ان کے ذکر کا وقت ہو جاتا ہے اور مسجد میں بعض مصلی یا معتکف ابھی موجود رہتے ہیں تو یہ لوگ انہیں نکلنے پر مجبور کرتے ہیں اس سے یا تو زبانی کہہ دیتے ہیں یا پھر مسجد کے دروازے کی زنجیر بار بار بجاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مجبوراً چلا جاتا

---

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ نو ایجاد کاموں میں سے ہے اور ہر نو ایجاد کام بدعت ہے' اور ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے' جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے۔ (ناصرالدین)

ہے۔ حالانکہ کبھی کبھی سردی کی وجہ سے کوئی شخص مسجد میں آتا ہے کہ وہاں ٹھنڈک سے محفوظ رہ کر تھوڑا وقت گزارے اور اللہ کی یاد کرے' لیکن اسے مجبوراً باہر جانا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارا خیال ہے کہ تقویٰ اور نیکی کا کام یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو مخصوص مقامات متعین کر کے وہیں بٹھا دینا چاہئے۔[1]

۷۔ مسجد کو مکتب یا چوکیداروں کی قیامگاہ بنانا

بعض لوگوں کی خواہش یا مشورہ ہوتا ہے کہ محلہ کی مسجد کو بچوں کا مکتب بنا لیا جائے جس میں وہ قرآن' خط اور ابتدائی امور سیکھیں۔ مخفی نہ رہے کہ اس کی اجازت صرف ایسی صورت میں ہے جب کہ کوئی مسجد غیر آباد ہو اور پڑوس کا کوئی شخص اس میں نماز و عبادت کے لئے نہ جاتا ہو' ورنہ مکتب بنانے کی صورت میں مسجد کا اصل مقصد فوت ہو جائے گا۔ لیکن مسجد کو چوکیداروں کی قیام گاہ بنانا تو ناقابل معافی جرم ہے' البتہ اگر مسجد کے علاوہ کوئی اور جگہ نہ ہو اور علاقہ کے لوگوں کو حفاظت کے لئے چوکیداروں کی شدید ضرورت ہو تو اجازت دی جا سکتی ہے ورنہ قطعاً نہیں۔ بعض مسجدوں کے بارے میں مجھے بتایا گیا کہ وہاں اہل محلہ کی حفاظت کے لئے بعض پولیس والوں کو متعین کیا گیا جو مسجد میں قیام کرتے تھے' اس سے مسجد کے پڑوسیوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی' وہاں دوسری ایسی جگہ بھی موجود تھی جہاں پولیس والوں کو ٹھہرایا جا سکتا تھا' لیکن چونکہ اس جگہ کرایہ کا سوال تھا اس لئے مسجد کو اختیار کیا گیا۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ بعض پولیس والوں کی طرف سے انتہائی نامعقول حرکتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ چیز شرعی و عقلی کسی لحاظ سے بھی گوارا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر مسجد کو حکومت اپنی کسی ضرورت کے لئے استعمال کر لے مثلاً

---

[1] میں کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں' نیکی اور تقویٰ کا کام یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کی مسجدوں کی طرف رجوع کریں اور نبی ﷺ و صحابہ کرام کی سنتوں کی پابندی کریں۔ (ناصرالدین)

فوجیوں کی عمر وغیرہ کی تحقیقات وغیرہ تو یہ بھی درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے ذکر و عبادت کے کاموں میں یقیناً رکاوٹ پیدا ہوگی اور ممنوع باتوں کا ارتکاب ہوگا' اس لئے اس طرح کے کام کرنے اور ایسے کاموں میں مدد دینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۸۔ مسجد میں کمزوری کا اظہار کرنا' سر جھکانا اور پشت خم کرنا

امام ابوشامہ نے "الباعث علی انکار البدع والحوادث" میں لکھا ہے کہ جاہل عوام کے دلوں کو مائل کرنے کے لئے جو بدعتیں ایجاد کی گئی ہیں ان میں سے ایک بدعت یہ ہے کہ چلنے اور بات کرنے میں کمزوری ظاہر کی جائے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ آدمی بہت پرہیزگار و عبادت گزار ہے۔ لیکن اسلام اس کا مخالف ہے' نبی ﷺ اور صحابہ کا عمل اس سے مختلف تھا نبی ﷺ کی صفات و شمائل سے متعلق احادیث میں یہ وضاحت موجود ہے کہ جب نبی ﷺ چلتے تھے تو پیروں کو باقاعدہ زمین سے اوپر اٹھا کر مضبوطی کے ساتھ چلتے تھے۔[1]

مبرد نے "الکامل" میں روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک آدمی کو مردہ سا دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ قاری و فقیہ ہیں' انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ بھی تو قاری تھے لیکن جب چلتے تھے تو تیز چلتے تھے' بولتے تھے تو سنا کر بولتے تھے' مارتے تھے تو سخت مارتے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ عبادت کا اظہار کرتا ہے اور کمزوری جتلاتا ہے' آپ نے اسے درہ سے آہستہ سے مارا اور کہا کہ ہمارے دین کو ہم پر مردہ نہ بناؤ' اللہ تمہیں مردہ

---

[1] یہ صحیح حدیث ہے' اسے ابن سعد نے طبقات (۱: ۴۱۰' ۴۱۱) میں دو طریق سے حضرت علی سے روایت کیا ہے لقیط بن صبرہ کی ایک صحیح الاسناد حدیث اس کی شاہد بھی ہے جس کی تخریج "صحیح السنن" (۱۳۱) میں موجود ہے۔

بنائے۔ امام احمد نے ابوالدرداء سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: منافقانہ خشوع سے اللہ کی پناہ مانگو۔ لوگوں نے پوچھا کہ منافقانہ خشوع کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جسم سے خشوع ظاہر ہو اور دل میں خشوع نہ ہو۔

مدائنی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص کے پاس لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنی مجلس میں روتے ہیں' لیکن اب جب مجلس میں بیٹھو تو سب لوگوں کی طرح رہو اور رویا نہ کرو۔"

ابن عساکر نے ابن مبارک سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ادھم کو کبھی تسبیح یا خیر کا کوئی اور کام ظاہر کرتے ہوئے نہیں دیکھا' جب وہ لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے تو سب سے بعد میں ختم کرتے تھے۔ انہیں سے مروی ہے کہ "مجھے ایسے قاری پسند ہیں جو کشادہ رو' اور ہنس مکھ ہوں' لیکن ایسے قراء جن سے تم ہنس کر ملو اور وہ ترش روئی سے ملیں گویا تم پر اپنے علم کا احسان جتلا رہے ہیں' تو اللہ ان کی تعداد نہ بڑھائے۔"

ابو شامہ کہتے ہیں کہ "انہوں نے جس کشادہ روئی کی طرف اشارہ کیا ہے وہی نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور علماء امت کا امتیاز تھی۔ ائمہ میں سعید بن مسیب' شعبی' ابن سیرین اوزاعی' لیث بن سعد اور شافعی وغیرہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ کشادہ روئی کا معاملہ کرتے تھے' البتہ دین کے معاملہ میں کبھی نرمی سے کام نہیں لیتے تھے۔

۹۔ گاؤں کے بعض ائمہ کی جہالت

۱۳۲۳ھ میں عید الاضحیٰ کے موقع پر میں غوطہ کے ایک گاؤں میں تھا' طلوع آفتاب کے کچھ دیر بعد ہم وہاں کی مسجد میں عید کی نماز کے لئے گئے' امام کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھایا گیا' اتفاق سے امام نے بھول کر دوسری رکعت سے پہلے کی زائد تکبیریں چھوڑ دیں پھر ان کو بعد میں کہا اور سجدہ سہو کیا۔ حالانکہ ایسی صورت

میں نہ تو سجدہ سہو کی ضرورت تھی نہ تکبیروں کو دہرانے کی۔ امام شافعیؒ نے "الام" میں لکھا ہے کہ امام اگر عید کی کل یا بعض تکبیروں کو بھول جائے اور قرأت شروع کر دے پھر قرأت روک کر تکبیر کہے اور قرأت شروع کرے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ قرأت شروع کر لینے کے بعد اسے بیچ سے قرأت کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا اور نہ یہ کہ قراءت سے فارغ ہو کر تکبیر کہے۔ دوسری رکعت میں پہلی رکعت کی بھولی ہوئی تکبیریں کہنے کا بھی حکم نہیں دیا جائے گا' کیونکہ تکبیر ذکر ہے اور ذکر جب اپنی جگہ پر نہ ہو سکے تو اس کی قضاء نہیں ہے۔ اسی طرح اگر رکوع یا سجدہ کی حالت میں تسبیح چھوڑ دے تو قیام کی حالت میں تسبیح کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر ساتوں اور پانچوں تکبیر قصداً یا بھول کر چھوڑ دے تو اسے دہرانے یا سجدہ سہو کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ ذکر ہے اور ذکر کے چھوڑنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی' یہ ایسا کام نہیں جس سے سجدہ سہو ضروری ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہا اگر تکبیر چھوڑ دے یا پھر یاد آنے پر کہے تو میں یہ پسند کروں گا' کہ دوبارہ پلٹ کر قرأت کر لے' اگر ایسا نہ کیا ہو تو پلٹنا ضروری نہیں' اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اگر تکبیر میں کمی یا زیادتی ہو جائے تو دہرانا یا سجدۂ سہو کرنا ضروری نہیں کیونکہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ امام شافعی نے ماقبل میں بہ سند حضرت ابوبکرؓ، عمر' علی' ابو ایوب' زید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ یہ سب لوگ پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہتے تھے۔ انتہیٰ۔ یہاں میں نے امام شافعی کے کلام سے اس لئے استدلال کیا ہے کہ غوطہ کے اکثر باشندے شافعی ہیں' ان کے امام کی بات ان کی نظر میں یقیناً زیادہ معتبر ہوگی۔

مخفی نہیں کہ گاؤں کے اماموں کے لئے بھی دین کی سمجھ اور سنت سے واقفیت لازمی ہے۔ یہ لوگ اس سلسلہ میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ کوئی عذر نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ممکن ہو کہ کسی کو بھیج کر ان ائمہ کو تعلیم دی جائے یا خود ان میں سے بعض کو مجبور کیا جائے کہ وہ دین سیکھنے سمجھنے کے لئے نکلیں تو یہ حکم الٰہی کی عین فرمانبرداری

ہوگی۔

۱۰۔ مسجدوں کی تعمیر وصفائی کے سلسلہ میں گاؤں کے اکابر کی کوتاہی

کسی بھی گاؤں کی مسجد میں چلے جائیے تو وہاں آپ کو ضرورت کی تمام چیزیں نظر نہیں آئیں گی۔ زمین متعفن رہتی ہے' چٹائی یا بچھونے وغیرہ اتنے اور ایسے نہیں ہوتے کہ مصلی کو ٹھنڈک سے بچا سکیں' تعمیر بھی صحیح ڈھنگ کی نہیں ہوتی' روشنی کی کمی رہتی ہے۔ بیت الخلاء استعمال کے قابل نہیں رہتے۔ اگر پوچھا جائے کہ اس خستہ حالی کا سبب کیا ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ اوقاف کی رقم کھالی جاتی ہے' یا مسجد کے بڑے بڑے پڑوسیوں کو اس کی تعمیر وصفائی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بیت المقدس کے سفر کے موقع پر عمان میں جرکسیوں کے فقیہ سے میں نے پوچھا کہ عمان کے مالدار لوگ یہاں کی عظیم الشان مسجد کی مرمت و صفائی کیوں نہیں کراتے' جو منارے گرنے کے قریب ہیں' انہیں تعمیر کیوں نہیں کراتے؟ فقیہ نے جواب دیا کہ مالدار لوگ دنیا کی تعمیر میں مصروف ہیں' آخرت کی تعمیر کی طرف ان کی توجہ نہیں ہے۔ یہی حال بہت سی مسجدوں کا ہے' اللہ تعالیٰ باحیثیت لوگوں کو مساجد کی تعمیر و صفائی اور آبادکاری کی توفیق بخشے۔

۱۱۔ تعمیر کے وقت مسجد میں ننگے پاؤں داخل ہونے والوں کا مبالغہ

بعض مسجدوں میں تعمیر یا مرمت کے وقت صحن وغیرہ میں مٹی و پتھر وغیرہ سے گرد و غبار پھیل جاتا ہے' پھر مسجد کے صحن میں بغیر جوتے کے داخل ہونے سے پیر میلا ہو جاتا ہے اور مسجد کے دوسرے حصے بھی میلے ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں اگر

جوتا پہن کر کوئی صحن میں جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں' اس سے مسجد کی بے حرمتی مقصود نہیں' کیونکہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کر سکتا۔ لیکن کچھ غلو پسند لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ تعمیر کی حالت میں بھی مسجد میں ننگے پاؤں ہی یا غیر مستعمل جوتے پہن کر داخل ہوتے ہیں۔ اس غلو و مبالغہ کا حکم شریعت نے نہیں دیا ہے' بلکہ حدیث میں اس کے خلاف مذکور ہے' کیونکہ صحابہ کرامؓ مسجد نبوی میں جوتے پہن کر بھی داخل ہو جاتے تھے اور نماز پڑھتے تھے' انہیں معلوم ہوتا تھا کہ جوتوں میں نجاست کا لگنا ممکن ہے' لیکن چونکہ زمین پر رگڑ سے ان کی طہارت ہو جاتی ہے اس لئے وہ ایسا کرتے تھے۔ ابن قیمؒ نے "اغاثتہ اللهفان" میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ مسجد کو اس وقت میں جوتوں سے بچانا چاہئے' کیونکہ اس میں اچھے قسم کے فرش اور قالین بچھے رہتے ہیں۔ لیکن ہم نے جس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کا تعلق ایک مخصوص حالت یعنی تعمیر کے وقت سے ہے۔

۱۲۔ مساجد ثلثہ کے علاوہ فضیلت کی بناء پر کسی مسجد سے انسیت

امام ابوشامہ نے "الباعث" میں لکھا ہے کہ محمد بن مسلمتہ کہتے تھے کہ تین مسجدوں (مسجد حرام' مسجد نبوی' اور مسجد اقصیٰ) کے بعد مسجد قباء کے علاوہ کسی اور مسجد میں فضیلت کے خیال سے جانا نہیں چاہئے۔ کسی مسجد میں جانے کے لئے کوئی مخصوص دن بھی متعین کرنا بدعت ہے۔ ممکن ہے کہ وقت گزرنے کے بعد لوگ اس دن کو تہوار بنالیں۔ یا مسجد کی اس دن زیارت کو فرض سمجھ لیں۔ البتہ کسی مسجد میں بغیر تعین وقت جانے میں کوئی حرج نہیں' انتہیٰ......... نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپؐ ہر سنیچر کو مسجد قباء تشریف لے جاتے تھے۔ [1] لیکن اس حدیث کا مطلب یہ

---

[1] متفق علیہ حدیث ہے۔

ہے کہ آپؐ ہر ہفتہ مسجد قباء تشریف لے جاتے تھے۔ حدیث میں "سبت" (سینچر) کے لفظ سے ہفتہ کی طرف اشارہ ہے' جیسا کہ جمعہ کا لفظ بول کر ہفتہ مراد لیتے ہیں' اس کی مثال صحیحین کی وہ حدیث ہے کہ جسے حضرت انسؓ بن مالک نے روایت کیا ہے' جمعہ کے دن نبی ﷺ نے بارش کے لئے جو دعاء فرمائی تھی اس کے ذکر کے بعد حضرت انسؓ نے کہا کہ:

فَلاَ وَاللّٰهِ مَارَائَيْنَا الشَّمْسَ سَبْتًا۔ [1]

بخدا پھر ہم نے ہفتہ بھر سورج نہیں دیکھا۔

۱۳۔ مسجد میں جوتوں کے محافظ

بعض مسجدوں میں ایسے لوگ موجود رہتے ہیں جو مسجد میں آنے والوں کے جوتے لے کر ان کی حفاظت کرتے ہیں' اس کے لئے وہ مسجد کی کسی جگہ پر قبضہ کئے رہتے ہیں' جب لوگ نماز سے فارغ ہو کر جانے لگتے ہیں تو ان کے جوتے حوالے کرتے ہیں اور حفاظت کے عوض کچھ پیسے لیتے ہیں۔ جوتوں کے ان محافظین کو اس کام سے روکنا چاہئے کیونکہ اس سے مسلمانوں کو آنے جانے میں تنگی ہوتی ہے اور مسجد کی جگہ کچھ پھنسی رہتی ہے۔ جوتوں کی حفاظت کے بہانے یہ لوگ نماز بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح مسجد کے دروازوں پر جو جوتوں کی حفاظت کے لئے بیٹھتے ہیں وہ بھی جمعہ و جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔

۱۴۔ مسجد میں بلیوں کو رکھنا

ابن الحاج نے لکھا ہے کہ لوگ پہلے اللہ کے گھروں کی توقیر و احترام کرتے تھے اور انہیں تمام نامناسب چیزوں سے پاک و صاف رکھتے تھے' لیکن اب معاملہ مختلف ہے' لوگ اس دور میں مسجدوں کے اندر بلیوں کو جگہ دیتے ہیں جن سے لوگوں کو

---

[1] اس کی تخریج "الارواء" میں موجود ہے۔

تکلیف ہوتی ہے۔ جس کسی کے گھر میں کوئی موذی قسم کی بلی ہوتی ہے وہ اسے مسجد میں چھوڑ دیتا ہے' اور یہ نہیں سوچتا کہ بلیوں سے مسجدیں گندی ہوتی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۱۵۔ مجذوب لوگوں کو مسجدوں میں جگہ دینا

بعض مسجدوں میں کچھ مجذوب اشخاص حجروں میں یا برآمدوں میں مقیم رہتے ہیں اور گندگی پھیلاتے رہے ہیں' ایسے لوگوں کو بیمار خانوں یا اسپتالوں میں رہنا چاہئے۔ یہ لوگ جہاں بھی رہتے ہیں مصیبت بن کر رہتے ہیں' کچھ تو لباس سے بے نیاز مانگتے پھرتے ہیں اور کچھ اپنی شکل بگاڑ کر بچوں کو ڈراتے پھرتے ہیں' ان میں کبھی کبھی ایسے مجذوب بھی نظر آتے ہیں جو سڑکوں پر بھٹکتے پھرتے ہیں اور مختلف قسم کی حرکتوں سے قریب پاس کے لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔ مثلاً سر کھلا رکھتے ہیں' شرمگاہ پر کوئی کپڑا نہیں ہوتا۔ بال کو اس انداز سے لٹکائے رہتے ہیں کہ بچے اور عورتیں ڈر جائیں' کفریہ کلمات اور گالیاں بکتے ہیں اور بغل میں پتھر دبائے رہتے ہیں۔ طرفہ یہ کہ کچھ لوگ ان لوگوں کے بارے میں ولایت کا عقیدہ رکھتے ہیں' اللہ ہمیں جہالت و گمراہی سے محفوظ رکھے۔ کہاں مقام ولایت اور کہاں یہ دیوانے! شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان" میں لکھا ہے کہ "بندہ اللہ کا ولی اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ وہ مومن و متقی ہو' جو شخص اللہ کا تقرب نیکیاں کئے بغیر اور برائیاں چھوڑے بغیر ڈھونڈے وہ اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح دیوانہ بھی ولی نہیں ہو سکتا' کیونکہ دیوانے کا ایمان اور اس کی عبادتیں صحیح نہیں' اور ولایت کے لئے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں' جس دیوانے کو کبھی افاقہ نہ ہو وہ مرفوع القلم (تمام احکام سے معذور) ہے' اور جیسے افاقہ ہو جاتا ہے اس سے افاقہ کی حالت میں اگر کفر' نفاق یا گناہ کا صدور ہو تو وہ کافر' منافق یا فاسق ہو گا۔ اور اگر یہ چیزیں دیوانگی کی حالت میں صادر ہوں تو کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔ اگر ولایت کا کوئی مدعی فرائض

کی ادائیگی اور محارم سے پرہیز نہ کرے بلکہ اس کے مخالف اعمال کا ارتکاب کرے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کرے کہ اس پر نبی ﷺ کی پیروی ضروری نہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ابن تیمیہؒ کی کتاب "الفرقان" ملاحظہ ہو)۔

۱۶۔ بچوں کا مسجد آنا

یہ حدیث گذر چکی ہے کہ:

وَجَنِّبُوْا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ وَمَجَانِيْنَكُمْ۔[1]

مسجدوں سے بچوں' اور دیوانوں کو دور رکھو۔

اس کا سبب یہ ہے کہ بچہ کھیل کا خوگر ہوتا ہے اور اس کے کھیل سے مصلیوں کو خلل ہوگا۔ وہ بسا اوقات مسجد کو کھیل کا میدان سمجھ لے گا جو اس کی حیثیت کے منافی ہے۔ اس لئے بچوں کو مسجدوں سے دور ہی رکھنا چاہئے۔

۱۷۔ مسجدوں میں دوا کھانا اور تعویذ وغیرہ فروخت کرنا اور صفوں میں گھس کر مانگنا

ابن الحاج نے لکھا ہے کہ مسجد میں جانوروں کے بال یا لکھنے کا چمڑہ وغیرہ بیچنے والوں کو اس سے روکا جائے گا۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں مسجدوں کے منکرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک منکر امر یہ ہے کہ جمعہ کے دن حلقے بنا کر دوا' کھانے' اور تعویذات وغیرہ فروخت کئے جائیں۔ اور جیسے سائلوں کا کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا اور اشعار وغیرہ سنانا' ان میں سے بعض چیزیں تو حرام ہیں اس لئے کہ ان میں جھوٹ اور تلبیس ہے۔ تعویذ بیچنے والے اصحاب بھی مختلف قسم کی تلبیس سے کام لیتے ہیں' اس طرح کے افعال مسجد کے اندر اور باہر ہر جگہ حرام ہیں' انہیں

---

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ضعیف غیر صحیح ہے' جیسا کہ میں بتا چکا ہوں۔

روکنا چاہئے بلکہ ہر ایسی بیع جس میں جھوٹ' تلبیس یا خریدار سے عیب چھپانے کی بات ہو وہ حرام ہے۔ انتھیٰ

سائلوں کے قیام کی جو بات امام غزالیؒ نے لکھی ہے اسی طرح کا معاملہ ان ہندوستانیوں کا ہے جو جمعہ کے دن جب خطیب منبر پر ہو صفوں کے درمیان گھس کر سامعین کے سامنے اوراق رکھ دیتے ہیں جن میں صدقہ سے متعلق آیت یا حدیث لکھی رہتی ہے' ایسے لوگوں کو بھی روکنا چاہئے۔ کیونکہ ان کے اس کام سے حاضرین کو خلل ہوتا ہے' ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان سائلین پر خطبہ سننا یا نماز پڑھنا فرض ہی نہیں' یہ لوگ اکثر مصلی کے آگے سے بھی گذر جاتے ہیں۔ جس سے اس کی اور خود نماز کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ پانی پلانے والوں اور عام سائلین کو بھی ایسے وقت میں روکنا چاہئے کیونکہ یہ وقت خاموشی' ذکر و فکر اور خشوع و خضوع کا ہے۔ اسے کسی اور کام میں ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

۱۸۔ مسجد میں کسی مخصوص جگہ قیام

مسجد میں حاضرباش بعض لوگ کوئی مخصوص جگہ یا گوشہ پسند کر لیتے ہیں' مثلاً امام کے پیچھے' منبر کے بازو میں یا آگے یا دائیں یا اونچے چبوترہ کے پاس۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ انہیں عبادت یا قیام اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اگر وہاں کوئی اور شخص آجاتا ہے تو اسے ہٹنے پر مجبور کرتے ہیں یا وہاں سے لاحول وغیرہ پڑھتے ہوئے اس انداز سے دوسری جگہ کا رخ کرتے ہیں کہ سب کو علم ہو جاتا ہے' اور کبھی تو وہاں پر موجود شخص سے کہہ دیتے ہیں کہ میں اتنے سالوں سے اس جگہ قیام کرتا ہوں' اور پھر اُسے اس جگہ سے ہٹنے پر مجبور کرتے ہیں' اس طرح کی جہالت اکثر مسجدوں میں ہوتی ہے۔ بظاہر مسجد کی کسی مخصوص جگہ سے محبت کا منشاء اور سبب درج ذیل ہوتا ہے۔ جہالت' ریاء کاری' یہ کہلانا کہ یہ فلاں کی جگہ ہے یا وہ صف اول کے نمازیوں میں ہے۔ اس سے عمل کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کسی

شخص کے اندر مذکورہ عیوب نہیں ہیں، پھر بھی کسی مخصوص مقام سے انسیت کے نتیجہ میں یہ ضرور ہو گا کہ دوسری جگہ اسے عبادت کی لذت میں کمی محسوس ہو گی، اور وہی مخصوص جگہ اسے اپنی طرف مائل کرے گی حالانکہ ایک حدیث میں ہے کہ:

نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نُقْرَةِ الْغُرَابِ وَاَنْ يُوَطِّنَ الرَّجُلُ فِي الْمَكَانِ بِالْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيْرُ۔ [1]

نبی ﷺ نے کوے کی طرح چونچ مارنے سے منع فرمایا، اور مسجد میں اونٹ کی طرح کسی خاص جگہ بیٹھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

ابن الاثیر نے "النہایہ" میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کی کسی متعین جگہ سے اس طرح مانوس نہ ہو جائے کہ مخصوص طور پر وہیں نماز وغیرہ پڑھے، جس طرح کہ اونٹ اسی جگہ بیٹھتا ہے جسے متعین کر لیا ہے خواہ کتنی ہی گندی کیوں نہ ہو جائے۔ اوطنت الارض اور وطنہا اور استوطنہا کا معنی یہ ہوتا ہے کہ کسی جگہ کو وطن اور قیام گاہ بنا لیا جائے اسی مفہوم میں یہ لفظ "نَهَى عَنْ اِيطَانَ الْمَسَاجِد" والی حدیث میں وارد ہے۔ یعنی مسجد کی کسی مخصوص جگہ کو قیام گاہ بنانے سے آپؐ نے منع فرمایا۔ شرح الاقناع میں مذکور ہے کہ "امام کے علاوہ کسی اور کا مسجد میں ہمیشہ کسی مخصوص جگہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ فتح القدیر میں حلوانی کی "النہایہ" سے منقول ہے کہ مسجد میں نماز کے لئے کسی مخصوصِ مقام کو متعین کر لینا مکروہ ہے، کیونکہ جب یہ اس کی عادت ہو جائے گی تو دوسری جگہ عبادت اس کے لئے ثقیل معلوم ہو گی اور عبادات جب عادت و طبیعت بن جائیں تو انہیں چھوڑ دینا چاہئے اسی وجہ سے ہمیشہ روزہ رکھنا مکروہ مانا گیا ہے۔" انتہیٰ

[1] یہ حدیث حسن ہے، اس کی تخریج "صحیح السنن" (۸۰۸) وغیرہ میں ملاحظہ ہو۔

۱۹۔ متولیان مساجد کی ذمہ داریاں

سب کو معلوم ہے کہ مسجد یا دوسرے موقوفہ مکانات و جائداد کے متولیوں کی شرط رہتی ہے جو موقوفہ چیز کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور کرائے وغیرہ وصول کرتے ہیں۔ مساجد و مدارس وغیرہ کی وقفیہ تحریروں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر وقف کرنے والے کی طرف سے متولی کے لئے کچھ شرائط ہوتی ہیں جن کی خلاف ورزی سے وہ بچنے کی تاکید کرتا ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں اللہ کے عذاب و غضب سے ڈراتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وقف کرنے والے کو آئندہ ہونے والی خرابیوں کا علم ہو جاتا ہے اور وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ وقف کی یہ عمارت آگے چل کر کسمپرسی کے عالم میں ہو جائے گی۔ اس موقع پر ہم اس وقفیہ عبارت کا حوالہ دینا چاہتے ہیں کہ جسے وزیر سنان پاشا نے دمشق کی جامع کبیر سے متعلق تحریر کیا تھا' اس میں متولی کے لئے یہ شرائط مذکور ہیں' متولی کو عاقل' امانت دار' ٹھوس اور متوازن رائے والا' امانت و دیانت میں معروف اور متواضع ہونا چاہئے۔ اوقاف کی آباد کاری اور غلہ جات کے حصول کے لئے کوشاں رہے کسی بھی جگہ ایک ذرہ ضائع نہ کرے......... وقفیہ کے اختتام پر لکھا ہے کہ اللہ اور آخرت پر یقین رکھنے والے کسی بھی حاکم' قاضی یا موجود' و غیر موجود وارث کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ وقف کی ان شرطوں میں کوئی تبدیلی کرے' اگر کسی نے ان کے اندر کوئی تبدیلی کی یا انہیں دھوکے سے کالعدم بنا دیا تو وہ اللہ تعالیٰ' فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کا مستحق ہو گا۔ اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا جہاں اسے گرم پانی پلایا جائے گا۔ وقف سے متعلق تمام تحریروں میں اسی طرح بے جا تصرف اور خورد برد کرنے والوں پر لعنت بھیجی گئی ہے لیکن ان شرائط اور دھمکی و لعنت کا لحاظ بہت کم لوگ کرتے ہیں' اوقاف پر ناجائز قبضے برقرار رہتے ہیں اور عمارتیں تباہ و برباد رہتی ہیں۔

"صالحیہ" کے مدارس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح انہیں باغات اور

ویرانوں میں بدل دیا گیا ہے۔ بہت سی مسجدوں میں نہ تو وقف سے کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ کوئی متولی اپنے فرائض انجام دیتا ہے یہ ایک عظیم مصیبت ہے' معلوم نہیں اللہ کا ڈر دلوں میں کیوں نہیں؟ نہ تو حقوق کے سلسلہ میں کسی کے اندر غیرت ہے نہ موقوفہ جائداد کو بڑھانے کی فکر۔

متولیوں کی ذمہ داریاں اور اس منصب کے لئے آداب و احکام بہت اہم ہیں' اسی وجہ سے خیر پسند لوگ اس سے ہمیشہ دور بھاگتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند آداب ذیل میں درج ہیں۔ آداب و احکام میں سے یہ ہے کہ مسجد کا متولی مسجد کی اصلاح و تعمیر کا خیال رکھے' اوقاف کو بڑھاتا اور مفید بناتا رہے' غیرت مند بنا رہے۔ اگر کسی محصل کی ضرورت ہو تو اس کا انتظام کرے' کاتب چاہتا تو کاتب رکھے اور آمد و خرچ کا مکمل حساب رکھے برابر مسجد کے حال پر نظر رکھے تاکہ خادم صفائی ستھرائی اور چٹائی وغیرہ کی حفاظت کرتا رہے۔ مؤذن اذان میں سستی نہ کرے' امام امامت میں کوتاہی نہ کرے اور روشنی کا بندوبست رکھنے والا کبھی اس کے نظام میں خلل نہ پیدا ہونے دے۔ قابل مرمت جائداد پر نظر رکھے طہارت خانوں کی صفائی اور نالیوں میں پانی وغیرہ صحیح طور پر بہنے کا انتظام رکھے۔ جائداد سے جو آمدنی ہو اس کا خیال رکھے اور آمدنی میں اضافہ کے لحاظ سے ملازمین کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کرے تاکہ انہیں اطمینان حاصل رہے۔ تنخواہوں میں اضافہ کے لئے یہ نہ سوچنا چاہئے کہ اس سے واقف کے شرائط کی خلاف ورزی ہوگی' کیونکہ جائداد کی آمدنی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

بعض اسلامی حکومتوں [1] نے اس مسئلہ پر توجہ دی ہے' جیسا کہ بعض مجلوں میں اس موضوع پر مضامین شائع ہوئے ہیں' ایک مضمون میں ہے کہ:

---

[1] اس وقت کی مصری حکومت کی جانب اشارہ ہے۔

"اوقاف کی آمدنی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے' لیکن مسجدوں کی ظاہری و باطنی حالت برابر خراب ہو رہی ہے' خطباء اور ائمہ کا جو حال پہلے تھا وہی اب بھی ہے۔ اہل علم و دین کی مدد اور معاشی حالت کی بہتری اوقاف کا بہترین مصرف اور بڑی نیکی کا کام ہے۔ اگر اہلیت و صلاحیت کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب تنخواہوں پر ائمہ و مؤذنین کا تقرر کیا جائے تو یہ اوقاف کی آمدنی کا بہترین مصرف ہوگا اور ساتھ ہی باقاعدہ نماز باجماعت کا اہتمام رہے گا۔ خطبے بھی مفید و مناسب ہوں گے اور اللہ کے گھروں کی حالت بھی اچھی رہے گی۔ علم دین کو اس طرح فروغ ملے گا کیونکہ اس کے سند یافتہ لوگوں کا حال جب اچھا ہوگا تو دوسروں کو اس کی تحصیل کا شوق پیدا ہوگا"۔

مدارس اور خانقاہوں کے سلسلہ میں اگر ان امور کا لحاظ رکھا جائے تو وہاں بھی اس کے اچھے اثرات ظاہر ہوں گے۔ ان امور کا لحاظ اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جبکہ انسان کے اندر تقویٰ کی صفت موجود ہو' وہ تمام مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھے۔ دوسروں کے لئے وہی چیز پسند کرے جسے اپنے لئے پسند کرتا ہے' آخرت کی کامیابی ہی کو اصل کامیابی سمجھے جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہو سکتی ہے' دنیا کو آزمائش کا گھر سمجھے اور ظلم و بے ایمانی کے برے انجام پر یقین رکھے۔

جو متولیان مساجد و مدارس سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا نہیں کرتے ان سے مجھے یہ کہنا ہے کہ:

"دیگر اقوام کی طرح وہ بھی اپنی عبادت گاہوں اور اوقاف کی جائدادوں کا پورا تحفظ کریں اور ان کی آمدنی سے پورا پورا استفادہ کریں' اس طرح وہ اپنے فرائض سے سبکدوش ہوں گے اور قوم کو بھی فائدے حاصل ہوں گے۔

۲۰۔ دفع وباء کے لئے مسجد میں دعائیہ اجتماع

علامہ عصام الدین احمد حنفی معروف بہ طاش کبریٰ زادہ نے اپنے رسالہ

"الشفاء لادواء الوباء" میں "المطلب [۱] السادس فی الدعاء برفع الطاعون من البلاد" کے زیر عنوان لکھا ہے کہ شیخ سیوطی [۲] نے لکھا ہے کہ:

اس قسم کی دعاء اور اس کے لئے اجتماع سے متعلق سوال کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فعل بدعت اور بے اصل ہے' اور اس کی توضیح درج ذیل ہے:

اول یہ کہ نبی ﷺ سے اس کے دفعیہ کی دعاء ثابت نہیں بلکہ یہ ثابت ہے کہ آپ نے امت کے لئے اس کی دعاء کی ہے' اور اسے طلب کیا ہے' [۳] جیسا کہ مذکور ہوا۔

دوم یہ کہ ابوبکر صدیقؓ نے بھی اس کی دعاء کی ہے جیسا کہ عبدالرزاق نے مصنف میں بروایت معمر عن قتادہ روایت کیا ہے کہ ابوبکرؓ جب شام کی طرف لشکر بھیجتے تھے فرماتے تھے کہ اے اللہ! انہیں قتل یا طاعون کے ذریعہ شہادت نصیب فرما۔

سوم یہ کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں طاعون واقع ہوا تھا' اس وقت صحابہ اور ان کے اکابر کی ایک بڑی تعداد موجود تھی' لیکن ان میں سے کسی کے متعلق یہ منقول نہیں کہ انہوں نے ایسا کیا یا اس کا حکم دیا' جیسا کہ یہ منقول ہے کہ انہوں نے قحط کے دفعیہ کی دعاء کی۔

چہارم یہ کہ پہلی صدی ہجری میں متعدد بار طاعون واقع ہوا' اور اس وقت صحابہ و تابعین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی' یہ امت کے بہترین افراد تھے' لیکن کسی نے

---

[۱] یعنی چھٹا مقصد شہر سے طاعون دور کرنے کے لئے دعاء کے بیان میں۔

[۲] یعنی اپنے رسالہ " ماروٰہ الواعون فی اخبار الطاعون " (پ ۱۰۸: ۲) میں جسے انہوں نے ابن حجر کی کتاب " بذل الماعون فی فوائد الطاعون " سے مختصر کیا ہے' دونوں کا مخطوطہ مکتبہ ظاہر یہ دمشق میں موجود ہے۔ (ناصرالدین)

[۳] نبی ﷺ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فَنَاءَ أُمَّتِیْ قَتْلاً فِیْ سَبِیْلِكَ بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُوْنِ" اس حدیث کی تخریج کے لئے ملاحظہ ہو "الارواء" (۱۶۳۶)

بھی طاعون کے دفعیہ کی دعاء نہ کی' نہ اس کا کسی کو حکم دیا۔ اسی طرح دوسری صدی میں جبکہ تابعین و تبع تابعین کے بہترین لوگ موجود تھے' اور تیسری و چوتھی صدی میں بھی ایسا نہیں ہوا' بلکہ طاعون کے دفعیہ کی دعاء آخری زمانہ یعنی ۷۴۹ھ کی ایجاد ہے' جیسا کہ ابن حجر نے نقل کیا ہے۔ رافعی اور نووی نے نقل کیا ہے کہ دعاء قنوت تمام نمازوں میں اور مصیبت یعنی وباء وغیرہ کے لئے مشروع ہے۔ لیکن سیوطی نے اس حکم کو طاعون کے علاوہ دوسری وباء کے ساتھ مخصوص کیا ہے' اسی وجہ سے دوسری وباؤں اور تمام بخارات اور اسباب ہلاکت کے علاوہ طاعون سے بھاگنے سے منع کیا گیا ہے۔ بعض حنابلہ کا قول ہے کہ: طاعون کے لئے قنوت نہیں پڑھی جائے گی' اس لئے کہ سلف سے طاعون عمواس وغیرہ میں قنوت ثابت نہیں' تیمی نے طاعون سے متعلق اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ: اس کے دفعیہ کی دعاء مکروہ ہے' اس لئے کہ حضرت معاذ نے ایسا نہیں کیا اور یہ دلیل پیش کی کہ وہ شہادت' رحمت اور امت کے لئے نبی ﷺ کی دعاء ہے۔ ابن حجرؒ نے تنہا تنہا دعاء کی مشروعیت کی جانب اپنا میلان ظاہر کیا ہے۔ اور اس کے لئے اجتماع کو ممنوع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بدعت ہے جو ۷۴۹ھ میں وجود پذیر ہوئی ہے' اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا! بلکہ معاملہ اور پیچیدہ ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ چیز مشروع ہوتی تو سلف' فقہاء اور ان کے متبعین سے پوشیدہ نہ رہتی اس سلسلہ میں محدثین سے ہمیں کوئی خبر یا اثر نہیں ملا اور نہ کسی فقیہ نے اس مسئلہ کو لکھا۔



باب ششم

مساجد ثلاثہ سے متعلق مشروع اور بدعت کے کاموں کے بیان میں

پہلی فصل

بیت المقدس کے بارے میں

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بیت المقدس کی زیارت سے متعلق اپنے فتویٰ میں لکھا ہے کہ مشروع عبادات مثلاً نماز' دعاء' ذکر' قرأت قرآن اور اعتکاف کے لئے بیت المقدس کے سفر کو متفقہ طور پر علماء نے مستحب مانا ہے۔ مسجد اقصیٰ میں مشروع عبادات اسی قسم کی ہیں جیسے مسجد نبوی وغیرہ میں' البتہ مسجد حرام میں مزید کعبہ کا طواف' دونوں یمانی رکن چھونا اور حجر اسود کو بوسہ دینا بھی مشروع ہے۔ لیکن مسجد نبوی' مسجد اقصیٰ یا اور کسی مسجد میں نہ تو طواف ہے' نہ کسی حصہ کو چھونا اور نہ بوسہ دینا۔ اس لئے یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص نبی ﷺ کے حجرے' انبیاء و صالحین کے مقبرے' صخرۂ بیت المقدس یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کو بوسہ دے۔ بلکہ روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں کہ خانہ کعبہ کی طرح اس کا طواف کیا جائے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کعبہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا طواف مشروع ہے وہ ان لوگوں سے بدتر ہیں جو کعبہ کے علاوہ کسی اور طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کو جائز مانتے ہیں' کیونکہ نبی ﷺ جب ہجرت فرما کر مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے اٹھارہ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے مسلمانوں کو نماز پڑھائی' اس مدت میں وہ

مسلمانوں کا قبلہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ بنا دیا اور اس سے متعلق قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں' جیسا کہ سورہ بقرہ میں مذکور ہے۔ اس کے بعد نبی ﷺ اور تمام مسلمان کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے اور یہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا' یہی حضرت ابراہیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا بھی قبلہ تھا۔ اب اگر کوئی شخص صخرہ کو قبلہ بنا کر نماز پڑھے تو وہ کافر و مرتد ہے' اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے گا یہ حکم جب اس جہت کے بارے میں ہے جو کبھی قبلہ تھی تو پھر کعبہ کے علاوہ کسی ایسی جگہ کا طواف جو کبھی مشروع نہ ہو' کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص وہاں بکری یا گائے ذبح کے لئے بھیجے اور یہ سمجھے کہ وہاں قربانی افضل ہے' یا عید میں وہاں بال منڈائے' یا وہاں نویں ذی الحجہ کی شام کو ٹھہرنے کے لئے سفر کر کے جائے تو یہ سب امور بدعت ہوں گے' انہیں عبادت سمجھ کر کرنے والے سے توبہ کرائی جائے گی' اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے گا' یہی حکم اس شخص کا بھی ہو گا جو صخرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے اور یہ خیال کرے کہ یہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کی مانند ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے مسجد اقصیٰ کے اگلے حصہ میں مسلمانوں کے لئے مصلّٰی بنا دیا تھا' کیونکہ مسجد اقصیٰ تو اس مسجد کے پورے حصہ کا نام ہے جسے حضرت سلیمانؑ نے تعمیر کیا تھا۔ بعض لوگ "اقصیٰ" اس مصلّٰی کو کہتے ہیں جسے حضرت عمرؓ نے مسجد کے اگلے حصہ میں تعمیر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے تعمیر کردہ اس مصلّٰی کی نماز مسجد کے بقیہ حصوں کی نماز سے افضل ہے' اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو صخرہ پر بڑا سا کوڑا خانہ تھا' کیونکہ عیسائی یہودیوں کی دشمنی میں اس کی توہین کرتے تھے تو آپ نے وہاں سے نجاست دور کرنے کا حکم دیا اور کعب احبار سے پوچھا کہ آپ کی رائے میں ہمیں مسلمانوں کا مصلّٰی کہاں بنانا چاہیے؟ انہوں نے جواب دیا کہ: صخرہ کے پیچھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے یہودی زادے' تم میں یہودیت کی آمیزش ہے' میں مصلّٰی صخرہ کے آگے بناؤں گا کیونکہ ہمارے لیے مسجدوں کے اگلے حصے ہیں' اسی لئے امت کے ائمہ جب مسجد اقصیٰ میں

داخل ہوتے ہیں تو اسی مصلّٰی پر نماز پڑھتے ہیں۔ جسے حضرت عمرؓ نے تعمیر کیا تھا۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے محراب داؤد میں نماز پڑھی' لیکن صخرہ کے پاس نہ تو حضرت عمرؓ نے اور نہ ہی کسی صحابی نے نماز ادا کی۔

خلفائے راشدین کے عہد میں اس پر قبہ بھی نہیں تھا بلکہ عمرؓ' عثمانؓ' علیؓ' معاویہؓ' یزید اور مروان کے زمانہ میں وہ کھلا ہوا تھا' لیکن جب ان کے بیٹے عبدالملک شام کے والی بنے تو ان کے اور عبداللہ بن زبیر کے مابین فتنہ رونما ہوا' لوگ مکہ حج کے لئے جاتے تو عبداللہ بن زبیر سے ان کی ملاقات ہوتی' عبدالملک نے ابن زبیر سے لوگوں کو پھیرنے کے لئے صخرہ پر قبہ تعمیر کر دیا اور جاڑے و گرمی میں اس پر غلاف ڈال دیا تاکہ لوگ بیت المقدس کی زیارت کے مشتاق ہو جائیں اور ابن زبیر سے ان کی ملاقات کا سلسلہ ختم ہو جائے' لیکن اہل علم صحابہؓ و تابعین صخرہ کی کسی طرح کی تعظیم نہیں کرتے تھے[1] کیونکہ وہ منسوخ قبلہ ہے' جس طرح کہ سنیچر کا دن موسیٰؑ کی شریعت میں عید کا دن تھا' لیکن شریعت میں اس کی جگہ جمعہ کا دن مقرر ہوا۔ اب مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ سنیچر اور اتوار کو کسی عبادت کے ساتھ مخصوص کریں' جیسا کہ یہود و نصاریٰ کرتے ہیں۔ اسی طرح یہود اور بعض عیسائی صخرہ کی تعظیم کرتے ہیں' لیکن بعض جاہلوں کا یہ کہنا ہے کہ وہاں پر نبی ﷺ کے قدم اور عمامہ کا اثر ہے' بالکل جھوٹ ہے۔ اسی طرح جس جگہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارہ ہے' جھوٹ ہے۔ اسی طرح یہ خیال بھی کہ وہیں پل صراط اور میزان ہے' اور جنت و جہنم کے مابین فاصل دیوار مسجد کی

---

[1] میں کہتا ہوں کہ آج لوگ اس کی تعظیم کرتے ہیں اور وہاں نماز بھی پڑھتے ہیں جو سلف کے عمل سے مختلف ہے۔ یہود نے اسے بمباری کر کے تباہ کر دیا تو اسکی مرمت میں بہت سی رقم صرف ہوئی' آج وہ یہود ہی کے قبضہ میں ہے اور اس کا سبب مسلمانوں کی بد عملی اور شریعت سے دوری ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین پر عمل کی توفیق بخشے تاکہ دشمن کو اپنے ملک سے نکال سکیں۔ (ناصرالدین)

مشرقی دیوار ہے اسی طرح زنجیر اور اس کی جگہ کی تعظیم مشروع نہیں' بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے علاوہ کوئی جگہ ایسی نہیں جس کا عبادت کے لئے قصد کیا جائے' لیکن اگر قبرستان کی زیارت کرے اور مردوں کے لئے سلام و دعا کرے جیسا کہ نبی ﷺ صحابہ کو تعلیم دیتے تھے' تو یہ بہتر ہے۔ نبی ﷺ صحابہ کو یہ بتاتے تھے کہ جب قبرستان جاؤ تو یہ دعاء پڑھو:[1]

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ' وَ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ وَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَ مِنْكُمْ وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ' نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ' اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ' وَ اغْفِرْلَنَا وَ لَهُمْ۔

مسلمان گھرانوں کے مومن مرد اور عورتو تم پر سلامتی ہو' اور ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے آگے اور پیچھے آنے والوں پر رحم فرمائے ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت مانگتے ہیں اے اللہ ان کے اجر سے ہمیں محروم نہ کرنا اور نہ ان کے بعد ہمیں آزمانا اور ہمیں اور ان کو بخش دے۔

انہوں نے مزید لکھا ہے کہ: بیت المقدس کی زیارت تمام اوقات میں مشروع ہے' لیکن پھر بھی ایسے اوقات میں زیارت نہیں کرنی چاہیے جن سے گمراہی مقصود ہوتی ہے' گمراہ لوگوں سے مشابہت اور ان کی تعداد میں اضافہ سے بچنا چاہئے۔ نبی

---

[1] اس دعاء کے بارے میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں جن کے الفاظ قریب قریب ہیں' کچھ حدیثوں کی تخریج "احکام الجنائز و بدعھا" (ص ۱۸۹۔۱۹۱) میں موجود ہے' لیکن کسی میں "والمؤمنات" کا لفظ موجود نہیں ہے۔ البتہ بعض میں "والمؤمنین" کا لفظ موجود ہے۔ ان میں "اللھم لاتحرمنا" کے الفاظ بھی نہیں ہیں' میت کے لئے یہ دعاء جنازہ کی نماز میں وارد ہوئی ہے لیکن اس میں "واغفرلنا ولھم" نہیں ہے ملاحظہ ہو مذکورہ ماخذ کا (ص ۱۲۴)۔ (ناصرالدین)

ﷺ نے معراج کی رات بیت المقدس میں دو رکعت نماز ادا فرمائی تھی، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے لیکن آپؐ نے کسی اور جگہ نماز نہیں پڑھی۔ حدیث معراج میں بعض لوگوں کی یہ روایت کہ آپ نے مدینہ میں، موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس اور قبر خلیل علیہ السلام کے پاس نماز ادا فرمائی تھی، جھوٹ اور موضوع ہے (یہ ابن تیمیہؒ کے فتویٰ کا خلاصہ ہے، اس کا تتمہ اور مقدمہ بہت عمدہ ہے اسے ملاحظہ کرنا چاہئے)۔

دوسری فصل

مسجد خلیل کے بیان میں

امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "تفسیر سورہ اخلاص" میں لکھا ہے کہ چونکہ قبروں کو مسجد بنانا اور قبروں پر مسجد تعمیر کرنا حرام ہے اس لئے کہ اس قسم کی کوئی چیز صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں نہیں تھی، کسی بھی قبر پر کسی مسجد کا علم نہیں۔ حضرت ابراہیم خلیلؑ جس غار میں دفن ہوئے تھے اس کا راستہ مسدود تھا، کوئی وہاں جاتا نہیں تھا، نہ صحابہؓ وہاں کا یا کسی اور مسجد کا قصد کرتے تھے، کیونکہ صحیحین میں ابوہریرۃ اور ابوسعید سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

> لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، اَلْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَ الْمَسْجِدَ الْاَقْصٰی وَ مَسْجِدِیْ هٰذَا۔[1]

> تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کا سفر نہ کیا جائے، یعنی مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد (مسجد نبویؐ)

اس لئے ان میں سے جو بھی آتے تھے مسجد اقصیٰ میں آتے تھے اور نماز پڑھ کر غار خلیلؑ وغیرہ گئے بغیر واپس چلے جاتے تھے، یہ غار بند رہتا تھا، پھر چوتھی صدی کے

---

[1] صحیح حدیث ہے، اسے صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ تخریج کے لئے ملاحظہ ہو "الارواء" (۷۶۵، ۹۵۲) اور "احکام الجنائز" ص ۲۲۴۔۲۲۶

اخیر میں جب شام پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو انہوں نے غار کا دروازہ کھولا اور اس جگہ کو گرجا بنا دیا۔ لیکن علماء نے اسے ناپسند کیا۔

معراج کے واقعہ میں بعض کی یہ روایت کہ: نبی ﷺ سے کہا گیا کہ: یہ طیبہ ہے اتریئے اور نماز پڑھیے' یہ آپ کے باپ ابراہیم کی جگہ ہے' اتریئے نماز پڑھیے۔ تو آپؐ اترے اور نماز پڑھی۔" یہ روایت جھوٹی ہے اور موضوع ہے' نبی ﷺ نے اس رات صرف مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی تھی جیسا کہ صحیح میں ثابت ہے اور صرف وہیں اترے بھی تھے۔ اسی طرح صحابہؓ کرام کی ایک بڑی تعداد وہاں آئی' حضرت عمرؓ بیت المقدس اور شام دونوں کی فتح کے موقع پر وہاں تشریف لائے' اسی طرح تیسری بار اکابر صحابہؓ کے ساتھ جن میں مہاجر وانصار میں سے سابقین اولین (سب سے پہلے مسلمان ہونے والے) شامل ہیں' آپ وہاں آئے' لیکن ان میں سے کوئی غار خلیل یا شام' بیت المقدس اور دمشق وغیرہ میں انبیاء کے آثار میں سے کسی اور اثر کو دیکھنے نہیں گیا۔ اس جگہ کوہ قاسیون' حضرت عیسیٰ کی جانب منسوب ٹیلہ' حضرت ابراہیم کی طرف منسوب مقام' اور ہابیل و قابیل کی طرف منسوب خون کا غار وغیرہ بتایا جاتا ہے' لیکن اولین مسلمان ان جگہوں میں سے کسی جگہ کا قصد یا زیارت نہیں کرتے تھے نہ ہی کسی جگہ سے برکت کی امید رکھتے تھے۔

تیسری فصل

مدینہ منورہ کے گردو پیش کی زیارت گاہوں کے بیان میں

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ہی نے مذکورہ کتاب میں آگے لکھا ہے کہ: اسی وجہ سے مدینہ وغیرہ کے علماء سلف نے مسجد نبوی اور مسجد قباء کے علاوہ مدینہ اور اس کے گردو پیش کی کسی زیارت گاہ اور مسجد کے قصد کو مستحب نہیں کہا ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے کسی مخصوص مسجد میں جانے کا قصد نہیں کیا۔ مدینہ میں بہت سی مسجدیں تھیں' انصار

کے ہر قبیلہ کی مسجد الگ تھی' لیکن مسجد قباء کے علاوہ کسی مخصوص مسجد کے قصد میں کوئی فضیلت نہیں' کیونکہ قباء مدینہ کی پہلی مسجد ہے' نبی ﷺ وہاں بالقصد تشریف لے گئے تھے اور فرمایا تھا کہ:

مَنْ تَوَضَّأَ فِيْ بَيْتِهٖ ثُمَّ اَتٰى مَسْجِدَ قُبَاء لَا يُرِيْدُ اِلَّا الصَّلٰوةَ فِيْهِ كَانَ كَعُمْرَةٍ۔[1]

جو شخص اپنے گھر وضوء کرے پھر صرف نماز کے ارادے سے مسجد قباء آئے تو یہ عمرہ کی مانند ہے۔

اس کے باوجود وہاں کا سفر نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر انسان مدینہ میں ہو تو وہاں جائے گا۔ البتہ سفر کا قصد تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کا نہیں کرے گا' جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

بقیع کے قبرستان اور شہداء احد کے مدفن کی زیارت مستحب ہے تاکہ ان کے لئے دعا و استغفار کر سکے۔ نبی ﷺ ایسا کرتے تھے' اور یہ چیز تمام مسلم مرنے والوں کے لئے مشروع ہے' جیسا کہ ان کے لئے دعاء' سلام اور استغفار مستحب ہے۔ اس مقصد (دعاء و استغفار) کے لئے قبروں کی زیارت مستحب ہے' اور اس میں انبیاء و صلحاء وغیرہ کی قبریں برابر ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ جب مسجد میں داخل ہوتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ: اے اللہ کے رسولؐ آپ پر سلام' اے ابوبکرؓ! آپ پر سلام' اور اے میرے باپ (عمرؓ) آپ پر سلام۔ پھر لوٹ جاتے تھے۔

رہا انبیاء و صلحاء کی قبروں کی زیارت اس خیال سے کرنا کہ ان سے مرادیں مانگی جائیں یا انہیں پکارا جائے اور اللہ کی قسم دلائی جائے' یا یہ سوچنا کہ ان کی قبروں کے پاس دعاء یا نماز مسجدوں اور گھروں کی دعاؤں سے افضل ہے' یہ تمام چیزیں باتفاق ائمہ مسلمین شرک و بدعت اور گمراہی ہیں' صحابہؓ میں سے کوئی ایسا نہیں کرتا تھا' وہ

---

[1] حاکم و ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے' اور یہ ایسی ہی ہے' ملاحظہ ہو "تخریج الترھیب" (۲:۱۳۹)

لوگ جب نبی ﷺ پر سلام بھیجتے تھے تو کھڑے ہو کر اپنے لئے بھی دعاء کرتے تھے' اسی وجہ سے امام مالک وغیرہ علماء' مذکورہ امور کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ یہ ایسی بدعت ہے جس کا سلف کے زمانہ میں وجود نہیں تھا۔ ائمہ اربعہ اور دیگر علمائے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص دعاء کا ارادہ کرے قبلہ کا سامنا کرے اور نبی ﷺ کی قبر کی طرف رخ نہ کرے' اور جب آپ پر سلام بھیجے تو اکثر علماء کا قول ہے کہ: قبر کا سامنا کرے۔ یہ مالک' شافعی' اور احمد کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ: بلکہ قبلہ ہی کا اس طرح کرے کہ قبر اس کے بائیں جانب ہو۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ: قبلہ کی طرف پشت کرے۔ انتہیٰ۔

چوتھی فصل

مکہ معظمہ کی زیارت گاہوں کے بیان میں

علامہ ابن تیمیہؒ نے گزشتہ بیان کے بعد لکھا ہے کہ: یہ اصل اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ اور حضرت ابوبکرؓ نے جب ہجرت کی تو جبل ثور کے غار میں گئے یہ پہاڑ ان کے مدینہ کے راستہ میں نہیں بلکہ یمن کی طرف واقع ہے اور مدینہ شام کی جانب۔ لیکن دونوں حضرات وہاں پر تین روز چھپے رہے' اس کا مقصد یہ تھا کہ مشرکین کو ان کی خبر نہ ملے اور وہ یہ نہ جان سکیں کہ وہ لوگ کہاں گئے' کیونکہ مشرکین انہیں ڈھونڈھ رہے تھے اور ان کی گرفتاری پر انعام کا اعلان تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبی ﷺ مدینہ میں اپنے اصحاب کے پاس چلے جائیں اور مکہ چھوڑ دیں۔ مکہ میں آپ کو محبوس کرنے کا منصوبہ قتل میں ناکامی کے بعد بنا تھا۔ ایسے موقع پر اگر نبی ﷺ ابتداء ہی میں مدینہ کی راہ اختیار کر لیتے تو مشرکین آپ کو پا لیتے' اس لئے آپ غار میں تین دن قیام پذیر رہے۔ اب اگر مکہ سے مدینہ جانے والا کوئی شخص غار ثور کی طرف جائے اور پھر مدینہ کا راستہ اختیار کرے تو یہ مستحب نہیں بلکہ مکروہ

ہو گا نبی ﷺ نے ہجرت کے موقع پر ساحلی راستہ اختیار کیا تھا' کیونکہ یہ مشرکین کے مقصد سے زیادہ دور تھا۔

ابن تیمیہؒ نے آگے لکھا ہے کہ: صحابہ میں سے کوئی بھی زیارت یا نماز کے لئے اس غار میں نہیں جاتا تھا' اگرچہ نبی ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ وہاں تین دن مقیم رہے' اور پانچوں وقت نمازیں ادا کیں۔ اسی طرح وہ لوگ غار حراء میں بھی نہیں جاتے تھے جہاں نبی ﷺ نبوت سے پہلے عبادت کرتے تھے اور وہیں پہلی مرتبہ آپ پر وحی نازل ہوئی۔ حراء مکہ کا سب سے اونچا پہاڑ ہے' اسلام سے پہلے یہاں لوگ عبادت کرتے تھے' جب اسلام آ چکا تو اس کے بعد نبی ﷺ کئی مرتبہ مکہ تشریف لے گئے' ہجرت سے پہلے تو وہیں آپؐ کا قیام تھا' لیکن اس کے باوجود آپ یا آپ کے صحابہ کبھی حراء پہاڑ نہیں گئے۔ نبی ﷺ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو دونوں یمانی رکن کو چھوا' لیکن شامی رکن کو نہیں' کیونکہ یہ ابراہیمی بنیادوں پر نہیں بنے تھے۔ آپؐ نے حجر اسود کو چھوا اور بوسہ بھی دیا لیکن رکن یمانی کو صرف چھوا اور بوسہ نہیں دیا' اور مقام ابراہیم میں صرف نماز ادا کی' نہ چھوا' نہ بوسہ دیا۔ اس رویہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رکن یمانی کے علاوہ کعبہ کی دیواروں کو چھونا اور حجر اسود کے علاوہ کسی چیز کا بوسہ دینا سنت نہیں۔ مقام ابراہیم کا چھونا یا بوسہ دینا بھی مسنون نہیں۔ اور جب خود کعبہ یا مقام ابراہیم کی بابت ایسا ہے تو اور مسجدوں کی حرمت تو یقیناً کعبہ جیسی نہیں' شام وغیرہ کا مقام ابراہیم' اور دیگر انبیاء کے مقامات بھی یقیناً اس مقام سے کم ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔ (البقرہ: ۱۲۵)

مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنالو۔

اس طرح یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ کسی بھی مقام کا قصد نہیں کیا جائے گا ر نہ کسی زیارت گاہ کے حج کا ارادہ کیا جائے گا اور نہ چھوا جائے گا۔ انبیاء کے ات' مساجد' صخرہ وغیرہ میں سے کسی چیز کو بوسہ نہیں دیا جائے گا' حجر اسود کے

علاوہ زمین کے کسی حصہ کو بھی بوسہ نہیں دیا جائے گا۔ اور چونکہ نبی ﷺ نے مسجد حرام کے علاوہ مکہ کی کسی مسجد میں نماز نہیں پڑھی' نہ عبادت کے لئے منیٰ' مزدلفہ' اور عرفہ کے علاوہ کہیں اور گئے اس لئے علماء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مکہ کی کسی مسجد کا قصد مستحب نہ ہو گا' اور نہ ان مشاعر کے علاوہ جن کا نبی ﷺ نے قصد کیا' کسی اور حصہ کا قصد کیا جائے گا۔ یہ حکم جب ان آثار کے بارے میں ہے تو پھر ان مقابر کے بارے میں کیا کہا جائے گا جن کو مسجد بنانے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ایسا کرنے والے قیامت کے دن سب سے بد تر ہوں گے۔ دین اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ کا نماز کے لئے قصد نہیں کیا جائے گا' اسی وجہ سے مسجد حرام کے علاوہ دیگر مشاعر حج کا عبادت کے لئے قصد کیا جاتا ہے نماز کے لئے نہیں' اس لئے عرفہ میں کوئی نماز نہیں۔ ہاں نبی ﷺ نے عرفہ کے دن ظہر اور عصر کی نماز عرفہ میں ادا کی تھی' وہاں خطبہ دیا تھا' پھر نماز پڑھی' نماز کے بعد آپ عرفات تشریف لے گئے اور وہاں قیام کیا' اسی طرح بمقام عرفات' مزدلفہ' صفا و مروہ' جمرات کے درمیان اور رمی کے وقت اللہ کا ذکر اور اس سے دعاء کی جائے گی' لیکن ان میں کسی جگہ نماز کے لئے نہیں جایا جائے گا۔ رہی مساجد اور مشاعر حج کے علاوہ دوسری جگہیں تو وہاں نماز' ذکر اور دعاء کے قصد سے نہیں جائیں گے۔ بلکہ ممنوعہ مقامات کے علاوہ جہاں بھی نماز کا وقت ہو گا مسلمان نماز پڑھ لے گا' اور بغیر تخصیص جہاں بھی ممکن ہو گا اللہ کا ذکر اور اس سے دعا کرے گا۔ اگر کسی حصہ کو اس کے لئے کوئی مخصوص کرے گا تو اسے روکا جائے گا جس طرح کہ نبی ﷺ نے قبرستان میں نماز سے روکا ہے' قبرستان میں مردے کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے سلامتی کی دعاء کی جائے گی' جیسا کہ جنازہ کی نماز میں ہوتا ہے' کیونکہ مومن کی قبر کی زیارت جنازہ کی نماز کی مانند ہے' دونوں میں ایک طرح کام ہوتے ہیں اور دعاء کا جو مقصد یہاں ہوتا ہے وہی وہاں بھی ہوتا ہے۔

اسی سے مشابہ یہ بات بھی ہے کہ انصار نے نبی ﷺ سے عقبہ کی رات اس

وادی میں بیعت کی تھی جو جمرہ عقبہ کے پیچھے ہے' یہ منیٰ سے قریب ایک نشیبی جگہ ہے' یہاں جو موجود ہو نظر نہیں آتا' ستر ۷۰ انصار حج کے لئے اپنی مشرک قوم کے ساتھ آئے تھے' اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد لوگ مکہ کا حج برابر کرتے آئے ہیں' حج کے لئے اپنی قوم کے ساتھ انصار آئے' رات کے وقت اسی جگہ چلے گئے کیونکہ قریب اور ساتر تھا' کسی طرح کی فضیلت کا کوئی سوال نہیں تھا۔ اسی وجہ سے جب نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب نے حج کیا تو وہاں نہیں گئے نہ زیارت کی۔ اب وہاں مسجد بنا دی گئی ہے جو نو ایجاد (محدث) ہے۔ مسجد حرام کے علاوہ مکہ اور اس کے گرد وپیش کی ہر مسجد نو ایجاد ہے' خود منیٰ میں نبی ﷺ کے عہد میں کوئی تعمیر شدہ مسجد نہیں تھی' لیکن آپ نے فرمایا کہ:

مِنًى مَنَاخٌ لِمَنْ سَبَقَ۔[1]

منیٰ سابقین کی اقامت گاہ ہے۔

اس لئے وہاں مسلمان اترے۔ نبی ﷺ منیٰ اور منیٰ کے علاوہ دوسری جگہ مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے' یہی طریقہ آپ کے بعد خلفاء کا تھا۔ منیٰ میں حجاج کا اجتماع دوسری جگہ کے اجتماع سے بڑا ہوتا ہے کیونکہ یہاں چار روز قیام رہتا ہے۔ نبی ﷺ' ابوبکر اور عمرؓ منیٰ وغیرہ میں نماز پڑھاتے تھے' منیٰ' عرفہ' اور مزدلفہ میں قصر کرتے تھے اور مزدلفہ ہی میں ظہر' عصر اور مغرب و عشاء جمع کر کے پڑھا تھا۔

آگے لکھتے ہیں کہ: نبی ﷺ اور خلفاء نے کبھی مکہ میں یا سفر میں عید کی نماز نہیں پڑھی' نہ ان میں سے کسی نے مکہ میں نحر کے دن عید کی نماز پڑھی' ان کی عید منیٰ میں مشعر حرام سے واپسی کے بعد ہوتی تھی' جمرہ عقبہ کی رمی ان کے لئے وہی حیثیت رکھتی ہے جو دوسرے ممالک والوں کے لئے عید کی نماز۔

مزید لکھا ہے کہ: کسی کو یہ حق نہیں کہ اللہ نے جس چیز کو مشروع نہیں کیا

---

[1] حدیث حسن ہے' ترمذی اور حاکم اور ذہبی نے اس کو صحیح کیا ہے۔ البانی

اسے مشروع کرے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں کعبہ کی طرح صخرہ کا سات طواف مستحب مانتا ہوں' یا مقام ابراہیم کی طرح مقام موسیٰ و عیسیٰ کو مصلّٰی بنانا مستحب جانتا ہوں تو یہ صحیح نہ ہوگا' کیونکہ کسی کی ذات یا فعل کو کسی حکم سے خاص کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے' اس میں قیاس کی گنجائش نہیں۔ کعبہ' حج اور طواف کے لئے' عرفات وقوف کے لئے' منیٰ جمرہ کے لئے' حرمت کے مہینے احترام کے لئے اور رمضان کا مہینہ صیام و قیام کے لئے خاص ہے۔ یہ تخصیص یا تو کسی مفہوم کی بناء پر ہے جو دوسری چیز میں موجود نہیں ہوتا' یا محض مشیت کی وجہ سے۔ پہلا قول اکثر علماء کا ہے اور دوسرے کے قائل بعض علماء ہیں۔

پانچویں فصل

سفر میں نبی ﷺ کے نزول کی جگہوں کے بارے میں حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کے مذہب اور حضرت ابن عمرؓ کی رائے کے مابین موازنہ اور اتباع کی حقیقت کے بیان میں

امام ابن تیمیہؒ نے مذکورہ کتاب میں لکھا ہے کہ: حضرت عمرؓ سے ثابت ہے کہ سفر میں انہوں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ایک جگہ باری باری جاکر نماز پڑھ رہے ہیں' پوچھا کہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس جگہ نبی ﷺ نے نماز پڑھی تھی' آپ نے فرمایا:

إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهٰذَا' إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا آثَارَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ' مَنْ أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ وَإِلَّا فَلْيَمْضِ۔[1]

اسی وجہ سے اگلے لوگ ہلاک ہوئے' اپنے نبیوں کے آثار کو انہوں نے

---

[1] اس کی اسناد صحیح ہے جیسا کہ "تحذیر الساجد" ص ۹۷ میں مذکور ہے۔

مسجد بنالیا تھا نماز کا وقت ہو تو پڑھنا چاہیئے' ورنہ چلے جانا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ اس درخت کے پاس جاتے ہیں جس کے نیچے نبی ﷺ نے صحابہؓ سے بیعت لی تھی' آپؓ نے اس کو کاٹنے کا حکم دے دیا۔ ابو موسیٰ نے ان کے پاس لکھا کہ تستر میں دانیال کی قبر کا ظہور ہوا ہے' اس میں ایک کتاب ہے جس میں آئندہ کے واقعات درج ہیں' جب خشک سالی ہوتی ہے تو لوگ قبر کھول دیتے ہیں' پھر بارش ہونے لگتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ وہاں دن کے وقت تیرہ ۱۳ قبریں کھود دیں اور رات میں ان میں سے کسی ایک میں اس کتاب کو دفن کر دیں تاکہ لوگ جان نہ سکیں اور آزمائش میں نہ پڑیں۔ صحیحین میں انہی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے' انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔" اس فرمان کی روشنی میں قبروں کو مسجد بنانا حرام ہے۔ اسی طرح علماء کا قول ہے کہ قبروں پر مسجد بنانا حرام ہے' قبر پر بنی ہوئی مسجد کو منہدم کر دینا ضروری ہے' اگر کوئی مردہ کسی مسجد میں دفن کر دیا گیا ہو اور اس پر ایک مدت گذر گئی ہو تو قبر کو برابر کر دینا چاہیئے تاکہ اس کی شکل ظاہر نہ ہو' اس لئے کہ اگر شکل ظاہر ہوگی تو اس سے شرک کا اندیشہ ہے۔ جیسا کہ مسجد نبوی کی جگہ اولاً مشرکین کا قبرستان تھا' اس میں کھجور کے درخت تھے اور کچھ حصہ ویران تھا' نبی ﷺ نے حکم فرما کر قبروں کو کھدوا دیا' درختوں کو کٹوا دیا اور ویرانے کو برابر کر دیا اب وہ مقبرہ نہ رہا بلکہ مسجد ہو گئی' چونکہ قبروں کو یا قبروں پر مسجد بنانا حرام ہے اس لئے صحابہؓ و تابعین کے دور میں ایسا کوئی کام نہ ہوا' ایسی کوئی مسجد معلوم نہیں جو قبر پر تعمیر کی گئی ہو۔

موصوف نے آگے لکھا ہے کہ: یہاں یہ مقصود ہے کہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے کسی نبی یا نیک آدمی کی قبر پر مسجد کبھی تعمیر نہیں کی' نہ اسے مشہد و زیارت گاہ بنایا' نہ انبیاء کے کسی اثر کے ساتھ ایسا معاملہ کیا گیا' نہ اس جگہ کے ساتھ جہاں نبی ﷺ اترے ہوں یا اتفاقاً جہاں نماز ادا کی ہو' بلکہ ائمہ مسلمین جیسے حضرت

عمرؓ وغیرہ اس جگہ قصداً نماز پڑھنے سے روکتے تھے جہاں نبی ﷺ نے قصداً نہیں بلکہ اتفاقاً نماز پڑھی ہو۔ ہاں عبداللہ بن عمرؓ سے خاص طور پر یہ منقول ہے کہ وہ انہی راستوں پر چلتے تھے جن پر نبی ﷺ چلے تھے' وہیں اترتے تھے جہاں آپؐ اُترے تھے اور وہیں نماز پڑھتے تھے جہاں نبی ﷺ نے نماز پڑھی تھی' اگرچہ نبی ﷺ سے ایسا اتفاقاً ہوا ہو۔ حضرت ابن عمر ایک صالح اور نبی ﷺ کی سختی سے پیروی کرنے والے انسان تھے' آپ مذکورہ طریقہ کو اتباع نبوی کے باب سے تصور کرتے تھے۔ لیکن ان کے والد حضرت عمرؓ' خلفاء راشدین' عشرہ مبشرہ اور تمام صحابہ کرامؓ حضرت ابن عمرؓ کے مذکورہ طریقہ کے پابند نہیں تھے۔ اور اس معاملہ میں جمہور ہی کا قول صحیح ہے' کیونکہ اتباع و پیروی کا مفہوم یہ ہے کہ جو کام جس طرح اور جس مقصد کے لئے کیا گیا ہے اسے اسی طرح اسی مقصد کے لئے کیا جائے' مثلاً اگر نماز یا عبادت کسی مخصوص جگہ ادا کی گئی ہے تو اتباع کا تقاضہ یہ ہے کہ اسی جگہ اس نماز یا عبادت کو ادا کیا جائے' لیکن اگر کسی عبادت میں خاص مکان مقصود نہ رہا ہو تو پھر اس مکان کا قصد اتباع میں داخل نہ ہوگا' بلکہ مخالفت شمار کیا جائے گا۔ چنانچہ نبی ﷺ نے عرفہ' مزدلفہ اور دونوں جمروں کے مابین کھڑے ہو کر ذکر اور دعاء کیا ہے' اب انہی جگہوں پر ذکر اور دعاء اتباع ہے' آپؐ نے طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی' ایسا ہی کرنا اتباع ہے' آپ ذکر و دعاء کے لئے صفا و مروہ پر چڑھے' یہی کرنا اتباع ہے۔

سلمہ بن اکوع ستون کے پاس نماز پڑھتے تھے اور یہ وجہ بتاتے تھے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہاں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔[1] چونکہ نبی ﷺ نماز کے لئے اسی جگہ کا قصد کرتے تھے اس لئے نماز کے لئے اس جگہ کا قصد اتباع شمار ہوگا۔ اسی طرح عتبان بن مالک نے نابینا ہونے کے بعد جب مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو نبی ﷺ سے کہا

---

[1] صحیح روایت ہے' اسے شیخین اور احمد (۴:۴۸) نے سلمہ بن اکوع سے روایت کیا ہے' احمد کی اسناد ثلاثی ہے۔

کہ میں چاہتا ہوں کہ آپؐ میرے گھر تشریف لا کر کسی جگہ نماز پڑھ لیں تو میں اسی جگہ کو مصلیٰ بنا لوں۔ اس درخواست پر نبی ﷺ تشریف لائے اور گھر کے ایک گوشہ میں دو رکعت نماز ادا فرمائی[1] اب یہ ایسی جگہ ہوئی جہاں نبی ﷺ نے نماز کا قصد فرمایا' تاکہ وہ مسجد بن سکے' لہٰذا اسی جگہ کا قصد اتباع ہو گا' بخلاف اس جگہ کے جہاں باتفاق آپ نے بلا قصد نماز پڑھی۔ آپ بالقصد دو شنبہ اور پنج شنبہ کو روزہ رکھتے تھے' اب انہی دونوں دنوں کا روزہ رکھنا اتباع شمار ہو گا۔ اسی طرح نبی ﷺ بالقصد مسجد قباء تشریف لائے تھے اس لئے وہاں جانا مسنون ہو گا۔

آگے فرمایا: یہاں نبی ﷺ کی اتباع کا ذکر مقصود ہے' اور اس کا معنی یہ ہے کہ قصد و ارادہ میں اتباع کا اعتبار کیا جائے۔ چنانچہ اگر عبادت کے لئے آپؐ نے کسی مکان کا قصد کیا ہو تو عبادت کے لئے وہ قصد ہی سنت ہو گا' اسی وجہ سے جمہور صحابہؓ اس سلسلہ میں آپؐ کی مشابہت ہی کا قصد کرتے تھے۔ اور ابن عمرؓ ظاہری فعل میں نبی ﷺ کی مشابہت سے محبت کے باوجود صرف اسی جگہ نماز کا قصد کرتے تھے جہاں آپؐ نے نماز ادا فرمائی تھی' ہر اس جگہ نہیں جہاں آپؐ اترے۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے ایسی صورت میں رخصت دی ہے بشرطیکہ وہ عمل معمولی ہو' جیسا کہ ابن عمرؓ کرتے تھے' اور اگر زیادہ ہو تو اس سے منع کرتے تھے کیونکہ اس سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے' مثلاً انبیاء کے آثار کو مسجد بنانا جسے "مشاہد" کا نام دیا جاتا ہے۔ اس طرح کے مشاہد اسلام میں بدعت ہیں' شریعت اسلامی میں توحید و اخلاص کی جو تعلیم دی گئی ہے اور شرک کے دروازوں کو جس طرح بند کیا گیا ہے اس سے ناواقف لوگ ایسے افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لیکن جو لوگ سنت رسول سے واقف ہیں وہ ان سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ رافضی لوگوں میں بدعت زیادہ پائی جاتی ہے کیونکہ ان میں جہالت زیادہ ہے' مشاہد و زیارت گاہوں کو کبھی کبھی یہ لوگ بیت اللہ سے زیادہ درجہ دیتے ہیں' اور وہاں جانے کو "حج اکبر" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے ایک شخص ابن المفید نے اپنی کتاب "مناسک حج المشاہد" میں ایسی

---

[1] اسے شیخین نے ذکر کیا ہے۔

جھوٹی باتیں ذکر کی ہیں جن کا اور کسی فرقہ میں نہیں۔ بہرحال اس فرقہ میں جس قدر شرک' جھوٹ اور بدعت ہے دوسروں میں اس سے کم ہے۔

واضح رہے کہ انسان نبی ﷺ کی جتنی زیادہ پیروی کرے گا اسی قدر توحید و اخلاص میں پختہ ہو گا' اور آپؐ کی اتباع سے جتنا دور ہو گا اسی قدر دینی لحاظ سے ناقص ہو گا یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ مشاہد والوں کے بیشتر مشہد جھوٹے ہیں' قرآن میں بہت ہی جگہ شرک کو جھوٹ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے' ارشاد ہے:

وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ۔ (الحج:۳۱)

اور جھوٹی بات سے بچو' اللہ کے لئے یکسو ہو کر اس کے ساتھ شرکت کئے بغیر۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

عدلت شهادة الزور الا شراک بالله۔[1]

جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے۔

مثال کے طور پر قاہرہ کا مشہد جس میں حضرت حسینؓ کا سر بتایا جاتا ہے' یہ بات باتفاق علماء جھوٹ ہے' حضرت حسینؓ کا سر قاہرہ بالکل نہیں لایا گیا' اس کی اصل عسقلان میں ہے' کہا جاتا ہے کہ وہ ایک راہب کا سر ہے' اور حسینؓ کا سر عسقلان میں نہیں تھا' یہ چیز ملحدین بنی عبید کی حکومت کے اواخر میں ایجاد کی گئی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کا مشہد بنی بویہ کی حکومت کے دوران ایجاد ہوا ہے۔ محمد بن عبداللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ مغیرہ بن شعبہؓ کی قبر ہے' کیونکہ حضرت علیؓ کوفہ کے قصر حکومت میں دفن کئے گئے تھے' حضرت معاویہؓ دمشق کے قصر حکومت میں' اور حضرت عمرو بن العاص مصر کے قصر حکومت میں۔ اگر ان اصحاب کو باہر مقبروں میں دفن کیا جاتا تو بے دین خارجی ان کی قبریں کھود دیتے۔ انتہیٰ

---

[1] ضعیف حدیث ہے' نسائی کے علاوہ دیگر مصنفین سنن نے اسے ذکر کیا ہے' ترمذی نے اسکو ضعیف کہا ہے' اس کی علت کو میں نے "تخریج الترغیب" (۳:۱۶۶) میں بیان کیا ہے۔

باب ہفتم

متفرق بدعتوں کے بیان میں

ا۔ عورتوں کا مساجد کے مقامات کی زیارت کرنا

عورتوں کی بہت سی عادتیں اور رسمیں ایسی ہوتی ہیں جن کی وہ سختی سے پابندی کرتی ہیں اور انہیں عقیدہ کا درجہ دیتی ہیں' بہت سی رسمیں ان سے مرد اور یہ مردوں سے قبول کرلیتی ہیں' امام ابن الحاج نے المدخل کے پہلے حصہ میں ان کی بہت سی رسموں کا ذکر کیا ہے۔ ہم اپنی کتاب کے موضوع کے لحاظ سے دمشق کی مسجدوں میں رونما ہونے والی ان رسموں کا ذکر کریں گے جن کا تعلق عورتوں سے ہے۔

ایک رسم یہ ہے کہ وہ سینچر کی صبح کو مقام یحییٰ کی زیارت کے لئے جامع اموی جاتی ہیں وہاں پر ان کی بھیڑ نظر آتی ہے' سب عورتیں گھومنے پھرنے اور کانا پھوسی میں مصروف رہتی ہیں۔ ان کی خرافات کا یہ کہنا ہے کہ اس عمل کو چالیس سینچر تک برابر کرنے سے مقصود حاصل ہوگا۔

دوسری رسم یہ ہے کہ جمعہ کے دن صالحیہ کی زیارت گاہوں کو جاتی ہیں' وہاں مرد بھی ان کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ صالحیہ کی جامع سلیمی جمعہ کے دن عید کا منظر پیش کرتی ہے۔ صبح سے رات تک زیارت کا سلسلہ جاری رہتا ہے' جو لوگ جمعہ کو نہیں آتے سینچر کو آجاتے ہیں تاکہ کوتاہی کے الزام سے بچ سکیں' چونکہ وہاں مرد اور عورت دونوں کا اجتماع ہوتا ہے اس لئے اختلاط سے بچنے کے لئے وہاں پر پردہ

ڈال دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود عورتوں کی حرکات و سکنات اور زیورات کی جھنکار لوگوں کے کانوں میں پڑتی ہے' بہت سی عورتیں منہ کھلا رکھتی ہیں' لباس سے خوشبو مہکتی رہتی ہے' بازو کھلے رہتے ہیں۔ مردوں میں بہت سے ایسے نظر آئیں گے جو ذکر و تلاوت اور دعاء و زاری میں مصروف رہتے ہیں لیکن بہت سے ایسے بھی رہتے ہیں جن کے دل میں چور ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں پر مزار کو چھوا جاتا ہے' چوکھٹ اور پردوں کو بوسے دیئے جاتے ہیں۔

صاحب "المدخل" نے لکھا ہے کہ اسی طرح کے افعال سے بت پرستی کو رواج ملتا ہے اس لئے ان پر خاموش نہیں رہنا چاہئے' کیونکہ خاموشی سے وہاں جانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو گا۔ جو ممنوع ہے۔ انہوں نے مزید لکھا ہے کہ آج کل کی عورتوں کے حال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باہر نکلنے کے لئے بہترین کپڑے' زیور اور خوشبو کا اہتمام کرتی ہیں' مردوں کی ان پر نگاہیں پڑتی ہیں جس سے فتنہ و فساد میں زیادتی ہوتی ہے۔ اگر ان چیزوں سے پرہیز گار لوگوں کے دلوں میں کوئی برا خیال نہ بھی آئے تو کم از کم جمعیت خاطر تو نہ رہے گی' اور اکثر عبادت کے اوقات میں ایسے مناظر کا تصور ذہن میں آ جائے گا تو عبادت پر اثر پڑے گا' اور یکسوئی ختم ہو جائے گی جس سے بندہ سزا کا مستحق ہو گا۔ اس لئے ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ شرعی ضرورت کے بغیر عورت کو باہر نہ نکلنا چاہئے۔ مذکورہ قسم کی زیارتیں چونکہ شرعی ضرورت کے دائرہ میں نہیں آتیں اس لئے ان کی اجازت نہیں دی جاسکتی' بلکہ ان میں بدعات' منکرات اور محرمات کی کثرت رہتی ہے۔ انتہیٰ۔

۲۔ مساجد' مقابر اور مآذن کے لئے نذر و نیاز

خطیب شافعی نے "شرح الغایۃ" میں لکھا ہے کہ اگر مسجد وغیرہ میں روشنی کے لئے تیل یا شمع کی نذر مانے' یا ایسی چیز وقف کرے جس سے غلہ خریدا جائے تو یہ نذر وقف دونوں صحیح ہو گا' بشرطیکہ مسجد وغیرہ میں مصلی یا سونے والوں میں ایسے لوگ

جائیں جو اس سے فائدہ حاصل کر سکیں' ورنہ یہ فعل صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس سے صرف مال ضائع ہوگا' انتہیٰ۔

"شرح الروض" میں ہے کہ اگر وہ نذر یا وقف سے عام لوگوں کی طرح اس جگہ یا قبر کی تعظیم یا مدفون شخص کے تقرب کا قصد کرے تو یہ نذر و وقف باطل ہوگا' کیونکہ لوگوں کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ ایسی جگہوں کی خصوصیت ہوتی ہے' اور ان کے لئے نذر ماننے سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ ایسا عقیدہ غلط اور شرک ہے۔ "شرح الاقناع" میں ہے کہ جو شخص کسی کنوئیں' قبر' پہاڑ' یا درخت پر چراغ جلانے کی نذر مانے یا وہاں رہنے یا تعلق رکھنے والوں کے لئے نذر مانے تو یہ جائز نہ ہوگی' باتفاق علماء ایسی نذر کو پوری کرنا جائز نہیں' بلکہ یہ رقم رفاہ عام کے کسی اور کام میں خرچ کر دی جائے گی۔

صاحب "الاقناع" کا بیان ہے کہ قبروں' یا قبروالوں کے لئے' مثلاً ابراہیم علیہ السلام یا کوئی شیخ وغیرہ' معصیت کی نذر جائز نہیں' اسے پورا کرنے کے بجائے اس رقم کو فقراء و صلحاء پر صدقہ کر دیا جائے گا' اس سے حقیقی فائدہ ہوگا۔ اگر مساجد کی روشنی وغیرہ کے لئے کوئی نذر مانے تو یہ کار نیک ہوگا اور اسے یہ نذر پوری کرنی چاہئے۔ علائی نے الدرالمختار کے باب الاعتکاف میں لکھا ہے کہ یہ جان لو کہ اکثر لوگوں کی طرف سے مردوں کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے اور تقرب کے لئے اولیاء کی قبروں کے پاس جو رقم' شمع' یا تیل وغیرہ لے جایا جاتا ہے' وہ باتفاق علماء باطل اور حرام ہے۔ ہاں اگر ان چیزوں کو فقراء پر خرچ کر دیا جائے تو صحیح ہوگا اس کام میں آج کل اکثر لوگ مبتلا ہیں' علامہ قاسم نے شرح "دررالبحار" میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ابن عابدین نے الدرالمختار کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ فعل متعدد وجوہ سے باطل اور حرام ہے' اول یہ کہ یہ نذر مخلوق کے لئے ہے' اور یہ جائز نہیں' کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی۔ دوم یہ کہ جس کے لئے یہ نذر مانی جا رہی ہے وہ مردہ ہے اور مردہ کے اندر ملکیت کی صلاحیت نہیں

ہوتی۔ سوم یہ کہ اگر وہ یہ سمجھے کہ تمام معاملات میں اللہ کے علاوہ مردہ کو تصرف کی قدرت حاصل ہے تو یہ کفر ہوگا۔ آگے کہتے ہیں کہ ضروری ہے کہ نذر ایسی چیز کی مانی جائے جو صحیح ہو مثلاً درہم کا صدقہ۔ لیکن اگر کسی شیخ کی قبر یا کسی منارہ پر چراغ جلانے کے لئے تیل کی نذر مانے جیسا کہ عورتیں شیخ عبدالقادر کے لئے تیل کی نذر مانتی ہیں' تو یہ باطل ہوگی۔ اسی طرح یہ نذر بھی باطل ہے کہ کسی منارے پر مولود پڑھے گا' یہ قرائت گانے اور کھیل کود کے ساتھ ہوتی ہے' پھر بھی ایسا کرنے والے اس کا ثواب نبی ﷺ کو بخشنے کی نیت رکھتے ہیں جو اور زیادہ قبیح حرکت ہے۔

۳۔ طہارت کے معاملہ میں وسوسہ اور مسجد کے پانی کا اسراف

سنت سے ناواقفیت اور دین کے بارے میں غلو کی وجہ سے طہارت کے بارے میں بہت سے لوگ وسوسہ اور اسراف کا شکار ہیں۔ ائمہ دین نے ایسے جاہل اور غالی لوگوں کی سخت مذمت کی ہے۔ امام ابن قیمؒ نے اپنی کتاب "اغاثتہ اللفان فی مصائد الشیطان" میں لکھا ہے کہ شیطان کی ایک چال یہ ہے کہ وہ طہارت اور نماز کے متعلق لوگوں کو وسوسہ میں مبتلا کرتا ہے' جس سے وہ لوگ مختلف قسم کی الجھنیں اور سختیاں اپنے لئے پیدا کر لیتے ہیں اور سنت رسول ﷺ کی اتباع سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ یہ سوچتے ہیں کہ سنت میں جو طریقہ وارد ہے' وہ کافی نہیں ہے' اس لئے اس میں اپنی طرف سے اضافہ کر لیتے ہیں۔ اس فاسد گمان میں مبتلا ہو کر ایک طرف تو انکا اجر زائل ہو جاتا ہے اور دوسری طرف انہیں مزید عمل کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ بلاشبہ وسوسہ کا محرک شیطان ہے' اور جو لوگ وسوسہ کا شکار ہو جاتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور طریقہ کو چھوڑ کر شیطان کی پیروی اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ وضوء یا غسل کرنے کے بعد یہ سوچتے ہیں کہ ابھی طہارت حاصل نہیں ہوئی' اگر جہالت کا عذر نہ

ہو تو ایسا خیال نبی ﷺ کی مخالفت و دشمنی میں داخل ہو جائے گا' کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایک مد[1] سے جو تقریباً دمشقی رطل کا ایک تہائی ہوتا ہے' وضوء کرتے تھے' اور ایک صاع[2] سے جو ایک رطل اور تہائی رطل ہوتا ہے' غسل کرتے تھے۔ وسوسہ میں مبتلا شخص یہ سوچتا ہے کہ اتنا پانی تو ہاتھ دھونے کے لئے کافی نہیں۔ حالانکہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے اعضاء کو ایک ایک بار بھی دھو کر وضوء کیا ہے' اور کبھی تین بار سے زیادہ نہیں دھویا ہے' بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو تین بار سے زیادہ دھوئے وہ غلط کار' ظالم اور حد سے متجاوز مانا جائے گا[3] اور جب وسوسہ میں مبتلا شخص بہ شہادت رسول اللہ ﷺ غلط کار و ظالم ہے تو پھر وہ اپنے ایسے فعل سے کس طرح اللہ تعالیٰ کے تقرب کی امید کر سکتا ہے؟

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ اور حضرت عائشہؓ[4] ایک پیالے سے جس میں آٹے کا اثر تھا' غسل کرتے تھے۔ اگر وسوسہ والا آدمی ایسا کرتے ہوئے دیکھے تو ناپسندیدگی ظاہر کرے گا اور کہے گا کہ اتنی مقدار دو افراد کے غسل کے لئے کافی نہیں' خصوصاً جب کہ آٹا تحلیل ہو جانے سے پانی میں تبدیلی واقع ہو جائے' پھر پانی کے چھینٹوں سے بعض کے یہاں پانی نجس اور بعض کے یہاں فاسد ہو جاتا ہے' اس لئے اس سے طہارت حاصل نہ ہوگی۔ لیکن نبی ﷺ حضرت عائشہؓ کے علاوہ حضرت میمونہ و ام سلمہ کے ساتھ بھی اسی طرح غسل فرماتے تھے' اور یہ تمام روایتیں صحیح میں موجود ہیں۔ صحیح میں ابن عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ عہد نبوی میں مرد اور عورت ایک ہی برتن سے وضوء کرتے تھے۔ اور جن برتنوں سے نبی ﷺ اور ازواج

---

[1] ' [2] صحیح حدیث ہے' اسے شیخین وغیرہ نے روایت کیا ہے' ملاحظہ ہو "الارواء" (۱۳۹)

[3] صحیح حدیث ہے' اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے' اس کے متعلق میں نے "صحیح السنن" میں تحقیقی بحث کی ہے۔

[4] "میمونہ" صحیح ہے' جیسا کہ نسائی وغیرہ نے ذکر کیا ہے' ملاحظہ ہو "الارواء" (۲۶)

مطہراتؓ، صحابہ کرامؓ اور ان کی عورتیں غسل کرتی تھیں وہ بہت بڑے نہیں ہوتے تھے نہ پانی پہنچانے کے لئے ان میں ٹونٹی لگی رہتی تھی' وہ لوگ یہ لحاظ بھی نہیں کرتے تھے کہ برتن بھر کر کنارہ سے پانی بہنے لگے' جیسا کہ آج کل کے بعض وسوسہ والے کرتے ہیں۔ نبی ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ حوض یا برتن اگر ناقص ہو اور بھرا نہ ہو تب بھی اس سے غسل جائز ہے اس لئے اگر کوئی شخص حوض کے بھرنے کا انتظار کرے اور پانی کے استعمال میں دوسرے کو شریک نہ ہونے دے تو وہ بدعتی اور شریعت کا مخالف ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: ایسا شخص سخت سزا کا مستحق ہے۔ جس سے اسے اور اس جیسے دوسرے لوگوں کو یہ جرأت نہ ہو کہ وہ دین میں ایسی چیزوں کو داخل کریں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا' اور اتباع کے بجائے بدعتوں پر مشتمل عبادت بجا لائیں۔ صحیح حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہؓ زیادہ پانی نہیں بہاتے تھے' اور یہی حال تابعینؒ کا بھی تھا۔ امام احمد کا قول ہے کہ: آدمی کی دانشمندی کا ثبوت یہ ہے کہ اسے پانی کی خواہش کم ہو۔ ان کے شاگرد مروزی کا بیان ہے کہ: میں نے ابوعبداللہ (احمد بن حنبل) کو وضوء کرایا تو لوگوں سے پردہ کرنے کے بعد کرایا تاکہ کم پانی بہانے کے سبب لوگ یہ نہ کہیں کہ وہ اچھی طرح وضوء نہیں کرتے۔ امام احمدؒ وضوء کرتے تھے تو زمین اچھی طرح نہیں بھیگتی تھی۔ نبی ﷺ سے صحیح میں مروی ہے کہ آپؐ نے ایک برتن سے وضوء کیا تو اس میں ہاتھ ڈال کر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا' اسی طرح غسل کے وقت بھی آپ برتن میں ہاتھ ڈال کر اس سے پانی لیتے تھے۔ لیکن وسوسہ میں مبتلا شخص اس کو جائز نہیں سمجھے گا بلکہ ممکن ہے کہ وہ ایسے پانی کی نجاست کا حکم لگا بیٹھے۔ ایسے شخص کو نبی ﷺ کی اتباع اور عمل میں مشابہت سے تسلی نہیں ہوتی۔ وسوسہ والا انسان یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ پانچ رطل پانی سے وہ اور اس کی بیوی ایک ساتھ غسل کریں' اس کام سے وہ اس طرح بدکے گا جیسے مشرک اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بدکتا ہے' انتہٰی۔

۴۔ استنجاء کے بعد مسجد کے گوشوں میں ٹہلنا

بعض مسجدوں کے اندر طہارت خانے بنے رہتے ہیں' وسوسے میں مبتلا اشخاص جب پیشاب سے فارغ ہوتے ہیں تو اسی جگہ چکر لگاتے ہیں اور جھومتے جھکتے ہوئے چلتے ہیں' اپنی سمجھ سے وہ اس طرح صفائی و پاکی حاصل کرتے ہیں' ایسی حرکتیں سب لوگوں کے سامنے کرتے ہیں اس لئے انتہائی قبیح معلوم ہوتی ہیں۔ اس میں شرمگاہ کھل جانے' دیوار نجس ہونے ناواقف کو ملوث کرنے' وقت ضائع کرنے اور آداب کی مخالفت کرنے کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

امام ابن قیمؒ نے "اغاثتہ اللہفان" میں لکھا ہے کہ: شیطان کی ایک چال یہ ہے کہ وہ شکی مزاج اور وسوسہ زدہ اشخاص کو پیشاب کے بعد مختلف قسم کی حرکتوں پر آمادہ کرتا ہے مثلاً وہ لوگ پیشاب کے بعد عضو کو جڑ سے سرے تک نچوڑتے ہیں۔ ایک حدیث سے اس کے لئے استدلال کرتے ہیں جو غریب اور غیر ثابت ہے۔ مسند اور سنن ابن ماجہ میں بطریق عیسٰی بن داؤد عن ابیہ مرفوعاً مروی ہے کہ:

اِذَا بَالَ اَحَدُكُمْ فَلْيَمْسَحْ ذَكَرَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔[1]

جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو کو تین مرتبہ پونچھ لے۔

---

[1] ممکن ہے کہ یہ مراد ہو کہ اپنے عضو کو تین مرتبہ پتھر سے پونچھ لے' جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ وَ لْيَسْتَنْجِ اَحَدُكُمْ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ" امام شافعی کا قول ہے کہ تین مرتبہ پونچھنا مراد ہے اس طرح دونوں روایتوں کا مفہوم ایک ہوگا اور مسح (پونچھنے) والی روایت سے نچوڑنے کا معنی مراد لینے کی ضرورت نہ ہوگی جس کی طرف ذہن جاتا نہیں۔ جابر کا مذکورہ قول صفائی ستھرائی کی تعلیم پر محمول ہے' حدیث کی تفسیر نہیں۔ یہی بات میرے ذہن میں آئی اور یہ بحمد اللہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ انتہی۔ محمد ناصرالدین کہتے ہیں کہ شیخ جمال الدین یا کتاب کے ناقل سے مذکورہ حدیث میں تصحیف ہوگئی ہے' جس سے وہ مذکورہ تاویل کی طرف گئے ہیں' حدیث میں " فَلْيَنْتُر " کا لفظ =

حضرت جابر بن زید کہتے ہیں کہ: جب پیشاب کرو تو عضو کے نچلے حصہ کو پونچھ لو' اس طرح پیشاب رک جائے گا۔ اسے ان سے سعید نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے علاوہ ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ نچوڑنے سے وہ قطرہ نکل آتا ہے جس کے استنجاء کے بعد نکلنے کا ڈر رہتا ہے' اگر چلنے کی ضرورت ہو تو چند قدم چل لے' یہ اور بہتر ہے۔ اسی طرح ان کا خیال ہے کہ کھنکھارنے سے بچا ہوا حصہ نکل جاتا ہے' یا کود کر تیزی سے بیٹھ جانے سے۔ بعض لوگ رسی سے لٹکے لٹکے بیٹھ جاتے ہیں کہ پیشاب کا بقیہ حصہ نکل جائے' کچھ لوگ عضو پکڑ کر دیکھتے ہیں کہ کچھ پیشاب باقی تو نہیں ہے' بعض اس کے سوراخ میں پانی ڈالتے ہیں' بعض سلائی سے سوراخ میں روئی بھر دیتے ہیں' بعض پٹی باندھ لیتے ہیں اور بعض سیڑھی پر چڑھ کر تیزی سے اترتے ہیں اور پھر دوبارہ طہارت کرتے ہیں۔ ہمارے شیخ (ابن تیمیہؒ) کا قول ہے کہ یہ سب وسوسہ اور بدعت ہے۔ میں نے ان سے عضو کو نچوڑنے کی بابت گفتگو کی تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ پیشاب کی حیثیت تھن میں دودھ کی ہے' اگر چھوڑ دیں تو رک جائے گا اور اگر دوہیں تو نکلے گا۔ جو ایسی عادت ڈال لیتے ہیں پریشان رہتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے انہیں راحت رہتی ہے۔ اگر یہ کام مسنون ہوتا تو اسے سب سے پہلے نبی ﷺ اور صحابہؓ کرتے۔ یہودی حضرت سلمانؓ سے کہتے تھے کہ تمہارے نبی تم کو سب چیز حتیٰ کہ پیشاب پاخانہ کا طریقہ بھی بتاتے ہیں! حضرت سلمانؓ نے جواب دیا کہ ہاں ہمیں نبی ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے۔[1] ہاں مستحاضہ عورت اور سلسل

= ہے' احمد اور ابن ماجہ وغیرہ نے ایسے ہی روایت کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ خود ابن قیم نے ذکر کیا ہے' اس لئے مذکورہ تاویل کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ حدیث کا ضعف "الضعیفہ" (۱۶۲۱) میں میں نے بیان کیا ہے۔ (ناصرالدین)

[1] صحیح حدیث ہے۔ اسے مسلم وغیرہ نے سلمان سے روایت کیا ہے۔اس کی تخریج کے لئے ملاحظہ ہو "صحیح السنن" (۵)

البول والے شخص کے لئے مناسب ہے کہ کپڑا وغیرہ رکھ کر باندھ لے تاکہ محفوظ رہے۔

۵۔ رذیلوں کا بعض مسجدوں کے حوض میں غسل کرنا

بہت سے کمینے' پنچ' ذلیل لوگوں اور کچھ نوجوانوں کو یہ عادت ہو گئی ہے کہ وہ گرمی کے دنوں میں بعض مساجد یا مدارس کے حوض میں غسل کرتے' کاش وہ لوگ غسل کے لئے کوئی قمیص' پاجامہ' یا تہہ بند وغیرہ بنا لیتے' افسوس یہ ہے کہ بالکل ننگے بدن غسل کرتے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے' فوج در فوج آتے ہیں اور نہاتے ہیں' بعض باتوں پر ان میں جھگڑا' تکرار' اور مار پیٹ بھی ہو جاتی ہے۔ مسجد یا مدرسہ کے متولی کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو منع کر دے۔ اس طرح تو عام مقامات اور دریا وغیرہ میں بھی غسل کرنا ذلیل حرکت ہے اس کے علاوہ دریا کے اندر غسل کرنے میں خطرہ بھی ہے' بعض اوقات سننے میں آتا ہے کہ کوئی لڑکا غائب ہے' پھر اس کی لاش دریا میں پائی جاتی ہے جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ تیرنے کا ہنر نہ ہونے کی صورت میں انسان دریا میں غسل کے لئے جائے گا تو اسی طرح کی مصیبت سے دو چار ہو گا' گھر کے لوگوں کو بچوں کے سلسلہ میں اس طرح کی باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

۶۔ مسجد میں تھوکنے کا گناہ

مسجد میں حوض کے کنارے پر اکثر تھوک یا رینٹ نظر آتی ہے' جسے وضوء کرنے والے وہاں چھوڑ دیتے ہیں' اسے دیکھ کر گھن آتی ہے۔ یہ ایسا گناہ ہے جس کا کفارہ یہ ہے کہ انسان اس گندگی کو خود دور کرے' شیخین وغیرہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا گناہ ہے' اور اس کا کفارہ اسے دفن کرنا ہے۔ امام مسلمؒ نے حضرت ابوذرؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا! میری امت کے برے اعمال میں وہ تھوک بھی ہے جو مسجد میں ہو اور اسے دفن نہ کیا جائے۔" قرطبیؒ کہتے ہیں کہ: تھوک مسجد میں صرف ڈالنا ہی گناہ

نہیں بلکہ اسے کھلا چھوڑنا بھی گناہ ہے۔ سعید بن منصور نے ابوعبیدہ بن جراح سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک رات مسجد میں تھوک دیا اور اسے دفن کرنا بھول گئے' گھر واپسی کے بعد یاد آیا تو آگ کا شعلہ لے کر آئے اور اس کی روشنی میں تھوک تلاش کر کے دفن کیا اور کہا کہ: اللہ کا شکر ہے کہ آج کی رات مجھ پر گناہ نہیں لکھا گیا۔"

۷۔ مسجد کے گوشوں میں پردے اور علم لٹکانا

بعض مساجد کے گوشوں' دیوار کے کناروں یا ستونوں پر پردے لٹکے رہتے ہیں' ان کے متعلق پوچھنے پر بتایا جاتا ہے کہ یہ فلاں شخص کے مقام کے پردے ہیں' اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زندگی میں وہ شخص اس جگہ آتا تھا' اس لئے اس جگہ کی تقدیس مناسب ہے' یا کسی نے خواب میں اس جگہ انہیں بیٹھے ہوئے دیکھا ہے' اور ایسی صورت میں اس جگہ کا احترام ہونا چاہیے اور اسے پیروں سے روندنا ٹھیک نہیں' یا یہ کہا جاتا ہے کہ وہ یہیں مدفون ہے' یا یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ جگہ اسی کے لئے منسوب ہے' اسی طرح کی اور بھی دوسری برائیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ ایسے بیانات سے عوام اور سادہ لوحوں کو دھوکہ ہوتا ہے' وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جگہ اچھی ہے یا یہاں کوئی ولی دفن ہے' اس لئے اس کی تعظیم کرنے لگتے ہیں' نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اور اس کی قسم کھاتے ہیں اور آخر کار اس کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔

اس بحث سے مجھے وہ پردہ یاد آ رہا ہے جسے "زقاق مکتبی" سے قریب "باب الجبابیہ" سے باہر جامع حسان میں لٹکایا گیا تھا' اس پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے "هٰذِهٖ رَايَةُ سَيِّدِنَا حَسَّان" یعنی یہ حضرت حسانؓ کا علم ہے۔ اسی طرح "قبيلة عربية" کی مسجد کے ایک زاویہ پر ایک طویل منقش علم رکھا ہوا تھا' اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ کسی نے حضرت حسانؓ کو اسی زاویہ میں دیکھا تھا تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا

کہ خواب کے احترام میں وہاں ایک پردہ ہونا چاہیے اب یہاں آنے والا یہ سمجھتا ہے کہ کوئی قبر یا زیارت گاہ ہے۔ بہت سے جاہل لوگ اسے چھوتے اور پکڑتے ہیں' حالانکہ حقیقت وہی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔[1] تعجب انگیز امر یہ ہے کہ مذکورہ خواب دیکھنے والے کا خیال یہ ہے کہ یہ مسجد حضرت حسان شاعر رسول کی طرف منسوب ہے' یہ تخیل اس کے ذہن میں تھا اسی لئے اسے خواب نظر آیا' بشرطیکہ خواب صحیح ہو۔ حالانکہ یہ مسجد اپنے ایک امام "حسان" کی طرف منسوب ہے' جن کا ترجمہ شذرات الذہب والے نے لکھا ہے اور مسجد کی ان کی طرف نسبت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس بات کو میں نے دمشق کی اپنی تاریخ میں درج کیا ہے' مساجد کو اس طرح کے جھنڈوں سے پاک رکھنا چاہیے۔

اسی طرح مجھے بیت المقدس کے مقام داؤدی کے نگراں نے بتایا کہ پچھلے دور میں اس مقام کا کوئی نشان نہیں تھا' لیکن ان کے دادا نے خواب دیکھا جس میں اشارہ تھا کہ یہاں داؤدؑ کی قبر ہے'۔انہوں نے بیداری کے بعد اس جگہ پتھر وغیرہ لگا دیا' اس خیال کے دوسرے لوگوں نے بھی ان کی مدد کی' قبر کی جو جگہ خواب میں بتائی گئی تھی اس پر نشان لگا دیا گیا اور وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر ہو گئی' کچھ دنوں بعد اسے شہرت مل گئی اور اس جگہ کے لئے بیت المال سے سلطانی تنخواہ مقرر ہوئی۔

٨۔ مسجد کی دیواروں یا جھنڈوں کو چھونا

کتب فروع کے مطابق حجر اسود کے علاوہ اور کسی چیز کو چھونا یا اس پر ہاتھ پھیرنا مشروع نہیں' کسی بھی امام نے اسے مستحب نہیں بتایا ہے۔ آخری زمانہ میں بعض چیزوں کو چھونے کی جو رسم نکلی ہے وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے مسلمانوں میں آئی ہے' جیسا کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں واضح کیا ہے' اسی وجہ سے اسے

---

[1] بحمد اللہ اب یہ چیز ختم ہو گئی۔ (ضیاء الدین القاسمی)

اس تشبہ کی ایک شکل بتایا گیا ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔ اس سلسلہ کی حیرت انگیز بات وہ خبر ہے جس کے ملنے سے پہلے میں یہ نہیں سوچتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ گذشتہ صدی کے ایک شیخ طریقت کے جبہ ولباس کا عرس یا تقریب منائی جاتی ہے' اس کی تاریخ ماہ رمضان کی ستائیسویں رات ہوتی ہے' اس موقع پر شیخ کی اولاد یا ان کے کسی خلیفہ کے گھر میں لوگ جمع ہوتے ہیں' ان میں علماء اور اصحاب جاہ و ثروت ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں' تقریب کے لئے منتخب شخصیت کے گرد لوگ حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور شیخ کی ہدایت کے مطابق ذکر و درود پڑھتے ہیں' جب اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو وہ شخص اٹھ کر شیخ کا جبہ' لباس اور عمامہ وغیرہ لے آتا ہے اور حاضرین کے سامنے پیش کرتا ہے' لوگ اپنے اپنے عمامے اتار کر اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور ان چیزوں کو ہاتھ سے چھو کر چہرے اور بدن وغیرہ پر ملتے ہیں اور شیخ کے جبہ یا لباس سے منہ چھپا کر کچھ پڑھتے جاتے ہیں۔ یہ کام باری باری ہر شخص کرتا ہے' مجلس ختم ہونے پر وہ یہ سوچتے ہیں کہ انہیں بہت سی خیر اور برکت حاصل ہوئی ہے اور شیخ کے ملابس کو اتنی دیر چھو لینا یا جسم پر ڈال لینا بہت بڑی سعادت ہے!

ناظرین غور فرمائیں اور خلفائے راشدین و سلف صالحین کے عہد سے اس کا موازنہ کریں اور دیکھیں کہ کسی موضوع روایت میں بھی یہ ذکر ملتا ہے کہ کسی تابعی' صحابی' شہید یا نبی کے جبہ یا کسی اثر پر لوگوں کو جمع کیا گیا؟ ہرگز نہیں' اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ دین کی حقیقت سے باخبر اور ایمان و یقین کے ذوق سے بہرہ ور تھے' انہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ تھا' نفس سے جہاد پر آمادہ رہتے تھے اور علم و عمل کی اصلاح پر توجہ رکھتے تھے۔ ان کے بعد علمی مناصب پر ایسے لوگ آئے جو روح شریعت اور سنت نبوی سے ناواقف تھے' عوام کو بیوقوف بنانے اور ان سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے وہ لوگ ایسے طریقے ایجاد کرتے ہیں' جب یہ رسوم کچھ دنوں تک باقی رہ جاتی ہیں تو لوگ انہیں صحیح سمجھ لیتے ہیں اور ان کی بجا آوری کو باعث

ثواب جانتے ہیں' دوسرے علماء میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ کچھ بولیں' اور اگر کچھ بولتے ہیں تو بھی ان کی آواز سنی نہیں جاتی' اور اس طرح بدعات و رسوم کو عروج حاصل ہوتا رہتا ہے۔

۹۔ یتامیٰ اور مفلسین کا مساجد میں پناہ لینا

کسی بھی مسجد میں جائیے تو صبح کے وقت وہاں کچھ خستہ حال لڑکے نظر آئیں گے' پوچھئے تو پتہ چلے گا کہ کوئی یتیم ہے جس کا گھر بار نہیں' نہ کوئی سہارا دینے والا ہے۔ بعض مسجدوں کے صحن میں اس طرح کے مفلس یتیموں کی جماعت نظر آتی ہے جو رات کو فرش زمین پر پتھروں کا تکیہ لگا کر سوجاتے ہیں' آسمان ان کا اوڑھنا ہوتا ہے' کسی کا سر پیر سے چمٹا ہوا ہے' کوئی سردی سے بچنے کے لیے اپنے پاس والے سے چمٹا ہوا ہے' کوئی کتے کو چمٹائے ہوئے ہے کہ اس طرح کچھ گرمی حاصل ہو۔ کوئی سہارا یا ٹھکانہ نہ ہونے سے اسی طرح یہ لوگ سردی یا گرمی کے مصائب برداشت کرتے رہتے ہیں۔

بڑا اچھا ہو اگر اہل ثروت ایسے محتاجوں کو تھوڑا سا سہارا دے کر ان کی غم خواری کریں اور ان مصیبتوں سے انہیں نجات دلائیں۔ قرآن کریم نے یتامیٰ کے اکرام اور مساکین کے ساتھ احسان پر بہت ابھارا ہے' اور جو لوگ دولت رکھ کر ان لوگوں کو فراموش کر دیتے ہیں انہیں وعید سنائی ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَ لَا تَحَاضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا وَ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۔ (الفجر)

ہرگز نہیں' بلکہ تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب بھی نہیں دیتے' اور مردوں کا ترکہ کھا جاتے ہو' اور مال کی محبت تم لوگوں کو بہت زیادہ ہے۔

رمضان ۱۳۲۳ھ کا ایک واقعہ مجھے یاد ہے کہ ایک مسافر فقیر اپنے ایک فقیہ

دوست کے پاس بیمار ہو گیا' جب اس کا مرض بڑھ گیا تو ہسپتال میں داخلہ کی کوشش کی گئی لیکن کسی زور دار سفارشی کے نہ ہونے سے ہسپتال میں داخلہ نہیں مل سکا' مجبوراً اسے جامعہ سنانیہ میں لے آئے اور مغربی حصہ میں چھت کے نیچے لٹا دیا' سردی سخت اور ہوا بہت تیز تھی' کچھ فقراء اس کی تیمار داری کرنے لگے اور کھانے پینے کا انتظام کیا' ایک یورپین ڈاکٹر اتفاقاً ادھر آیا تو مریض کو دیکھ کر اس کا علاج کرنے لگا۔ وہ دوا اپنے پاس سے لے آتا تھا' مگر مالدار مصلیوں میں سے کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ اس غریب پر رحم کرے اور کسی جگہ اسے رکھ کر سردی سے بچائے اور مناسب دوا اور غذا کا انتظام کرے۔ مجھے یاد ہے کہ مسجد کے برآمدہ میں ہم نے اس کے لئے کھانا بنایا تھا' بصیرت سے محروم بعض مالداروں نے جب کھانے کی خوشبو سونگھی تو مسجد میں کھانا پکانے کو ناپسند کیا۔ ایک شخص نے جواب دیا کہ اگر کسی کو اعتراض ہو تو مریض کو اپنے گھر میں رکھے اور ہم لوگوں سے اس بوجھ کو ہٹا لے۔ یہ جواب سن کر وہ مالدار مبہوت ہو گیا اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ مریض کچھ دنوں کے بعد مر گیا' لیکن مجھے اس کی حالت پر بے حد ترس آیا۔

کیا مالداروں کا فرض نہیں ہے کہ اس طرح کے بے سہارا انسانوں کے لئے سرائے اور ٹھکانے تعمیر کر دیں اور مستحق لوگوں کے لئے دوا و علاج اور تیمار داری کا انتظام کریں؟ دمشق میں اس طرح کا ایک شفاخانہ اور یتیم خانہ تعمیر ہوا ہے جس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہو رہا ہے' لیکن اتنے بڑے شہر میں مزید اس کی ضرورت ہے۔ اسلاف کی زندگی پر نظر ڈالئے تو ایسے لوگ ملیں گے جنھوں نے مدارس' شفاخانوں' یتیموں' بیواؤں اور محتاجوں پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کی ہیں اور ان کے اخراجات کے لئے اوقاف چھوڑے ہیں۔ لیکن آج اس طرح کا احساس باقی نہیں' رفاہ عام کے کاموں میں لوگ بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ اگلے لوگوں نے راستوں پر چوپایوں کے لیے پانی کی نہریں بنا دی تھیں۔ آج کچھ لوگ انہیں جالیوں سے گھیر دیتے ہیں تاکہ وہاں چوپائے نہ پہنچ سکیں۔ رحم و مروت کے یہ مظاہر اب مسلمانوں میں دیکھنے کو نہیں

ملتے۔

مجھے ایک سانحہ یاد ہے جو شائد پہلے کبھی نہ واقع ہوا ہو۔ بیت المقدس میں ایک مدرسہ شافعیہ کے لئے وقف تھا' اسے سلطان صلاح الدین نے وقف کیا تھا' بعد میں جب مدرسہ کا حال خراب ہو گیا اور چھت وغیرہ گرنے لگی تو بعض مالدار عیسائیوں نے روپے پیسے خرچ کر کے حکومت سے اسے لے لیا اور گرجے میں تبدیل کر دیا' لیکن عمارت پر صلاح الدین کے دور کی جو تاریخ کندہ تھی وہ باقی رہی۔ ۱۳۲۱ھ میں اپنے سفر بیت المقدس کے دوران' میں ایک شخص کے ساتھ اس گرجے میں گیا' اس کے پادری نے ہم لوگوں کو بتایا کہ "تاریخ الانس الجلیل" کے مطابق یہ ابتداءً گرجا ہی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چیز اصل کی طرف لوٹ گئی۔ میں یہ حال سن کر مدہوش ہو گیا اور اس کمزوری و خستہ حالی پر مجھے شدید افسوس ہوا۔ سلطان صلاح الدین نے مسجد اقصیٰ کے اردگرد مدارس اور خانقاہوں کو اس لئے تعمیر کرایا تھا کہ دشمنان دین اس سے قریب نہ ہو سکیں۔ سلطان نے لوگوں سے مکانات خرید کر انہیں مدرسہ بنایا تھا' مقصد یہ تھا کہ مدارس چونکہ فروخت نہیں ہو سکتے اس لئے وہ اور ان کی وجہ سے مسجد دونوں محفوظ رہیں گے' لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ یہ مدارس دشمنان دین کے ہاتھوں فروخت ہو جائیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۰۔ مسجد کے حجروں میں جھاڑ پھونک کرنے والے کا قیام

بعض مسجدوں میں حجرے ہوتے ہیں جن میں غیب اور مستقبل کے حالات سے واقفیت کے مدعی مقیم رہتے ہیں' ان کے پاس گم شدہ ضرورتوں والے اور مستقبل کے نفع و نقصان کو جاننے کے خواہشمند آتے رہتے ہیں' اپنے مقصد کے لئے یہ لوگ منتر کرنے والے عامل کو پیسے بھی دیتے ہیں۔ کچھ لوگ وہمی امراض اور وسوسوں کے

سبب بھی عاملوں کے پاس جاتے ہیں۔ عامل آنے والوں کو یہ باور کراتا ہے کہ ان امراض اور شیطانی اثرات کا اس کے منتروں اور عجیب و غریب طریقوں کے علاوہ کوئی اور علاج نہیں' کبھی وہ قدم کے نیچے نام لکھتا ہے' کبھی حیض کے خون سے کچھ لکھتا ہے' کبھی عورت کے پیٹ پر کچھ لکھتا ہے' غرض اسی طرح کی انوکھی اور بھونڈی حرکتیں کرتا ہے۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اب مسلمانوں میں رائج ہے شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص نجومی سے عقیدت رکھے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور وہ کفر کی حد میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ انسانوں میں غیب کا علم صرف اسی نبی یا فرشتہ کو ہو سکتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ باخبر کرے۔ ایسے لوگوں کو مسجدوں سے نکال دینا چاہئے' اور مردوں اور عورتوں کو یہ بتانا چاہئے کہ یہ سب گمراہ لوگ ہیں' دوسروں کو یہ گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور ناجائز طور پر ان کی دولت ہڑپ کرنا چاہتے ہیں:

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ۔ البقرہ: ۷۹)

پس افسوس ہے ان کے حال پر ان کے لکھنے کی وجہ سے اور افسوس ہے ان پر ان کی کمائی سے۔

ایسے ہی فریب کاروں کے بارے میں وارد ہے۔ میرے والد رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تکلملة کتاب الصناعات" باب الراء میں ان عاملوں کے کچھ حالات لکھے ہیں۔

۱۱۔ مسجدوں سے جلوس وغیرہ نکالنا

دوسرے شہروں کی طرح دمشق میں بھی یہ رسم دیکھی جاتی ہے کہ مختلف صوفیانہ طریقوں کے مشائخ موسم ربیع میں اپنے مریدین اور خلفاء کو ساتھ لے کر جلوس نکالتے ہیں' اس میں لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر جھنڈے لہراتے ہوئے ڈھول بجاتے ہوئے شہر کے باہر کسی مسجد یا اس کے اطراف میں جمع ہوتے ہیں' پھر منظم

صورت میں وہاں سے چلتے ہیں۔ اس جلوس میں گوناگوں بدعتوں کو دیکھ کر ایک فاضل نے کہا تھا کہ "یہ جماعتیں ہمیشہ ایسی بدعتیں ایجاد کرتی رہتی ہیں جن کو دیکھ کر بیوقوفوں کو ہنسی اور عقلمندوں کو رونا آتا ہے۔ اپنی بیہمانہ خواہشوں کی تکمیل کے لئے یہ لوگ ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ امت کو شرم محسوس ہوتی ہے' اور دوسرے لوگ ہم پر ہنستے ہیں اور ہمارے کاموں کی توہین کرتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ ان جاہلوں کو بدعت چھوڑ کر اپنے ان شیوخ کے نقش قدم پر چلنا چاہئے جن کی پیروی کا انہیں دعوی ہے۔ اصل میں یہ لوگ شیطان کے پیرو ہیں جو انہیں اپنی مرضی کے مطابق لے چلتا ہے۔ کہاں یہ حرکتیں اور کہاں باطن کی صفائی؟ کہاں گمنامی کا دعوی اور کہاں پر نمائش؟ کہاں گھوڑوں پر سوار ڈھول تاشے کے ساتھ چلنا اور کہاں تواضع؟ کہاں لوگوں سے دوری اور بے نیازی اور کہاں دنیوی معاملات میں مزاحمت؟ کہاں ریاء سے دوری اور کہاں لاکھوں کے ساتھ لچکتے مٹکتے چلنا؟ ان بدعتوں کے ہوتے ہوئے ارشاد و سلوک اور پیرو شیخ کی بات کیا معنی؟ ہمارے خیال میں یہ سب کچھ معاشی منفعت کے لئے کیا جاتا ہے۔ لیکن اب ان بدعتوں کو ختم ہونا چاہیے اور جاہل بدعتیوں کو یہ سوچنا چاہئے کہ بہت سی قومیں ان کے اعمال و حرکات پر نظر رکھتی ہیں' اور موقع پر غلط تصویر پیش کرتی ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو راستہ متعین ہے اس میں اخلاص' تنہائی سے محبت' لوگوں سے دوری' بیہودہ کلام سے بچنا' ہمیشہ ذکر و فکر میں مصروف رہنا' شب بیداری اور تہجد پڑھنا' لوگوں سے بے نیاز رہنا' اور سنت نبویؐ کا اتباع کرنا ضروری واجبات ہیں۔ لیکن آج ان اصولوں کو کوئی نہیں دیکھتا' اور سنت کی جگہ برابر بدعتوں کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے اور شریعت کو خواہشات نفس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ بڑی مصیبت تو بعض شیوخ کی وہ روش ہے جس سے عقیدہ پر اثر پڑتا ہے اور عوام گمراہ ہوتے ہیں' یہ لوگ "انسان کامل" اور صوفیاء کی بعض دوسری کتابوں سے اس طرح کی گمراہ کن باتیں نقل کرتے ہیں اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ فتح و الہام کے ذریعہ یہ اس کے

اشاروں کو سمجھتے ہیں۔ اس طرح مختلف طریقوں اور بدعتوں کی کثرت ہو گئی ہے اور ایسی ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں جو نہ تو ہمارے دین میں ہیں نہ کسی اور دین والے ان کے قائل ہیں۔

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک غیر ملکی دانشور ایسی جگہ پہنچا جہاں اہل ہوا و ہوس رقص اور چیخ و پکار میں مصروف تھے' اس نے اپنے ترجمان سے پوچھا کہ "مسلمان تو بہت خشوع و سکون سے نماز پڑھتے ہیں' پھر یہ شور و غوغا اور بکواس کیسی؟ ترجمان نے جواب دیا کہ یہ ان کی سب سے بڑی نماز ہے۔ اس جواب کا مقصد اس غیر ملکی کو اسلام سے متنفر کرنا تھا۔ ورنہ دین اسلام ان بدعتوں سے بری ہے۔ نبی ﷺ کی سیرت محفوظ اور سب کے سامنے ہے' علماء تاریخ و سیر نے آپؐ کے تمام اعمال و اقوال اور حرکات و سکنات کو مدون و محفوظ کر لیا ہے۔ خلفاء راشدین اور متقدمین صوفیاء کا عمل بھی ہمارے سامنے ہے' اس میں کہیں اس طرح کی چیزوں کا وجود نہیں۔ طریقت کے جاہل شیوخ نے اپنے اپنے زمانے میں ان بدعتوں کو ایجاد کیا ہے' انہوں نے ایسے ایسے اقوال گھڑ کر جاہلوں کو سکھائے ہیں کہ اللہ کی پناہ' مشروع ذکر چھوڑ کر یہ لوگ اس طرح کے جملوں کا ورد کرے ہیں۔ "اللام الا اللہ" "لو الوھا الا اللہ" "ال" اور "ھ" پھر رقص کرتے ہیں' آگ منہ میں ڈالتے ہیں' دف اور بانسری بجاتے ہیں' بازو میں کیل اور تالو میں سیخ وغیرہ رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اصلاح شیوخ طریقت کا سب سے بڑا فرض ہے تاکہ ان کے مریدین کو دین کا صحیح عقیدہ اور اس کی تعلیمات کا علم ہو سکے۔

۱۲۔ کسی مخصوص مسجد میں عورتوں کے لئے وعظ

گذشتہ سالوں میں ایسے لوگ موجود تھے جو کسی مخصوص مسجد میں عورتوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے' اس کام کے لئے عموماً متقی' غیرتمند اور عورتوں کی تعلیم و تہذیب سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو متعین کیا جاتا تھا۔ ان میں سے مجھے شیخ عثمان

حورانی[1] کا نام یاد آ رہا ہے جو دسویں صدی ہجری کے ایک عالم تھے' ان کے حالات زندگی میں میں نے پڑھا ہے کہ یہ ہر ہفتہ عورتوں کے لئے ایک مجلس منعقد کرتے تھے جس میں وہ شریک ہوتی تھیں اور دین کے احکام و آداب سیکھتی تھیں۔ در حقیقت اس طرح کی وعظ و نصیحت کی عورتوں کو زیادہ ضرورت رہتی ہے ان میں برائیاں اور بدعات و خرافات زیادہ رائج ہوتی ہیں' شوہروں کی مخالفت' اور دوسرے ممنوع کام میں بھی یہ آگے رہتی ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس کام کے لئے جس کو مقرر کیا جائے گا اس کا لوگ مذاق اڑائیں گے' اس کا جواب یہ ہے کہ مذاق تو بہت بڑے بڑے لوگوں کا اڑایا گیا' اور ہر حق گو کا مذاق اڑایا جائے گا' لیکن مصلحین کو کسی کے مذاق کی پرواہ نہیں ہوتی' وہ داعیان دین کا اسوہ اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ یقیناً یہ افسوس ناک بات ہے کہ ملک میں ان کے لئے وعظ و نصیحت کا کوئی انتظام نہ ہو' جب کہ انہیں اس کی شدید ضرورت ہے۔ اصحاب اقتدار و ثروت کا یہ فرض ہے کہ اس کام کے لئے اہلیت والوں کو مقرر کریں اور عورتوں کی نصیحت کے لئے کسی مسجد میں انتظام کر دیں اور اس کے دروازے پر دربان مقرر کر دیں تاکہ مرد اس میں نہ جا سکیں' یہ اس وقت کی اہم دینی ضرورت ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ عید گاہ میں عورتوں کو نصیحت کرتے تھے' ان کی صفوں کے درمیان جاتے تھے اور انہیں یہ حکم فرماتے تھے کہ حیض کی حالت میں بھی عید گاہ آئیں تاکہ نیکی اور مصلیوں کی دعاء میں شریک ہو سکیں۔ فقہا نے عورتوں کو مساجد اور مجالس درس و وعظ سے روکنے میں اتنی سختی برتی کہ عام طور پر عورتیں دینی احکام سے نابلد ہو گئیں۔ مزید یہ ہوا کہ حدیث نبوی کی مخالفت ہوئی' چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح

---

[1] ان میں شیخ احمد زاہد بھی ہیں' شعرانی نے طبقات میں لکھا ہے کہ یہ مسجد میں عورتوں کو مخصوص مجلس میں نصیحت کرتے تھے' انہیں دین کے احکام کی تعلیم دیتے تھے اور شوہر' اور پڑوسیوں کے حقوق سے آگاہ کرتے تھے۔ (ضیاء الدین القاسمی)

میں عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' عورتیں جب تم سے اجازت چاہیں تو مسجد میں ان کے حصوں کو ان سے نہ روکو۔ بلال بن عبداللہ نے کہا کہ' ہم ضرور انہیں روکیں گے' حضرت عبداللہ نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا قول پیش کر رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ ہم انہیں ضرور روکیں گے۔ سالم کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ نے اس موقع پر بہت زیادہ سخت سست کہا تھا۔

مجاہدؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے گھر والوں کو مسجد آنے سے نہ روکے۔ ان کے ایک لڑکے نے کہا کہ ہم انہیں ضرور روکیں گے۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم یہ کہتے ہو؟ راوی کا بیان ہے کہ پھر حضرت عبداللہ زندگی بھر اس سے نہیں بولے۔[1] اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ رہا حضرت عائشہؓ کا یہ قول کہ "اگر رسول اللہ ﷺ کو ان چیزوں کا علم ہو جاتا جنہیں عورتوں نے آپ کے بعد ایجاد کر لیا ہے تو آپؐ انہیں مسجد جانے سے ضرور روک دیتے" تو اس سے انہوں نے عطر لگانے والی عورتوں کو مراد لیا ہے' جیسا کہ ایک حدیث میں مروی ہے کہ جو عورت خوشبو لگا لے وہ ہمارے ساتھ عشاء میں شریک نہ ہو۔[2] اس لئے عورتوں کو یہ بتایا جائے گا کہ وہ خوشبو کا استعمال نہ کریں اور بے پردگی ترک کر دیں' لیکن ہمیشہ کے لئے مسجد کا دروازہ ان کے حق میں بند کرنے کا مطلب جہالت کے سوا اور کیا ہو گا؟ دین کا علم مردوں کی طرح ان کے لئے بھی ضروری ہے' لیکن اگر وہ کسی مجلس میں شریک نہ ہوں گی تو پھر کہاں سے علم سیکھیں گی؟ تعجب اور افسوس کی بات یہ ہے کہ خرید و فروخت اور میل ملاقات کے لئے نکلنے سے عورتوں کو روکا نہیں جاتا لیکن دین کا علم سیکھنا ہو تو روکا جاتا ہے۔ مجھے ایک مرتبہ یہ جان کر

---

[1] اس کی سند صحیح ہے' ملاحظہ ہو "المشکوۃ" (۱۰۸۴)

[2] اسے امام مسلم وغیرہ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

ہنسی آئی کہ ایک متعصب فقیہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ رمضان میں عشاء اور تراویح میں بعض عورتیں اس کے پیچھے نماز پڑھتی ہیں تو اس نے نفرت دلانے کے لئے آدمی بھیج کر ان سے یہ کہلا دیا کہ میں تمہاری امامت کی نیت ہی نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ حنفی مذہب کے مطابق اگر امام مقتدیوں کی امامت کی نیت نہ کرے تو ان کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ غور کیجئے کہ تعصب کی کرشمہ سازیاں کیسی کیسی ہیں؟

۱۴۳۔ جاڑے میں مساجد کو گرم کرنے سے روکنا

جاڑے کے دنوں میں بالخصوص سرد ممالک میں گھروں کو گرم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات سردی اتنی سخت ہوتی ہے کہ زندگی مکدر اور ذہن پریشان ہو جاتا ہے' ضرورت پر بھی لوگ گھروں سے نکلنے سے گریز کرتے ہیں' ملازمت یا کسب معاش کے لئے مجبورا باہر نکلنے والوں پر سردی کا اتنا برا اثر ہوتا ہے کہ کمر جھک جاتی ہے' پہلو ٹیڑھا ہو جاتا ہے اور چہرہ پر جھریاں پڑ جاتی ہیں' اسی طرح غریب شخص کا جسم کانپتا رہتا ہے' رونگٹے کھڑے رہتے ہیں' چہرہ زرد رہتا ہے' گال سکڑے رہتے ہیں اور ناک بہتی رہتی ہے۔ والد محترم رحمتہ اللہ نے جاڑ میں مسکین کی بدحالی پر چند اشعار کہے ہیں:

ذَهَبَ الرَّبِيْعُ بودِّهٖ وَبِلِيْنِهٖ   وَ اَتَى الشِّتَاءُ بِبَرْدِهٖ وَبِطِيْنِهٖ

بہار کا موسم محبت و نرمی لے کر چلا گیا۔ اور سردی و خاک لے کر جاڑا آ گیا

اَمَّا الْفَقِيْرُ فَفِي الشِّتَاءِ هَلَاكُهٗ   مِنْ هَمِّهٖ فِيْ فَحْمِهٖ وَ عَجِيْنِهٖ

جاڑے میں غریب کی ہلاکت ہے آٹے اور کوئلے کی اسے ہر دم فکر رہتی ہے۔

وَ بِسَقْفِ بَيْتِ عَيَالِهٖ مِنْ وَكْفِهٖ   وَ بِرَجْفِهٖ مِنْ بَرْدِهٖ وَاَنِيْنِهٖ

گھر کی چھت بیوی بچوں پر ٹپکتی ہے۔ اور غریب خود سردی سے کانپتا اور آہیں بھرتا ہے۔

شیخ عبدالغنی نابلسی نے بھی اسی موضوع پر ایک نظم لکھی ہے جس کا مختصر ترجمہ

ذیل میں درج ہے:

"جاڑا جانے کا نام نہیں لیتا' ہوا نے شاخوں کو ننگی کر دیا ہے' سردی سے چڑیوں نے چہچہانا چھوڑ دیا ہے' لوگ بوجھل لباس میں لپٹے ہوئے ہیں' سورج کی شعاعوں کو بدلیوں نے چھپا رکھا ہے' امراء گھروں میں اچھے اور لذیذ کھانوں کا مزہ لے رہے ہیں' غریبوں کی ننگی پشت سردی میں ٹھٹھر رہی ہے' ان پر رحم کھانے والا کوئی نہیں' یہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے' ان کے رزق اور ان کی حفاظت کا اللہ ہی بندوبست کرتا ہے"۔

سردی کی شدت میں نمازی جب مسجد میں آکر وضوء کے لئے حوض کے کنارے بیٹھتے ہیں تو یہ عجیب ایمان پرور اور مؤثر منظر ہوتا ہے۔ اکثر لوگ نماز کے بعد گھروں کو چلے جاتے ہیں' لیکن کچھ عاجز اور عبادت گذار مسجد ہی میں رہ جاتے ہیں' انہیں سردی سے بہت تکلیف ہوتی ہے' خصوصاً بڑی مسجدوں میں تو ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے۔ چونکہ نماز کے لئے مسجد کی حاضری ضروری ہے' موسم سرد ہو یا گرم' اس لئے بعض اصحاب خیر کا یہ خیال ہے' کہ وقف کی آمدنی سے مسجدوں کو انگیٹھیوں کے ذریعہ گرم رکھنے کا انتظام کیا جائے۔ بلاشبہ یہ ایک مناسب تجویز ہے' ان شاء اللہ لوگ اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے' بعض مسجدوں میں جب ایسا انتظام کیا گیا تو کچھ بیوقوف لوگوں نے یہ کہہ کر اس کی مخالفت کی کہ مسجدوں کو آگ کا گھر نہیں بنایا جائے گا۔ مجھے بعد میں بتایا گیا کہ شام کی بعض مسجدوں میں گرمی کے لئے ہیٹروں کا انتظام ہو گیا ہے۔ ہاں اور نمائشی صلحاء ہمیشہ اس طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ اللہ کرے کچھ لوگ آمادہ ہو جائیں کہ انگیٹھیوں کا انتظام کر لیں اور انہیں شمالی حصہ میں مصلیوں کے پیچھے رکھوا دیں۔[1]

---

[1] یہ ایک اہم تجویز ہے جس پر عمل ضروری ہے' مگر افسوس لوگ عمل نہیں کرتے بلکہ انگیٹھی کو مصلیوں کے آگے رکھتے ہیں۔ کبھی صف میں رکھ دیتے ہیں جس سے صف کٹ جاتی ہے' لوگ جہالت سے ایسا کرتے ہیں' حدیث میں کھمبوں کے درمیان صف لگانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس طرح صف کٹ جاتی ہے۔ واللہ المستعان

۱۴۔ مسجد کے خدام کی جماعت میں سستی

اکثر مسجدوں میں ان کے نگراں و ملازمین جماعت اولیٰ کے ساتھ نماز ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں' مغرب کی نماز ہوتی رہتی ہے اور "چراغی" چراغ جلاتا رہتا ہے۔ بیت المقدس کے سفر میں میں نے دیکھا کے متعینہ شخص اذان فجر کے ساتھ قندیل جلانا شروع کرتا ہے اور دیر تک جلاتا رہتا ہے۔

بعض لوگ ظہر کی اذان سے کچھ پہلے جھاڑنے کا کام شروع کر دیتے ہیں' تاکہ نماز کے لئے آنے والے دیکھ کر یہ سمجھیں کہ اس خدمت پر مامور آدمی محنتی ہے۔ اس کے بعد کچھ لوگ اذان سے فارغ ہو کر دروازے کی طرف مڑتے ہیں اور غسل جنابت کے لیے حمام چلے جاتے ہیں یا دکان وغیرہ کا رخ کر لیتے ہیں۔

کچھ لوگ مسجد کے باہر نماز کے لئے پکارتے ہیں اور نماز کے وقت خود سگریٹ پینے یا کسی اور کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگ نہ تو مسجد کے آداب سے واقف ہوتے ہیں نہ عبادت کا مقام ان کی نظر میں ہے یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد عبادت و ذکر کے بجائے اسی طرح کے کاموں کے لئے بنائی گئی ہے' یہ لوگ انتہائی بدحالی اور جہالت کی زندگی بسر کرتے ہیں' انھیں متنبہ ہو کر دینی احکام و آداب سیکھنا چاہیے تاکہ تاریکی سے نکل کر روشنی میں آ سکیں۔

۱۵۔ کیروسین تیل کے استعمال سے گریز

سب کو معلوم ہے کہ کیروسین تیل سے روشنی زیادہ ہوتی ہے' اس کے مقابلہ کسی اور تیل سے اتنی روشنی حاصل نہیں ہوتی۔ اس دور کے لوگ چونکہ کیروسین تیل کے عادی ہیں اس لئے کسی اور تیل کو جلانا پسند نہیں کرتے۔ میں جب بیت المقدس گیا تو وہاں دیکھا کہ مسجد اقصیٰ میں قندیل جلانے والے کو بڑی مشقت ہوتی ہے پھر بھی روشنی کم ہوتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم لوگ کیروسین تیل

کیوں نہیں جلاتے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ بہت سستا ہے اور مسجد اقصیٰ مالدار مسجد ہے اسے گراں تیل چاہیے- میں نے کہا کہ اس کو جلانے میں دیر لگتی ہے اور روشنی بھی کم ہوتی ہے' پھر اسے استعمال کرنے کا کیا فائدہ؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اسی کو جلانے کا حکم ہے- مجھے بیحد تعجب ہوا کس طرح پرانے طریقوں سے لوگ بے فائدہ چمٹے ہیں' اگر مسجد میں کیروسین تیل جلایا جائے تو روشنی بھی زیادہ ہوگی اور مشقت بھی کم اٹھانی پڑے گی- اللہ تعالیٰ لوگوں کو صحیح طریقہ کی ہدایت دے-

۱۶- عمامہ یا جبہ کے بغیر امامت کرنا

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مسجد میں مقررہ امام کسی عذر سے وقت پر پہنچ نہیں پاتا' جب مصلی پہونچ جاتے ہیں اور نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو مؤذن حاضرین پر نظر ڈالتا ہے کہ کسی کو آگے بڑھائے- حاضرین میں بعض لوگ اسے امامت کے لائق نظر آتے ہیں لیکن ان کے سر پر عمامہ نہیں ہوتا' مؤذن ان سے آگے بڑھنے کے لئے اشارہ کرتا ہے مگر وہ پیچھے ہٹتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ بغیر عمامہ امامت صحیح نہیں ہوتی' یا جیب سے رومال نکال کر سر پر لپیٹ لیتے ہیں اور پھر نماز پڑھاتے ہیں' اور کبھی بغیر رومال ہی آگے بڑھ جاتے ہیں' بعض متعصب اشخاص یہ دیکھ کر ان کی شکایت کرتے ہیں اور لاحول واناللہ پڑھتے ہیں- ان میں بعض بے حیاء ہوتے ہیں اور حشویہ سے سنی ہوئی عمامہ کی حدیث پیش کرنے لگتے ہیں' یہ لوگ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں' جو حدیثیں مروی ہیں وہ موضوع و ناقابل استدلال ہیں- جیسا کہ سخاوی نے "المقاصد" میں بیان کیا ہے- [1] اس بیان کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عمامہ کو ضروری قرار دینے والے ناواقف ہیں' عبادات

---

[1] اس سلسلہ بعض حدیثیں ہماری کتاب " سلسلة الاحاديث الضعيفة " (۱۲۷-۱۲۹- ج ۲۸:۵)- ملاحظہ ہو (ناصرالدین)

میں لباس کا کوئی دخل نہیں' اور یہ مسئلہ بہت زیادہ تائید و ثبوت کا بھی محتاج نہیں' بلکہ دین کی حقیقت سے باخبر لوگ اس کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ میں جو لوگ تعصب برتتے ہیں ان کی واقفیت کے لئے البتہ یہاں پر کچھ عرض کرنا مناسب ہو گا' اگرچہ مقلدین کو دلیل سے فائدہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابن سہل کا قول ہے کہ: دلیل کا بدترین ضیاع مقلد کے یہاں ہوتا ہے۔

رویانی اور ابن عساکر نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ عمامہ کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے' بغیر عمامہ ٹوپی اور ٹوپی عمامہ بھی استعمال فرماتے تھے' اور کبھی نماز کی حالت میں ٹوپی اتار کر اس کا سترہ بھی بنا لیتے تھے[1]

یہی حال جبہ کا بھی ہے کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ اگر وقتی طور پر امامت کروانے والے کے پاس جبہ نہ ہو تو اپنا جبہ اتار کر دے دیتے ہیں لیکن یہ دین کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے امام بخاری نے کتاب الصلاۃ کے شروع میں ایک باب "ایک ہی کپڑے میں نماز" رقم کیا ہے اس میں عمر بن ابی سلمہ کی یہ روایت مذکور ہے کہ انہوں نے نبیؐ کو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اسی طرح ابو ہریرہؓ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ ایک شخص نے نبیؐ سے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کیا سب کے پاس دو کپڑے ہوتے ہیں؟ حنفیہ میں صاحب "التجنیس" نے زلت و عاجزی کے اظہار کے خیال سے ننگے سر نماز کو مستحب قرار دیا ہے۔ "ملک امجد" کا شعر ہے:

له نظرات کرر الحقدشررها
لما ضمنته نفسه من سخائم

کینہ کی وجہ سے وہ غصہ کی نگاہ سے دیکھتا ہے کیونکہ اس کے اندر کمینہ پن بھرا ہوا ہے۔

---

[1] میں کہتا ہوں کہ اس کی سند ضعیف ہے' ملاحظہ ہو "الدعامہ" ص ۳۶

فما الفضل في اهل الشرابيں سبه
ولا العلم مخصوصًا باهل العمائم

لیکن خرقہ پوشوں میں اس خوبی کا وجود عار نہیں اور نہ علم عمامہ والوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:

واني لاًرباء باالعمائم ان تری
علی اروس اولی بهن المقانع

میں عماموں کے لیے یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ ایسے سروں پر ہوں جن کے لیے برقع مناسب ہے۔

مسجد و مدرسہ کے دربان کے فرائض اور دروازہ بند رکھنے کا نقصان

تاج الدین سبکی نے "معید النعم" میں لکھا ہے کہ: دربان کو دروازے کے قریب رات بسر کرنا چاہیے تاکہ اگر کوئی نماز وغیرہ کے لئے رات کے وقت مسجد آنا چاہے تو آسکے۔ بعض دربان رات کو عشاء کے بعد یا کسی دوسرے وقت دروازہ بند کرتے ہیں اور پھر کسی کے آنے پر نہیں کھولتے' ایسا کرنا جائز نہیں' البتہ وقف کرنے والے شخص نے اگر یہ شرط لگا دی ہو کہ کسی مخصوص وقت میں دروازہ کھولا جائے گا تو ایسا ہی کیا جائے گا' لیکن اس شرط کی صحت محل نظر ہے' اور اگر کسی مسجد یا جامع مسجد میں شرط لگائے تو واضح ہے کہ وہ شرط صحیح نہ ہو گی۔ انتہی۔

سبکی کے اس بیان کی روشنی میں ان دربانوں کے رویہ پر غور کرنا چاہیئے جو مدارس و مساجد کے دروازے باوجود ضرورت بند رکھتے ہیں' صرف نماز باجماعت کے وقت کھولتے ہیں۔ اگر کوئی دوسرے وقت میں وضو کے لئے یا کسی اور ضرورت کے لئے مدرسہ یا مسجد میں داخل ہو تو نہیں داخل ہو سکتا۔ آمدورفت والے مدارس میں

بعض نمائشی صلحاء صرف نماز کے وقت دروازے کھولتے ہیں' ان سے پوچھا جاتا ہے کہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو جواب دیتے ہیں کہ دروازہ کھلا رہنے کی صورت میں بیت الخلاء کو پڑوس کے غیر مسلم استعمال کرتے ہیں' یہ دلیل بعید تعجب انگیز ہے۔ انسان کو سلف کی سخاوت اور خلف کے بخل پر تعجب ہوتا ہے' دروازہ بند رکھنے والوں کو یہ معلوم نہیں کہ ذمیوں کو وہی حقوق حاصل ہیں جو ہمیں حاصل ہیں' اور ان پر وہی [1] ذمہ داریاں ہیں جو ہم پر ہیں؟ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ: ہر نیکی صدقہ ہے۔"؟ کیا انہوں نے وہ حدیث نہیں سنی کہ بدکار عورت کو کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے بخش دیا گیا؟ پھر انسان کی مدد اور اس پر رحم سے گریز کا کیا معنیٰ؟ کسی بھی دور میں ایسا نہیں ہوا کہ بیت الخلاء کے سلسلہ میں طبقات اور مذہب و ملت کی تفریق کی گئی ہو۔ جو مدعیان صلاح و تقویٰ دوسروں کے بنائے ہوئے بیت الخلاء کو استعمال کرنے سے روکتے ہیں وہ اوروں کی مدد کے لئے اپنا مال کس طرح خرچ کر سکتے ہیں؟ حضرت علیؓ نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ: دو چیزوں نے میری پشت توڑ دی ہے' ایک رسوا عالم اور دوسرا جاہل عبادت گذار۔

خلاصہ یہ کہ مساجد و مدارس کا دروازہ بلا ضرورت دن کو بند رکھنا باتفاق ناجائز ہے' اور ضرورت کے واقعی یا غیر واقعی ہونے کا لحاظ بھی کرنا ہوگا۔ البتہ رات میں چوری وغیرہ کے ڈر سے دروازہ بند کر سکتے ہیں' لیکن ایسی صورت میں دربان کا فرض ہے کہ وہ دروازے سے قریب سوئے تاکہ کسی کے اٹھانے سے اٹھ جائے' اسے جو

---

[1] میں کہتا ہوں کہ: حدیث میں اس طرح مطلق نہیں وارد ہے' بعض کتب فقہ میں وارد ہے کہ "لھم مالنا وعلیھم ما علینا" کا جملہ مرفوع حدیث ہے جسے نبی ﷺ نے ذمیوں کے بارے میں فرمایا ہے' اور موجودہ دور میں یہ مقررین و مولفین کے مابین رائج ہے۔ حالانکہ کتب حدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف وارد ہے' یعنی یہ کہ نبی ﷺ نے "لھم مالنا" کا جملہ ان اہل کتاب کے بارے میں فرمایا تھا جو مسلمان ہو گئے تھے' ملاحظہ ہو "الضعیفہ" (۱۱۷۵)۔

تنخواہ ملتی ہے وہ اسی لئے ملتی ہے کہ مسجد میں آنے والوں کو اس سے سہولت ملے' اگر وہ اس کا لحاظ نہیں رکھے گا تو تنخواہ جائز نہ ہوگی۔ دربانوں کی غفلت سے بہت سے نقصانات ہوتے رہتے ہیں' مسجد کے قالین چوری ہو جاتے ہیں' کمرے لوٹ لئے جاتے ہیں' دیواروں میں نقب لگا کر برابر کی دکان سے مال چرا لیا جاتا ہے۔ اگر دربان اچھی طرح نگرانی کرے تو اس طرح کا کوئی واقعہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ وقف کرنیوالوں کا مال اس طرح بے توجہی سے ضائع ہو جاتا ہے۔

۱۸۔ جماعت سے غیر حاضری اور غفلت

بعض علماء نے لکھا ہے کہ: فقراء اور مفلسین کا وجود بڑی نعمت ہے' ان سے دینی شعائر کو قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اگر لوگ جاہ و ثروت میں ایک ہی طبقہ کے ہوتے تو دینی تقریبات کی کوئی امتیازی حیثیت نہ ہوتی۔ اس تحریر کا مقصد اس بات پر اظہار افسوس ہے کہ بہت سے اعیان و اکابر اور امراء پنجگانہ نماز کی جماعتوں سے غیر حاضر رہتے ہیں۔ اور یہ احساس صحیح ہے' کیونکہ مسجدوں میں دینی شعار کو قائم کرنے والے در حقیقت فقراء اور متوسط طبقہ کے تاجر و دست کار ہوتے ہیں۔ اکابر جمعہ و عیدین کے علاوہ بہت کم مسجدوں میں آتے ہیں' البتہ اگر کسی صاحب جاہ و ثروت کی مجلس تعزیت میں شرکت کرنی ہو تو اس وقت بھی امراء مسجد میں آتے ہیں۔ ان حالات پر نظر رکھنے والا شخص اگر اپنے افسوس کا اظہار کرتا ہے تو یہ بجا ہے۔ ہمیں اس کا انکار نہیں کہ امراء اور ملازمین کو جماعت کے اوقات میں کام کی مصروفیت ہوتی ہے۔[1]

---

[1] میں کہتا ہوں کہ اس کو ان کے لئے عذر نہیں مانا جا سکتا' کیونکہ وہ اللہ کے منادی کو "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ" پکارتے ہوئے سنتے ہیں' جبکہ یہ معلوم ہے کہ نبی ﷺ نے نابینا شخص کو بھی معذور نہیں قرار دیا بلکہ اس کے لئے واجب قرار دیا کہ جب وہ اذان سنتا ہے تو مسجد میں حاضری دے۔ (ناصر الدین)

لیکن مقصد یہ ہے کہ ہفتہ کے بعض ہی دنوں میں یا فرصت کے اوقات مثلاً عشاء کی نماز میں اس دینی اجتماع کو تقویت حاصل ہو۔ جہاں تک صبح کی نماز میں حاضری کا تعلق ہے تو اس میں بھی تقریباً تمام اکابر اور اکثر متوسطین حاضر نہیں ہوتے۔ فجر کی علامتی جماعت تو صرف جاڑے کے دنوں میں قائم رہتی ہے جب رات بڑی ہوتی ہے اور لیٹے لیٹے پہلو درد کرنے لگتا ہے' اور اس وقت بھی عام طور پر حاجت مند لوگ ہی موجود رہتے ہیں' تاجروں وغیرہ کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ یہ حالت بے حد افسوسناک ہے' دینی شعائر کا تقاضا یہ ہے کہ امت کا ہر طبقہ انھیں ادا کرے اور مالدار طبقہ مخصوص طور پر اللہ کے انعام و اکرام کا شکر ادا کرے جن کا شمار انسانی طاقت سے باہر ہے۔ امراء کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآنی ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے بندوں پر احسانات کئے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً۔ (الملک: ۲)

"وہی ہے جس نے موت و حیات پیدا کی تاکہ وہ تم کو جانچے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرنے والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ۔ (سبا:۱۵)

"اپنے رب کی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔

ایسے مالدار لوگوں کو عابدوں کو سب سے اولین جماعت میں ہونا چاہیئے۔ اور مالداری کی سرکشی سے بچنا چاہیئے جس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (العلق: ۷)

"بے شک انسان گمراہ ہو جاتا ہے' اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے۔

عقل مند شخص کو انجام پر نظر رکھنی چاہیئے اور آخرت کی بربادی سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے تاکہ اس ارشاد الٰہی کا مصداق بن سکے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ۔ (النور: ۳۷)

"ایسے لوگ جن کو خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے' نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کر سکتی۔

یہ خیال نہ کیا جائے کہ بعض ائمہ کی طرح ہم بھی تمام نمازوں میں جماعت کے وجوب کے قائل ہیں کیونکہ اس امت سے عبادات و معاملات میں تنگی دور کر دی گئی ہے۔[1] لیکن جب عذر نہ ہو تو ایسی صورت میں اول وقت باجماعت نماز ادا کرنا ضروری ہے' تاکہ نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت زندہ ہو اور دینی شعائر کو تقویت حاصل ہو سکے۔

۹۔ بعض مساجد کی موقوفہ کتابوں پر قبضہ جمانا

بعض بڑی مسجدوں میں وقف کی کتابیں موجود رہتی ہیں جن سے طلباء کو فائدہ پہونچانا مقصود ہوتا ہے۔ مسجد کا امام یا مدرس ان کتابوں کا نگراں ہوتا ہے لیکن عموماً یہ کتابیں الماری یا حجرے میں بند رہتی ہیں اور کسی کو ان کا علم نہیں ہوتا' اگر علم ہو بھی تو ان کو حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے' اگر عاریۃً حاصل بھی ہو جائیں تو یہ دیکھا

---

[1] میں کہتا ہوں کہ: دلائل سے جماعت کو واجب کہنے والے ائمہ کے قول کی ترجیح ثابت ہوتی ہے' جیسا کہ میں نے بعض کی جانب بھی اشارہ کیا' اور وجوب کو راجح ماننے کی صورت میں بھی تنگی ختم ہی رہتی ہے' اس لئے کہ بحث یہ ہے کہ اصل وجوب ہے یا نہیں؟ اگر وجوب اختیار کریں گے تو عمل واجب ہو گا لیکن اگر کوئی عارضی تنگی پیدا ہو جائے تو وجوب باقی نہ رہے گا' یہ بات ان شاء اللہ ظاہر ہے (ناصر الدین)

جاتا ہے کہ کتاب نکال کر دینے والا بے حد تنگدلی کا مظاہرہ کرتا ہے اور لینے والے کی طرف دیکھتا جاتا ہے اگر کتابوں کے نگراں شخص کا انتقال ہو جائے اور الماری یا حجرہ کی کنجی اس کے لڑکے یا کسی جاہل کو مل جائے اور کتابوں کی جانچ کرنے والے یا ان سے استفادہ کرنے والے نہ ہوں تو کتابیں خراب ہو جاتی ہیں اور انہیں دیمک کھا جاتی ہے۔ مجھے ایک مسجد کی الماری کا کیا حال معلوم ہے جس کے بارے میں متولی کے علاوہ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اس میں کیا ہے' لیکن کسی کو متولی سے پوچھنے کی جرأت نہیں' اسی طرح ایک بڑی مسجد کا حجرہ موقوفہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا لیکن متولی کی زندگی میں وقف کرنے والے کی اولاد کے علاوہ کسی کو ان کتابوں کا علم نہیں تھا' پھر اس کی موت کے بعد اس کے لڑکے وارث ہوئے جو کم عمری کے ساتھ کم علم بھی تھے' اس لئے کتابوں کی دیکھ بھال نہیں ہوتی تھی اور انہیں کبھی ہوا بھی نہیں لگتی تھی۔

میرے خیال میں کتابیں وقف کرنے والے کو چاہئے کہ وہ ان کو ایسے ہوشمند اور سنجیدہ عالم حوالے کریں جو علم و علماء اور کتابوں کی قدر و قیمت سے واقف ہو' یا پھر عوامی لائبریریوں کو دیدیں جیسے دمشق کا مکتبہ ظاہریہ وغیرہ تاکہ ہر شخص ان سے مستفید ہو سکے۔ مجھے بعض قدیم گھروں میں ایسی موقوفہ کتابوں کا علم ہے جن تک رسائی مشکل ہے حالانکہ وہ کتابیں اہم ہیں' لیکن ان کو چھپا کر رکھنے کا مقصد ظاہر ہے۔

۲۰۔ قرآن' خوشبو کے ڈبوں اور قالینوں کی ان مسجدوں کے لئے وصیت جنھیں ان کی ضرورت نہ ہو

مال کے مصرف سے ناواقفیت کے بعد یہ تصور کہ ہر چیز اپنی جگہ پر ہے' بصیرت کا فقدان ہے۔ اکثر مالدار پیسہ خرچ کرتے ہوئے یا کوئی دوسرا کام کرتے ہوئے عقل سے کام نہیں لیتے ہیں اسی طرح اکثر وصیتوں سے ضروری امور غائب رہتے ہیں' اور

غیر ضروری چیزیں اولین سطور میں مذکور ہوتی ہیں' وصیت ایک فن ہے جس کا ہر عالم اور دانشور کو مطالعہ کرنا چاہیئے' کیونکہ مال ایک اہم اور محبوب چیز ہے' اس کا اسراف یا ناجائز طور پر اسے کھانا حرام ہے' مال کے حصول کے لئے انسان بڑی مشقتیں اٹھاتا ہے' اس لئے اسے ایسے طور پر خرچ نہیں کرنا چاہیئے کہ بدنامی کا باعث ہو' مگر بہت سی خرابیاں موروثی طور پر ہمارے اندر جڑ پکڑ گئی ہیں' چنانچہ بہت سے مالدار اصحاب ایسی مسجدوں کے لئے قرآن شریف' خوشبو' یا قالین کی وصیت کر جاتے ہیں جنھیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مساجد میں اس وقت بہت سے مطبوعہ و قلمی قرآن موجود رہتے ہیں لیکن انہیں پڑھنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ بعض مسجدوں میں میں نے دیکھا کہ وصیت کا کوئی قالین پہنچا اور مسجد کو ضرورت نہیں تو اسے دوسرے قالین کے ساتھ ملا کر سل دیا گیا۔ یہ وصیت کرنے اور اسے لکھنے والے کی جہالت کی دلیل ہے۔ اگر کسی باہوش آدمی سے مشورہ کر کے یہ کام کیا جائے تو اس طرح کی خرابی نہ پیدا ہو۔ میرے ایک پڑوسی نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ میں فلاں مسجد میں ایک جائے نماز دینا چاہتا ہوں لیکن مسجد کو اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ اطراف شہر کی ایسی مسجد میں دے دو جس کو ضرورت ہو' اس نے کہا کہ ان مسجدوں میں مصلی کم ہوتے ہیں' اور میں ایسی مسجد چاہتا ہوں کہ جب اس میں بچھائی جائے تو زیادہ لوگ نماز پڑھیں تاکہ زیادہ ثواب ملے۔ سوچئے! اس سمجھ اور استدلال و استنباط کو کیا کہا جائے؟ مجھے ایسے لوگوں کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی رضامندی کے لئے نہیں بلکہ ریاکاری کے لئے خرچ کرتے ہیں' کیونکہ بڑی مسجدوں میں آنے والے زیادہ ہوتے ہیں۔ جب وہ اکٹھا ہوں گے تو نئی جائے نماز دیکھ کر ضرور سوال کریں گے کہ کہاں سے آئی ہے؟ اس وقت انہیں جواب ملے گا کہ فلاں شخص نے وصیت کی تھی' اسی کی طرف سے بچھائی گئی ہے۔ یہ سن کر ریاکار کے جذبہ کو تسکین ہوگی اور اسے شہرت ملے گی' ریاکاری کی لذت ایسی ہے کہ آدمی مر سڑ کر بھی اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

۲۱۔ مساجد میں درخت لگانا

در مختار کے حاشیہ میں مذکور ہے علامہ "ابن امیر حاج حنفی" نے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس میں مسجد کے اندر درخت لگانے کو جائز کہنے والوں کی تردید کی ہے' انہوں نے کہا کہ اس سے نماز وغیرہ میں رکاوٹ پیدا ہو گی' اگر مسجد کشادہ ہو یا درخت کے پھل سے فائدہ حاصل ہو تو بھی جائز نہ ہو گا' ورنہ اس دلیل سے مسجد کے کسی حصہ کو کرایہ پر دینا بھی ثابت کیا جا سکتا ہے اگر کوئی درخت مسجد میں موجود ہے تو اسے باقی نہیں رکھا جائے گا' اس لئے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

لَیْسَ لِعِرقِ ظَالِمٍ حَقٌّ۔[1]

ظالم کے درخت کا کوئی حق نہیں۔

اس لئے کہ ظلم نام ہے کسی چیز کو اس کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ رکھنا' اور یہاں ایسا ہی ہے۔

اس رائے کی تائید محقق ابن ابی شریف شافعی نے بھی کی ہے۔ اقناع اور اس کی شرح میں جو حنبلی فقہ کی کتاب ہے' یہ مذکور ہے کہ: مسجد میں درخت لگانا حرام ہے' کیونکہ اس کا فائدہ نماز کے لئے ثابت ہے اور اسے نظرانداز کرنا زیادتی ہے۔ اگر کوئی درخت لگا دے تو اسے اکھاڑ دیا جائے گا' ورنہ اس کا پھل مسجد کے مساکین وغیرہ کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا۔ انتہی۔

۲۲۔ لمبی قرأت

عبادات کے معاملہ میں فقہ کے اکثر ابواب میں یہ صراحت ہے کہ ان میں تخفیف کی جائے گی مثلاً امام نماز میں تخفیف کرلے گا' مصلی کا اگر کوئی منتظر ہو تو وہ تخفیف کرلے گا' امام جب یہ سن لے کہ بچہ رو رہا ہے اور اس کی ماں نماز میں

---

[1] صحیح حدیث ہے' ملاحظہ ہو "الارواء (1518)

شریک ہے تو وہ تخفیف کرے گا' اور اسی طرح جمعہ کا خطیب خطبہ میں تخفیف کرے گا' کیونکہ مقصد یہ ہے کہ عبادت چستی' شوق اور قلب کی حضوری کے ساتھ ادا کی جائے' اور یہ چیزیں تخفیف اور اعتدال ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اور اگر عبادتوں کو طول دے کر دلوں کو متنفر کیا جائے تو یہ شریعت کی روح اور اس کے مدعا کے خلاف ہو گا' جب کسی چیز کو طول دیا جاتا ہے تو لازما اس سے طبیعتوں میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس وضاحت کے بعد یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ بہت سے قراء سبق یا رمضان میں' یا نمازوں کے بعد طویل قرأت کرتے ہیں اس سے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور اس سے بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ لوگ قرآن کو سننے یا ایسی مجلسوں میں آنے سے کترانے لگتے ہیں' اور چونکہ اس کا سبب قاری کی طویل قرات ہوتی ہے اس لئے وہ بھی گناہ میں شریک ہو گا۔ نبی ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ نماز میں طویل قرات کرتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ:

اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ۔[1]

تم میں سے بعض نفرت پیدا کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ علماء کو یہ چاہئے کہ دلوں کو بھلائی کی طرف مائل کریں اور احکام سننے اور سیکھنے کے لئے ان کے اندر شوق پیدا کریں' اسی وجہ سے نبیؐ کا ارشاد ہے کہ:

يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔[2]

نرمی کرو' سختی نہ کرو۔ بشارت دو' اور نفرت نہ پیدا کرو۔

طول جس طرح قرأت قرآن میں ناپسندیدہ ہے اسی طرح درس' خطبہ' نماز اور

---

[1] صحیح حدیث ہے' اس کی تخریج "الارواء" (۲۹۵) میں ملاحظہ ہو۔

[2] صحیح حدیث ہے' اس کی تخریج کے لئے ملاحظہ ہو "الصحیحۃ" (۱۱۵۱)

عوام سے متعلق تمام چیزوں میں مکروہ ہے کیونکہ اس سے اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے جو دل کے خشوع وخضوع کو ختم کر دیتی ہے۔

میں نے ایک مرتبہ مراکش کے ایک با اثر شخص کے سامنے وہاں پر مروجہ ایک رسم کا ذکر کیا تھا جب ان کے یہاں کوئی مرجاتا ہے تو متواتر تین راتوں میں بیدار رہ کر فجر تک قرآن کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس سے قاریوں اور گھر کے سبھی لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے' تلاوت کی جو اجرت دی جاتی ہے وہ اس محنت و مشقت سے کم ہوتی ہے جسے قراء برداشت کرتے ہیں۔ قراء جب رات کے آخری حصہ میں تلاوت سے فارغ ہوتے ہیں تو ان کے لئے اس وقت کھانے پینے کا اہتمام کرنا پڑتا ہے جس میں بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ تعزیت کے لئے آنے والے اقرباء واحباب بھی شرما حضوری میں مشقت اٹھا کر حاضر رہتے ہیں۔ چونکہ ایسا فعل نبی ﷺ اور سلف صالحین سے ثابت نہیں اس لئے اس بدعت کے مکمل خاتمہ یا کم از کم اس میں کمی کے لئے کوشش ضروری ہے۔

اسی طرح شام کے مالداروں کی عادت ہے کہ دفن کی پہلی رات قبرستان میں قاریوں کے ساتھ پوری رات جاگتے ہیں' سردی کے موسم میں جب تیز ہوائیں چلتی ہیں تو ٹھنڈک سے بچنے کے لئے لوگ اپنے ساتھ انگیٹھی اور چائے کا سامان لے کر جاتے ہیں اور خیمہ نصب کر کے اسی میں رات گذارتے ہیں' قاریوں کی بھی سردی میں غیر معمولی دشواری ہوتی ہے۔ کیا صدقات و خیرات کا صرف یہی طریقہ ممکن ہے؟ معلوم نہیں یہ چیز کہاں سے آئی؟ جہالت اور علماء سے نہ پوچھنے کے سبب ایسی غلطی ہوتی ہے۔ ماتمی مجالس و تقریبات میں مالداروں کا بہت زیادہ پیسہ خرچ ہوتا ہے' لیکن جب راہ اللہ میں خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو یہ لوگ غیر معمولی بخل سے کام لیتے ہیں۔ صاحبان عقل و ہوش کو ایسے کاموں سے بچنا چاہیے جو دنیا و آخرت میں خسارے کا سبب ہوں۔

۲۳۔ قاری کی تلاوت کے وقت قرآن کے پارے تقسیم کرنا

دمشق میں یہ رسم تھی کہ میت والوں کی تعزیت تین دن تک محلہ کی بڑی مسجد میں کی جاتی تھی لوگ صبح کے وقت طلوع فجر سے سورج بلند ہونے تک تعزیت کے لئے آتے تھے' اس وجہ سے اس اجتماع کو "صباحیتہ" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا' اس کی وجہ سے صبح کی نماز میں ان لوگوں کو دشواری ہوتی تھی جو جماعت کے بعد آتے تھے' مجبوراً وہ یا تو صحن میں نماز ادا کرتے تھے یا پھر کسی گوشہ میں چلے جاتے تھے۔

یہ رسم صدیوں سے رائج تھی' تقریباً دس سال پہلے ایک باحیثیت آدمی نے اس اجتماع کو عشاء کی نماز کے بعد منعقد کرنے کا خیال ظاہر کیا اور ایک مسجد میں ایسا ہی کیا گیا' شام کے دوسرے لوگوں نے اس کی تقلید کی اور اب وہاں لوگ عشاء کی نماز کے بعد تین رات تک جمع ہوتے ہیں اس طرح مصلیوں کو نماز میں دشواری کی بات تو ختم ہو گئی لیکن اس اجتماع کی دوسری خرابیاں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ایک رسم یہ ہے کہ اس اجتماع میں ایک یا متعدد قاریوں کو بلایا جاتا ہے جو باری باری قرآن پڑھتے ہیں' اور اسی اثناء میں مسجد کا خادم قرآن کے پارے حاضرین میں تقسیم کرتا ہے جو انہیں لے کر پڑھتے ہیں۔ اس معاملہ میں ایک شیخ نے لوگوں سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ دونوں کام ایک ساتھ نہ کریں' اگر لوگوں میں پارے تقسیم کئے جائیں تو پھر قاری کو آہستہ پڑھنے کے لئے کہا جائے۔ اور اگر قاری کو بلند آواز سے پڑھنے کی اجازت ہو تو پھر پارے نہ تقسیم کئے جائیں' کیونکہ بلند آواز سے پڑھنے کی وجہ سے دوسرے پڑھنے والوں کو خلل ہوگا۔ اطمینان کی بات یہ ہے کہ اب بہت سی مسجدوں سے یہ رسم ختم ہو گئی ہے' اب لوگ کسی قاری کو بلا کر قرآن کا کچھ حصہ پڑھواتے ہیں اور خود بیٹھ کر سنتے ہیں' مگر کچھ ناسمجھ ایسے وقت میں بات کرتے رہتے ہیں۔ جن مسجدوں میں اب بھی مذکورہ رسم باقی ہے' وہاں کے لوگوں کو اسے ختم کرنے کی

کوشش کرنی چاہیئے۔

بہت سے حفاظ اپنے حصہ کا قرآن پڑھنے کے بعد کلمہ اور اشعار پڑھتے تھے جس سے مسجد میں شور پیدا ہو جاتا تھا' لیکن اب وہ تلاوت کے خاتمہ پر دعاء ہی پر اکتفاء کر لیتے ہیں اس سے مذکورہ بدعت کی سختی میں کمی واقع ہو گئی ہے' صرف دمشق کی دو مسجدوں میں یہ باقی ہے کیونکہ وہاں مؤذن برآمدہ میں اکٹھا ہو کر مختلف قصیدہ پڑھتے ہیں۔ اللہ کرے کہ یہ بدعت بھی ختم ہو جائے۔

۲۴۔ امام کے پیچھے کھڑے ہونیوالوں کا اپنی جگہ لینے والوں پر غصہ

اکثر بڑی مساجد میں کچھ لوگ پابندی سے امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں' یہ لوگ نماز سے پہلے آتے ہیں اور اپنی مخصوص جگہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں' بعد میں کوئی آنے والا ان کے بازو میں گنجائش دیکھ کر اگر اس امید پر بیٹھ جاتا ہے کہ وہ تھوڑا کھسک کر اس کو بھی نماز ادا کرنے کا موقع دیں گے تو ایسا نہیں ہوتا' بلکہ پہلے سے موجود شخص اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض لوگ دوسرں کو آتا ہوا دیکھ کر چہار زانو زیادہ جگہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں' اقامت کے بعد اگر کوئی جا کر ان کے بازو میں کھڑا ہو جاتا ہے اور جگہ کم رہتی ہے تو غصہ کی شدت سے صف سے نکل کر دوسری صف میں چلے جاتے ہیں اور لاحول وغیرہ پڑھنے لگتے ہیں۔ اگر ان کے آنے سے پہلے کوئی ان کی متعینہ جگہ پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ آکر پھر غصہ کے مارے سب سے آخری صف میں بیٹھ جاتے ہیں' اور کبھی کبھی ضبط نہیں ہوتا تو بیٹھنے والے سے کہہ پڑتے ہیں کہ "بھائی ہم کل کے پیدا نہیں ہیں' اس مسجد میں چالیس سال سے یہیں نماز پڑھ رہے ہیں' تمہارا ذوق و ادب کہاں گیا؟۔ ایسے افراد کی عبادت میں ریا کاری نمایاں ہوتی ہے اور نماز کا صحیح پھل انہیں نہیں مل پاتا' ان کی تادیب و تربیت ضروری ہے۔

۲۵۔ بعض مسجدوں میں محمل کا نظارہ کرنے والوں کی بھیڑ

جیسا کہ معلوم ہے حکومت حج کے محمل کی روانگی اور واپسی کے موقع پر جشن مناتی ہے' اس موقع پر ایک جلوس نکلتا ہے جس میں امراء اور اصحاب مناصب شریک ہوتے ہیں' اس جلوس میں شرکت کے لئے شام اور شام سے باہر کے بہت سے لوگ آتے ہیں جن راستوں سے یہ جلوس گذرتا ہے ان پر دونوں اور قریب قریب کی عمارتوں کی چھتوں پر لوگوں کا ازدحام ہوتا ہے' تماشہ دیکھنے والوں میں مرد' عورت' بچے اور بوڑھے سبھی ہوتے ہیں' راستہ میں جو مسجدیں پڑتی ہیں ان میں بھی تماشہ بین داخل ہو جاتے ہیں' لوگ عموماً فجر کے وقت ہی سے اپنی اپنی جگہ لے لیتے ہیں' اس موقع پر جو شور و ہنگامہ ہوتا ہے اسے بیان کرنا ممکن نہیں' محمل جب گذرنے لگتا ہے اس وقت کی کیفیت دیدنی ہوتی ہے۔ اس بھیڑ میں مساجد کے ائمہ و خطباء اور دوسرے ملازمین بھی اپنے اپنے گھروں سے بیوی بچوں کو لے کر آتے ہیں اور انہیں مسجدوں میں رکھ کر تماشہ دکھاتے ہیں' اس طرح مسجد کی بیحرمتی ہوتی ہے اور بہت سے خلاف شریعت کام عمل میں آتے ہیں' راستے اور عام اجتماع کے مقام بالکل گندے ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں جلوس کے دن ان مسجدوں کے دروازے بند کر دینے چاہئیں جو جلوس کے راستہ پر پڑتے ہیں تاکہ اس موقع کی خرابیاں مسجد میں نہ واقع ہوں۔ اس کی بڑی ذمہ داری مسجد کے متولی پر واقع ہوتی ہے' اس کی بے توجہی سے اگر کوئی غلط کام مسجد میں ہوگا تو اس کا گناہ اسے بھی ہوگا۔ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جلوس کے موقع پر میدان کے راستہ کی جامع المعلی بند کر دی جاتی ہے' دوسری مساجد کے ذمہ داروں کو بھی اس کی پیروی کرنی چاہیے۔

باجوری نے شرح الغایۃ کے حاشیہ میں شوافع کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ محمل اور مقام ابراہیم کے غلاف کا نظارہ کرنا حرام ہے' کیونکہ ان کا یہ قائدہ ہے جس فعل کا

کرنا حرام ہے اس کا دیکھنا بھی حرام ہے' کیونکہ دیکھنے کا ایک طرح سے مطلب یہ ہے کہ آدمی اس فعل کا اثبات کر رہا ہے۔ لیکن امام بلقینی دیکھنے کو جائز مانتے ہیں' ان کے خیال میں چونکہ یہ اسلام کا شعار بن چکا ہے اس لئے اس پر حرمت کا حکم نہیں لگے گا۔

یہ بات مخفی نہیں کسی کام کی تحریم کا سبب اس سے پیدا ہونے والی خرابیاں ہوتی ہیں مثلاً یہ کہ وہ کسی فاسد ملکہ کی پرورش کرتا ہے یا نفس کے اندر فساد کے جراثیم کو بڑھاتا ہے۔ اسی لحاظ سے تحریم یا کراہت کا حکم لگتا ہے' انسان کو اس قاعدہ پر نظر رکھنی چاہیے۔ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ: اگر کسی شخص کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کسی فعل کا کیا حکم ہے' تو اس کے مقصد اور نتیجہ پر غور کرے۔ اگر اس میں بگاڑ اور خرابی کا پہلو غالب ہو تو شارع کی طرف سے اس کا مامور و مشروع ہونا محال ہے' بلکہ وہ فعل یقیناً حرام ہو گا جبکہ اس سے اللہ اور رسول کی ناراضگی لازم آئے۔

۲۶۔ مسجد کی جائے نماز پر اپنی جائے نماز بچھانا

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص مسجد میں اپنی جائے نماز بچھا کر نماز پڑھے تو یہ بدعت ہے یا نہیں؟ موصوف نے جواب دیا کہ: جائے نماز پر نماز اس کے قصد سے ادا کرنا سلف میں مہاجرین و انصار اور تابعین کا طریقہ نہیں' وہ لوگ مسجد کی زمین پر نماز پڑھتے تھے' گرمی کی شدت میں کوئی کوئی اپنا کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرتا تھا' نبی ﷺ چٹائی [1] پر نماز پڑھتے تھے جو کھجور کی پتیوں سے بنی رہتی تھی۔ زمین کی جنس کی کسی چٹائی وغیرہ پر نماز کا سجدہ کرنے میں علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں' البتہ کھال یا اون سے تیار فرش کے بارے میں جو زمین کی جنس سے

---

[1] صحیح حدیث ہے' اس کی تخریج "صحیح ابی داوٗد" (۶۶۳) میں موجود ہے اسے ابن خزیمہ (۱:۱۱:۲)اور ابن حبان (۳۵۴-۳۵۶) نے بھی ذکر کیا ہے۔

نہ ہو' علماء مختلف ہیں' اکثر لوگ اس کو جائز مانتے ہیں' اہلحدیثوں میں امام شافعی و احمد اور اہل کوفہ میں ابو حنیفہ وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔

لیکن مسلمانوں کی جائے نماز پر جو لوگ اپنی چٹائی یا فرش بچھاتے ہیں وہ بدعت پر بدعت کا اضافہ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگوں کو وسوسہ کا مرض ہوتا ہے جس کی وجہ سے انہیں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مسجد کا فرش لوگوں کا قدم پڑنے یا پرندوں کے بیٹ کرنے سے ناپاک ہو گا۔ حالانکہ بتواتر یہ معلوم ہے کہ نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانے میں مسجد حرام میں لوگ چلتے تھے کبوتر بھی وہاں رہتے تھے' مطاف میں تو اتنے لوگ گذرتے تھے جتنے کسی اور مسجد میں ممکن نہیں پھر نبی ﷺ اور صحابہؓ کے متعلق یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا کہ وہ لوگ کسی افضل و مستحب کام کے ترک پر متفق ہو جائیں گے۔ بناء بریں مذکورہ عمل کتاب و سنت اور اجماع کے خلاف قرار پائے گا۔ بعض لوگ ایسے فعل کو دینداروں کا شعار اور اسے چھوڑنے کو بیدینی اور نماز سے بے توجہی قرار دیتے ہیں' ان کی دانست میں یہ طریقہ شاید نبی ﷺ اور صحابہؓ کے طریقہ سے افضل و اکمل ہوتا ہے!

اسی طرح بعض لوگ کندھے پر مصلی اور ہاتھ میں تسبیح لے کر نکلتے ہیں اور اسے دین اور نماز کا شعار سمجھتے ہیں' حالانکہ بتواتر ثابت ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہؓ کا یہ شعار نہیں تھا وہ لوگ اپنی انگلیوں پر تسبیح گنتے تھے' اور بعض لوگ کنکری یا گٹھلی پر گنتے تھے [1] تسبیح کے ذریعہ ذکر الٰہی کو بعض لوگوں نے مکروہ اور بعض نے جائز بتایا ہے' لیکن یہ کسی کا قول نہیں کہ تسبیح سے گننا انگلیوں پر گننے سے افضل ہے۔ اور تسبیح کے مستحب ہونے سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ اس کا اظہار اور نمائش بھی مستحب ہے' بلاشبہ یہ عمل ریاء میں شمار ہو گا۔ اگر کسی مشروع عمل میں ریاء ہو تو یہ گناہ ہے' لیکن کسی غیر مشروع عمل میں ریاء کا ہونا تو اور بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

---

[1] یہ کسی صحابی سے ثابت نہیں' ملاحظہ ہو "التعقب الحثیث" پر ہماری تردید۔ (ناصر الدین)

ارشاد ہے کہ:

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً۔ (الملک)

"تاکہ جانچے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرنے والا ہے"۔

فضیل بن عیاضؒ نے اس کی تفسیر "اخلص اور اصوب" "یعنی خالص تر اور درست تر" سے کی ہے' (شیخ کا فتویٰ اہم اور طویل ہے' اسے ملاحظہ کرنا چاہیے)

۲۷۔ پانی بند ہونے کے بعد حوض کے پانی کا بدل جانا

دمشق میں جاڑے کے اخیر میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ نہروں کا پانی روک دیا جاتا ہے' کیونکہ کسانوں کا یہ خیال ہے کہ فروری کے مہینہ کا پانی کھیتی کو نقصان پہونچاتا ہے' اس لئے اسے کھیتوں سے روک دیا جاتا ہے اور بعض نہروں کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جب نہروں کا پانی بند کے ذریعہ روک دیا جاتا ہے تو ان گھروں اور مسجدوں کو پانی نہیں پہنچ پاتا جہاں ان سے پانی لیا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں بڑے حوضوں میں جو پانی باقی رہ جاتا ہے اسے مسجد کے خدام اس خیال سے روک رکھتے ہیں کہ اس سے مصلی وضو کریں گے' لیکن اس پانی میں جلد ہی تبدیلی ہو جاتی ہے کیونکہ بڑی مسجدوں میں زیادہ مصلیوں کو وضو کرنا ہوتا ہے اور ان کا استعمال کردہ پانی اسی حوض میں رہ جاتا ہے' اس سے پانی میلا ہوتا جاتا ہے اور لوگوں کو اس کے استعمال سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ مذکورہ پانی کے استعمال کا کوئی شرعی حکم نہیں' کیونکہ شریعت نے پانی کو جو بہت زیادہ پاک کرنے والا قرار دیا ہے تو اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ ہم اسی حالت میں ہوتے ہوئے اس کا استعمال کریں' اور اگر پانی میں یہ وصف نہ پایا جائے تو اس کو استعمال کرنے کی زحمت کا کیا فائدہ؟ یہ بھی معلوم ہے کہ بہت سے ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ جس پانی کا رنگ بدل جائے اس کی طھوریت ختم ہو جاتی ہے یعنی پھر وہ کسی چیز کو پاک نہیں کر سکتا' تو جو پانی ہاتھ پیر کے میل کی وجہ سے بدل جائے وہ پاک کرنے والا کیسے

ہوگا اور اس کو کلی یا منہ دھونے کے لئے کیسے استعمال کیا جائے گا۔

اگر کوئی فقیہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کا رنگ نہیں بدلا ہے تو یہ شریعت کے اسرار کو نہ سمجھنے کا ثبوت ہوگا' کیونکہ اس پانی کی تو اصل ہی بدل گئی پھر رنگ بدلنے کا کیا سوال؟ ایسا پانی طبی اعتبار سے بھی مضر ہے' جراثیم اور مائیکروبات کے منہ میں رہنے کی بات اب سورج کی طرح بدیہی و روشن ہے۔ اس لئے مسجد کے خدام کو چاہیئے کہ جب حوض کا پانی منقطع ہو جائے تو اسے سکھا دیں' یا مسجد کے منتظم حوض میں ڈھکن لگا دیں اور اس میں سے ٹونٹیاں نکال دیں جیسا کہ بیت المقدس کے حوض میں ہے' ایسی صورت میں حوض کے پانی کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں رہے گا' بلکہ یہ انتظام پانی جاری رہنے کی صورت میں بھی بہتر ہوگا' اس لئے کہ بہتے ہوئے پانی کو بھی جب زیادہ لوگ استعمال کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اوپر کھنکھار اور میل نظر آتی ہے جس کو لوگ دیکھ کر گھن محسوس کرتے ہیں۔

۲۸۔ خیراتی حوض کو لوہے کی جالیوں سے گھیرنا

اے اللہ! ہم جاہلوں میں شمولیت سے تیری پناہ چاہتے ہیں' اے اللہ! جہالت کے اثرات اور اس سے بصیرت کا جو زوال ہوتا ہے اور جو تباہیاں آتی ہیں ان سے بچنے کے لئے ہم تیرے رحم کے طلب ہیں' جہالت کی کرشمہ سازیوں کو بیان کرنے سے ہماری زبان و قلم عاجز ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اسلاف انسانوں اور جانوروں کی راحت کے لئے مختلف راستوں اور عوامی جگہوں پر حوض اور پانی پینے پلانے کی جگہیں بنا دیا کرتے تھے' یہ کام فی سبیل اللہ ہوتا تھا اور ہر جاندار کو اس سے نفع حاصل کرنے کا حق تھا' لیکن اس دور کے بعض جاہلوں نے شیطانی وسوسہ کا شکار ہو کر ان حوضوں کو آہنی جالیوں سے گھیر دیا' ان کی دلیل یہ ہے کہ مختلف قسم کے لوگ پانی کو گندا کرتے ہیں۔ اسی میں برتن وغیرہ دھوتے ہیں' جالی گھیرنے کے بعد چونکہ صرف ہاتھ جانے کی جگہ رہتی ہے اس لئے پانی میں کوئی برتن وغیرہ نہ ڈال سکیں

گے۔ اس عمل سے جانوروں کو حوض کا پانی بالکل نہیں ملتا اور وہ پیاسے گھومتے رہتے ہیں حالانکہ پانی کے وہی زیادہ مستحق تھے۔ حوض کو وقف کرنے کا جو مقصد تھا اسے ان لوگوں نے بالکل الٹ دیا۔ اس سے دوسرے کے صدقہ کئے ہوئے مال میں بخل لازم آتا ہے اور ایسا کرنے والے سخت سزا کے مستحق ہیں' بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کی طرف نہ تو دیکھے گا نہ ان کو پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے درد ناک عذاب ہو گا' ایک تو وہ شخص جو راستہ کے فاضل پانی کو مسافروں سے روک دے' الخ۔ ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ تین چیزیں روکی نہیں جائیں گی: پانی' گھاس اور آگ [1] حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ ان حدیثوں کی وجہ سے پانی کو روکنا بلا اختلاف حرام ہے۔ پانی کے گندے ہونے کی جو دلیل دی جاتی ہے وہ اس حد تک صحیح ہے کہ ایسا کرنا غلط ہے لیکن اس کے باوجود پانی کے حصول میں دشواری پیدا کرنا ممنوع ہے۔ پانی کو گندگی سے محفوظ رکھنے کے لئے لوگوں کو سمجھانا چاہیئے اور جو نہ مانیں انہیں سختی سے روکنا چاہیے بلکہ بااختیار شخص سے مدد لینی چاہئے۔

آہنی جالیوں ہی کی طرح بعض لوگ حوض کے کنارے والے برابر پتھر ہٹا کر وہاں پر کوہان نما ڈھالو پتھر رکھ دیتے ہیں جس پر بیٹھنا ممکن نہیں ہوتا' بعض ایسا کرنے والوں کو جب توجہ دلائی گئی تو غلطی کا احساس ہوا اور ندامت کا اظہار کیا۔ اس لئے اس طرح کے مضر افعال سے ہر شخص کو پرہیز کرنا چاہیئے۔

---

[1] صحیح حدیث ہے' تخریج کے لئے ملاحظہ ہو "الارواء" (۱۵۵۰)

۲۹۔ اسقاط نماز کا صدقہ قبول کرنے کے لئے فقراء کا مسجد میں اجتماع

دمشق میں یہ دستور ہے کہ جب کوئی مالدار فوت ہو جاتا ہے تو اس کے دروازے پر فقیروں کا اجتماع ہوتا ہے' آدمی مالداری میں جس قدر مشہور ہوتا ہے اسی لحاظ سے اجتماع بھی بڑا ہوتا ہے اس موقع پر میت کی طرف سے جو کچھ تقسیم ہوتا ہے اسی کو حاصل کرنے کے لئے فقراء جمع ہوتے ہیں۔ جب فقراء کی بھیڑ بہت بڑھ جاتی ہے اور گھر والے انہیں سنبھال نہیں پاتے تو اپنے کسی مضبوط وصابر دوست کو بلا لیتے ہیں' وہ شخص آکر تمام فقیروں کو پڑوس کی مسجد میں جمع کرتا ہے اور دروازہ بند کر لیتا ہے۔ پھر ایک شخص "اسقاط نماز" والی تھیلی لے کر آتا ہے اور باری باری ہر فقیر کو اس کا حصہ دیتا ہے۔ اس رواج پر کئی پہلوؤں سے گفتگو کرنی ہے: اول یہ کہ مسجد میں فقیروں کے اجتماع سے شور وشغب اور بحث و تکرار ہوتی ہے جس سے مسجد کو محفوظ رکھنا چاہیئے' مسجد میں صدقہ جائز ہے لیکن اگر اس سے مسجد کی بے حرمتی ہو تو دوسری جگہ تقسیم کرنا چاہیئے۔

دوم یہ کہ فقراء اس اجتماع میں کمینگی' بدکلامی' اور بیحیائی کا مظاہرہ کرتے ہیں' ان کا شور وشغب میت کے پسماندگان کی اپنی مصیبت سے بڑھ جاتا ہے' بلکہ یہ ان کے لئے ایک نئی مصیبت بن جاتا ہے' ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فقراء میت کے ذمہ اپنے کسی قرض یا حق کے تقاضے کے لئے یہاں آئے ہیں' مزید برآں ان میں اکثریت جوان عمر اور مضبوط جسم والوں کی ہوتی ہے۔ تھوڑے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صحیح معنوں میں صدقہ کے مستحق ہوتے ہیں' لیکن غیر مستحق فقراء کی وجہ سے ان کی بھی حق تلفی ہو جاتی ہے۔ میت کے گھر والے موت کے تیسرے دن فقراء کے ازدحام سے مجبور ہو کر کبھی کبھی ان کو سنبھالنے کے لئے پولیس کی مدد حاصل کرتے ہیں' ہم

نے یہ سب مناظر دیکھے ہیں' شام کے رہنے والے ان فقراء کے نوادر سے واقف ہیں۔

سوم اسقاط صلوٰۃ کی معروف کیفیت کا معاملہ ہے' متاخرین فقہاء احناف کا بیان ہے کہ اسقاط نماز کی کتاب و سنت میں کوئی اصل نہیں' لیکن مشائخ کے استحسان کی بناء پر یہ ایک احتیاطی عمل ہے' جیسا کہ روزے کے بارے میں ورثاء تطوع کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ ہر فرض کے عوض آدھا صاع غلہ یا اس کی قیمت دی جائے گی' انتہیٰ

میں کہتا ہوں کہ ایسی صورت میں جن نمازوں میں تقصیر ہوئی ہے ان کا حساب لگا کر ہر نماز کے عوض غلہ یا پیسہ دیا جائے گا۔ اور اگر ترکہ میں اتنی گنجائش نہ ہو جتنا ممکن ہو نکالا جائے گا۔ میرے خیال میں فقہاء کا یہ قیاس بہت سے دوسرے قیاسات کی طرح ہے۔ جس طرح روزے کا فدیہ دیا جاتا ہے اسی طرح انہوں نے نماز کے لئے حکم دیا ہے' اور اس کی اتباع میں کوئی رکاوٹ نہیں معلوم ہوتی۔ چونکہ اس طرح فقراء کی غمخواری ہو جاتی ہے اس لئے مستحسن ہے کہ وہ فقروں کو جمع کر کے غلہ یا قیمت تقسیم کرے اور فقراء کے تعاون یا میت کے اوپر فرض کی ادائیگی کی نیت کرے۔

لیکن تقسیم کے وقت کا یہ دستور کہ جھولی لے کر گھمائیں اور ولی یا وکیل یہ پکارے کہ "کفارۂ نماز کے طور پر اسے لے لو" تو یہ زکوٰۃ و کفارہ کے مقاصد کے خلاف ہے' اس لئے کہ فقیر کی پردہ پوشی ہونی چاہیئے اور اسے جو کچھ بھی دینا ہو پوشیدہ طور پر دینا چاہیئے' تاکہ اس کا دل اور اس کے جذبات مجروح نہ ہوں۔

اس طرح محدثین و فقہاء جو اسے بدعت کہہ کر فقراء کا فائدہ روک دیتے ہیں در جو لوگ اس صدقہ کو اس کی مذکورہ کیفیت ہی پر رکھنے پر مصر ہیں اور جامد مقلد ہیں دونوں کے مذاہب کے مابین تطبیق ہو جائے گی' ویسے اس صدقہ میں زکوٰۃ کے

ہی آداب و مقاصد کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔[1]

۳۰۔ بعض مدرسین یا سامعین کا آنے والے کے لئے کھڑا ہونا

بہت سی مسجدوں میں حدیث یا تفسیر کی علمی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، جن میں سامعین دستور کے مطابق مدرس کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں، کبھی درس میں شرکت کے لئے کوئی امیر، وزیر قاضی یا بڑا عالم بھی آ جاتا ہے، اس موقع پر مدرس یا حاضرین میں سے کوئی کھڑا ہو جاتا ہے اور اس قیام کو ضروری اکرام تصور کرتا ہے۔ حالانکہ ایسے وقت کا قیام بیوقوفی و اضطراب اور درس کے آداب سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ درس کے آداب بھی نفس کے آداب کی طرح ہیں اور انہیں بھی سیکھنا ضروری ہے۔ ہمیں اس کا انکار نہیں کہ قیام میں اکرام ہے[2] لیکن ہر موقع پر نہیں، مثلاً اگر لوگ صف لگانے کے لئے تیار بیٹھے ہوں اور ایسے وقت میں کوئی امیر یا وزیر آئے تو کیا اس کے لئے لوگ کھڑے ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ اور ایسا صرف موقع کی رعایت

---

[1] میں کہتا ہوں کہ فائدہ یہ ہے کہ فقراء کو اسی طریقہ پر مال وغیرہ دیا جائے جیسے اللہ کا حکم ہے، نہ کہ مذکورہ طور پر جسے سلف صالح نہیں جانتے تھے، اور فائدہ وخیر انہی کی پیروی میں ہے، مصنف رحمہ اللہ پر تعجب ہے کہ ایسی بدعت کو مستحسن بتا رہے ہیں، اسی طرح کے استحسان سے بدعتوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے (ناصر الدین)

[2] میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ چیز عہد صحابہؓ میں معروف ہوتی، خصوصاً سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں، کہ آپ کرام کے سب سے زیادہ مستحق ہیں لیکن صحابہؓ آپؐ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ: صحابہؓ کی نظر میں نبی ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا، لیکن وہ لوگ آپؐ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ آپ اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔ اسے احمد نے بہ سند صحیح روایت کیا ہے۔ (ناصر الدین)

کے سبب ہے' اسی طرح درس کے وقت میں آنے والے کے لئے ہرگز نہیں کھڑے ہونا چاہیئے خواہ اس کا مرتبہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ اس کے اکرام کی مناسب صورت یہ ہے کہ مجلس میں اس کے لئے جگہ دیدی جائے تاکہ داخلہ کی دہشت ختم ہو جائے۔ قیام کے جائز نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس طرح درس کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے' قاری کا ذہن منتشر ہو جاتا ہے' مجلس متفرق ہو جاتی ہے' گفتگو کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور زیر درس کتاب کی بیحرمتی ہوتی ہے' خود کھڑے ہونے والے کی وقعت کم ہو جاتی ہے۔ ان وجوہ سے درس کی تقریر کو بند نہیں کرنا چاہیئے اور نہ دہشت ظاہر ہونی چاہیئے۔ مگر ساتھ ہی اعراض' حقارت اور بے توجہی کا بھی اظہار نہ کرنا چاہیے بلکہ بشاشت کے ساتھ محبت کے انداز میں اشارہ کر کے تقریر کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے البتہ اگر گھر میں صرف یا نحو کا درس ہو رہا ہو اور دو ایک طالب علم سن رہے ہوں تو ایسی صورت میں قیام جائز ہے' لیکن اگر ایسے میں بھی کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھا رہے اور درس کے اختتام پر اٹھ کر مصافحہ کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے' ہمارے مشائخ عظام کا یہی طریقہ تھا' اور اس کی مخالفت سے لوگوں کو بچنا چاہیئے۔

۱۳۱۔ مسجد کے صحن کا احترام

معمولی عقل رکھنے والا بھی یہ جانتا ہے کہ مساجد اور عبادت الٰہی کے دوسرے مقامات کا احترام ضروری ہے' گذشتہ ابواب میں اس ضمن کی اکثر چیزوں کا بیان ہو چکا ہے' اس سلسلہ کا جامع اصول یہ ہے کہ مسجد سے ہر بدعت کو ختم کرنا ضروری ہے۔

آئندہ سطور میں یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد کے صحن یا آنگن کا کیا حکم ہے؟

مسجد کے گرد کوڑا پھینکنا' اس کے گوشوں کو گندا کرنا' دیواروں پر تھوکنا' ان کے گرد آگ جلانا' عمارتوں کی مٹی اس کے بازو میں جمع کرنا' اس کی دیوار یا ستون سے ٹیک کر لکڑی رکھنا یا کھڑکیوں کے لوہے سے گدھا باندھنا غلط ہے۔ یہ آخری علت بہت زیادہ تکلیف دہ ہے بعض جاہل مسجد سے متصل گدھے باندھ کر چھوڑ دیتے ہیں'

ان کی آواز سے مصلیوں کو بیحد تکلیف ہوتی ہے' لیکن ایسا کرنے والے کو اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ ہر ہر باہوش آدمی کو چاہیئے کہ ایسا کرنے والے کو سختی سے منع کرے اور مسجد کی صفائی و احترام پر لوگوں کو آمادہ کرتا رہے' واللہ الموفق۔

۳۲۔ مسجد کے امام یا خادم کی وفات پر تیسری رات

مغرب و عشاء کے مابین تہلیل کہنا اور اس کی میت کے لئے نفع کا باعث بنانا

بعض مسجدوں میں دستور ہے کہ اگر اس کا امام یا خادم یا مؤذن یا خطیب کوئی بھی فوت ہو جاتا ہے تو لوگ تیسری رات مغرب و عشاء کے مابین لا الٰہ الا اللہ پڑھتے ہیں اور اسے بہت بڑی نیکی سمجھتے ہیں' اسی لئے میت کا کوئی قریبی یا دوست مسجد کے امام کے پاس آکر اس سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ درس چھوڑ دے' پھر ذکر کرنیوالوں کو جا کر لے آتا ہے اور وہ لوگ آکر تہلیل شروع کرتے ہیں۔ اس میں مسجد کے اندر آواز بلند ہوتی ہے جو ممنوع ہے اس سے مصلیوں کو خلل ہوتا ہے جاڑے میں جب اندر یہ لوگ تہلیل کرتے ہیں تو بعد میں آنے والا شخص مسجد کے بیرونی حصہ میں نماز پڑھنے پر مجبور ہوتا ہے جس سے اسے تکلیف ہوتی ہے' یا پھر واپس چلا جاتا ہے۔ لہٰذا اس قسم کا کوئی فعل مسجد میں ممنوع ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس ذکر سے میت کو فائدہ پہونچتا ہے' تو اس سلسلہ میں معلوم ہونا چاہیئے کہ میت کو یا تو صدقہ سے فائدہ ہوتا ہے [1] یا کھانا کھلانے سے یا دعا کرنے سے۔ لیکن مذکورہ کیفیت کا ذکر اور بدن کو اس میں مختلف انداز سے حرکت دینا' آواز بلند کرنا اور ہاتھوں کو دراز

---

[1] قرآن یا حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ ہر میت کو زندہ کے صدقہ سے فائدہ پہونچتا ہے' حدیث میں یہ ذکر البتہ ہے کہ باپ کو بیٹے کے صدقہ سے فائدہ پہنچتا ہے لیکن اس کے ساتھ کسی اور کو لاحق کرنا صحیح نہیں' جیسا کہ میں نے "احکام الجنائز" میں واضح کیا ہے۔ (ناصر الدین)

کرنا رقص و غناء کی ایک صورت ہے۔ جو لوگ اسے قربت الٰہی اور ذریعۂ ثواب سمجھتے ہیں ان کے بارے میں ڈر ہے کہ وہ دین سے ٹھٹھا کرنے والوں کے ضمن میں داخل نہ ہو جائیں' اللہ ہمیں جاہلوں میں شمولیت سے بچائے۔ تہلیل کے عمل میں خوبی ونیکی کا صرف ایک پہلو یہ ہے کہ اس موقع پر جو کھانا اور پیسہ تقسیم ہوتا ہے اس سے غریبوں اور مسکینوں کی مدد ہو جاتی ہے' اس کے علاوہ ذکر و غناء کی جو چیزیں اس طرح کی مناسبتوں پر ہوتی ہیں ان میں میت یا ورثاء کا کوئی فائدہ نہیں۔

تہلیل کی حرمت پر فقیہ شام امام ابن عابدین نے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے' لیکن اس کی بنیاد انہوں نے ایک فقہی مسئلہ یعنی تلاوت پر اجرت لینے کے عدم جواز پر رکھی ہے' جو حنفیہ کا ایک قول ہے' لیکن انہیں اس سلسلہ میں علماء کی تائید نہیں حاصل ہوئی' چنانچہ ان کی تردید میں ان کے معاصر و دوست علامہ شیخ صالح وسوقی نے جو میری دادی کے ماموں تھے ایک رسالہ لکھا جس میں چاروں مذاہب کے فقہاء کی عبارتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ تلاوت پر اجرت لینا جائز ہے۔ اسی طرح ابن عابدین کی تردید مفتی دمشق علامہ محمود آفندی بن حمزہ نے بھی کی۔ شامی قراء کے استاد اور میرے شیخ الحلوانی نے ابن عابدین کے رسالہ اور اس کی تردید کے تذکرے کے موقع پر فرمایا کہ: اگر ابن عابدین اپنے رسالہ میں مجلس تہلیل کی بدعات و منکرات و مکروہات کا ذکر کرتے تو اس پر سب لوگ ان سے اتفاق کرتے' کیونکہ اکثر لوگ اس مجلس کے کاموں سے سخت ناراض ہیں۔ تہلیل کی بعض مجلسوں میں بے ریش نوجوان شریک ہوتے ہیں جن کے حلقوں کی قیادت ذکر کا صدر کرتا ہے' یہ لوگ صف میں کھڑے ہو کر تحیر کا اظہار کرتے ہیں' ٹوپیاں اتار لیتے ہیں اور بالوں کو لٹکا لیتے ہیں۔ مجھ سے ایک سن رسیدہ شخص نے جسے اس کیفیت پر غصہ اور نفرت تھی یہ کہا کہ: اس مجلس میں تمہیں صرف لٹکے ہوئے بال' لچکتی ہوئی کمر ہلتے ہوئے مونڈھے' چہار جانب سے تالی' نیچی اونچی حرکت' شور وشغب اور مغنیوں کی آواز پر وارفتگی کا منظر نظر آئے گا جس کو دیکھ کر ہر عقلمند شخص کو افسوس اور تکلیف ہوتی ہے۔ میرے

خیال میں ابن عابدین کو چونکہ تہلیل کا یہ منظر پسند نہیں آیا اس لئے انہوں نے مذہب حنفی کا ایک معروف قول نقل کر کے عوام کو تہلیل سے روکنا چاہا' انہیں یہ علم تھا کہ عوام فقہاء کے فتوے پر جھک جاتے ہیں اس لئے اسی راہ کو انہوں نے اختیار کیا۔ لیکن درج ذیل وجوہ سے ان کا مقصد حاصل نہ ہو سکا:

۱۔ حنفی مذہب کا یہ قول متفق علیہ نہیں تھا۔

۲۔ دوسرے مذاہب کے فقہاء بھی اس کے خلاف تھے۔

۳۔ انہوں نے رسالہ کو اسی مسئلہ میں منحصر کر کے اس کے حق میں تعصب کا اظہار کیا۔

اگر وہ رسالہ میں فقہاء کے اقوال کے ذریعہ ذکر کی تحریف' لفظ اللہ کو کھینچنے' ریاء و نمود کے قصد' پوشیدہ طور پر غریبوں پر خرچ کرنے کی فضیلت' مذکورہ مجلس کے منکرات' ذکر میں بے ریش نوجوانوں کے اجتماع' مالداروں کی ترجیح اور فقیروں کو ان سے کمتر کھانا کھلانے کی خرابیوں کا ذکر کرتے تو ان کا رسالہ زیادہ دل چسپ ہوتا اور کوئی بھی اس کی تردید نہیں کر پاتا' اور اگر کوئی کچھ کہتا بھی تو اس کی بات کا کچھ وزن نہ سمجھا جاتا۔ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَق وَهُوَ يَهْدِیْ السَّبِيْلَ۔ [1]

---

[1] میں کہتا ہوں اور حق کہتا ہوں کہ: ابن عابدین نے مقلد ہوتے ہوئے بھی اس رسالہ میں تعصب نہیں برتا ہے بلکہ کتاب و سنت کی دلیلوں کی وجہ سے عبادت میں اخلاص کی ضرورت پر زور دیا ہے' اور یہ چیز ذکر و تہلیل پر اجرت کے منافی ہے۔ ابن عابدین نے اپنے رسالہ کو اجرت لینے کے حکم کی توضیح پر منحصر کیا ہے اور اس پر فقہی فرع سے استدلال نہیں کیا ہے' جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ کے کلام سے پتہ چلتا ہے' بلکہ اس کی جگہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے اور اس کے ذریعہ کمائی کی حرمت سے متعلق صریح حدیثوں سے استدلال کیا ہے' اس سلسلہ کی بعض حدیثوں کی تخریج "الصحیحۃ (۲۵۹۔ ۲۶۰) میں موجود ہے۔ اور قرآن کی تلاوت اور دوسرے اذکار پر اجرت لینے کی حرمت پر تو علماء کا اتفاق مناسب ہے کیونکہ اس کی اباحت سے اخلاص للہ پر اثر پڑے گا جو عبادتوں کے لئے =

۳۴۔ کسی وباء یا جنگ کی مصیبت پر بخاری شریف پڑھنا

شارح بخاری امام قسطلانیؒ نے اپنی شرح کے مقدمہ میں شیخ ابو محمد عبداللہ بن ابی جمرہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بعض اصحاب فصل و معرفت نے بیان کیا کہ: جب بھی کسی سختی کے موقع پر بخاری شریف پڑھی جاتی ہے تو وہ دور ہو جاتی ہے' اور جس کشتی میں بخاری شریف ہوتی ہے وہ ڈوب نہیں سکتی' انتہیٰ..... اور ملک وقوم پر کسی مصیبت کے وقت بہت سے علماء واعیان کا بھی اسی پر عمل ہے' یہ لوگ علماء و طلباء کو بخاری کے اجزاء تقسیم کر دیتے ہیں اور ختم کے لئے ایک دن مقرر کر لیتے ہیں جس میں جامع اموی کے مقام یحییٰ یا کسی اور مقام پر اکٹھا ہوتے ہیں۔ اور یہ طریقہ اس وقت سے رائج ہے جب سے مذکورہ قول کی اشاعت ہوئی ہے اور اس کے قائل کے بارے میں حسن ظن پیدا ہوا ہے۔ اس قرأت و ختم کے لئے پڑھنے والے کو اس وقت بھی بلایا جاتا ہے جب کوئی بڑا شخص بیمار ہو جاتا ہے یا قید کر لیا جاتا ہے بعض قدیم علماء اس رسم کے مخالف تھے' چنانچہ ایک ازہری فاضل نے جمادی

= ضروری ہے' اس لئے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ کسی بھی عبادت میں اخلاص اور اجرت کی رغبت دونوں جمع ہو سکتے ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْلِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ اس کے باوجود ابن عابدین ذکر و تہلیل میں تحریف کرنے والوں کی مذمت کو نہیں بھولے ہیں' چنانچہ صفحہ ۲۹ پر لکھتے ہیں کہ: ذکر کے اندر جمعیت خاطر مطلوب ہوتے ہوئے اکثر جو کچھ ہوتا ہے اس سے قطع نظر اس مجلس میں " سماع' کوشت' حربیہ " اور اسکے علاوہ موسیقی کے دوسرے کام کی رعایت جس کے نتیجہ میں لحن آواز کو کھینچنے' رقص اور بے ریشوں کے اجتماع' اور خواہشات و جذبات کو ابھارنے والے گانے ہوتے ہیں اور ان تمام امور پر ہمارے مستند اماموں کی وضاحت موجود ہے کہ یہ سب حرام ہیں اور ان کے کرنے والے کافر ہیں۔ (ناصرالدین)

الاخریٰ ۱۳۲۰ھ میں مصر کے ایک علمی مجلہ میں اس رسم پر نکتہ چینی کرتے ہوئے بہ عنوان "علماء نے وباء کا کس طرح مقابلہ کیا؟" لکھا ہے کہ: "اس کے لئے انہوں نے پچھلے اتوار کو جامع ازہر میں بخاری شریف پڑھی' اس اجتماع میں بڑے بڑے مدرسین بھی شریک تھے' مشکلات و مصائب دور کرنے کے لئے ان کا "کاغذی ہتھیار" تیروتفنگ اور اسلحہ و بارود کام کرتا ہے' ان کے خیال میں اس سے رحمت و برکت نازل ہوتی ہے۔ چونکہ علماء اہل ذکر ہیں' اور قرآن نے اہل ذکر

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (النحل: ۴۳)

"پس اگر تم کو نہ معلوم ہو تو ان کتاب والوں سے پوچھ لو۔

اس لئے میں بہت سے لوگوں کی طرف سے ان سے پوچھتا ہوں کہ اس علاج کی کتاب و سنت یا اقوال ائمہ میں کوئی دلیل ہے؟ یا کسی طبیب نے یہ مشورہ دیا ہے کہ امراض میں بخاری شریف کی قرأت مفید ہے؟ اگر مصائب و امراض سے نجات کا وصف اس لئے پیدا ہوا ہے کہ وہ نبی ﷺ کا کلام ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ دوسری کتب حدیث کو یہ خصوصیت کیوں حاصل نہیں' مؤطا امام مالک بھی صحیح حدیثوں پر مشتمل مستند کتاب ہے' اس کو مصائب میں کیوں نہیں پڑھا جاتا؟ اگر عام اسباب سے قطع نظر کر کے قرأت پر اعتماد کیا جاتا ہے تو سوال یہ ہے کہ بھوک' درد شکم' قئے یا دست دور کرنے کے لئے ایسا کیوں نہیں کیا جاتا؟ اگر کسی طبیب کے مشورے سے ایسا نہیں کیا جاتا تو پھر سوال پیدا ہو گا کہ کیا تاریخی اعتبار سے یہ ثابت ہے کہ کسی موقع پر دفع وباء وغیرہ کے لئے بخاری شریف پڑھی گئی؟ مصر میں عرابی کے حامیوں کے لئے بخاری پڑھے جانے کا ثبوت ہے' لیکن ان کے بارے میں یہ بھی معلوم ہے کہ بری طرح شکست کھا گئے تھے۔ اگر علماء ان سوالات کے تشفی بخش جواب نہ دے سکیں گے تو ان پر عوام کو جو اعتماد ہے وہ بری طرح مجروح ہو گا اور دینی اعتبار سے لوگ بد نظمی کا شکار ہو جائیں گے۔ ازہری علماء کے اس رویہ پر لوگوں کا یہ تاثر ہوتا ہے کہ متاخرین علماء مصائب کے موقع پر ان کو دور کرنے کے وسائل اختیار کرنے

سے گریز کرتے ہیں اور خوارق عادت و ماورائے اسباب چیزوں کا سہارا لے کر عوام کو اس وہم میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا اس دنیا کے سوا کسی اور دنیا سے تعلق ہے۔ اس رویہ سے علماء کو آرام بھی مل جاتا ہے اور احترام بھی۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ علماء اس طرح عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کیونکہ جب وہ خود بیمار ہوتے ہیں تو کسی کتاب کو پڑھ کر اپنا مرض دور کرنے کے بجائے مجرب چیزوں کو استعمال کرتے ہیں یا پھر طبیب کے پاس جاتے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ کسی دشمن دین نے مسلمانوں کے اندر شک پیدا کرنے کے لئے خود اسی دین کے احترام و تعظیم کو ذریعہ بنایا ہے' اس نے بناوٹی علماء اسلام کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ اسلام کو دوسرے ادیان کے مقابلہ میں اس طرح برتر ثابت کریں کہ مثلاً حدیث کی قرأت سے بیماری و مصائب کا دفعیہ مجرب ہے اور اس میں شک کرنے والا مقام نبوت کو مطعون کرنے کا مرتکب ہے۔ چنانچہ جب اس طرح کا عقیدہ دلوں میں راسخ ہو جائے گا اور لوگ اپنے معاملات میں اسے آزمائیں گے اور پھر کوئی فائدہ نہ محسوس کریں گے تو یقیناً انہیں حیرت ہو گی اور دینی حیثیت سے شکوک و شبہات کا شکار ہو جائیں گے۔ اس کی مثال میں "تل کبیر" کے عرابی والے واقعہ کو پیش کیا جا سکتا ہے' اس واقعہ کے بعد بدذوق مسلمان یہ پوچھتے تھے کہ بخاری شریف کی جنگی طاقت اور دشمنوں کے جنگی جہازوں کے مقابلہ میں اس کی دفاعی حیثیت کیا ہے؟ اگر مسلمانوں میں بصیرت و ہوش رکھنے والوں کی نظر قرآنی آیت:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ۔ (الانفال:۶۰)

"اور ان کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو"

وغیرہ آیتوں پر نہ ہوتی تو نام نہاد علماء کے ایسے عمل سے بے شمار لوگ گمراہ ہو جاتے۔ ایسے اعمال سے بہت سے غیر مسلموں کو اسلام پر طعن و تشنیع کا موقع مل جاتا ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تقلید نے علماء کو ایسے مقام پر پہونچا دیا ہے کہ وہ اسلاف

کے ان کاموں پر بھی غور و فکر نہیں کر پاتے جن کی مشاہدہ سے تکذیب ہوتی ہے۔ اور احساس و وجدان جن کے مخالف ہیں۔ اس طرح کے حوادث میں علماء کے رجحان کا جن کو اندازہ نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ علماء کو مساجد و مجالس میں جمع ہو کر لوگوں کو حفظان صحت کے اصول کی پابندی اور دیگر وقتی حفاظت کی تدابیر اختیار کرنے پر آمادہ کرنا چاہیئے۔ اگر تقریر کے ذریعہ اس طرح کی رہنمائی ممکن نہ ہو تو مضامین و رسائل کے ذریعہ عوام کو یہ بتانا چاہیے کہ بیماریوں سے بچنے کا حکم شرعی' عقلی اور سیاسی طور پر ثابت ہے' اس طرح حکومت کو بھی ان وبائی امراض پر قابو پانے میں آسانی ہوگی' اور عوام بھی راحت محسوس کریں گے' رسائل و کتب کی اشاعت کے لئے حکومت کا محکمہ صحت مالی تعاون دے گا اور علماء کا بھی مشکور ہو گا۔

علماء کے بارے میں عوام کے یہ خیالات ہم اس لئے ان تک پہونچاتے ہیں کہ انہیں ان باتوں کا علم ہو جائے' چونکہ عوام سے ان کا تعلق کم ہوتا ہے اس لئے بہت سی باتیں ان کے علم میں نہیں آپاتیں ان باتوں سے علماء کی ناواقفیت کا سبب یہ بھی ہے کہ عوام سے اپنی بات چیت میں وہ بہت جلد غصہ ہو جاتے ہیں' اس لئے عوام ان سے سب باتیں کہہ نہیں پاتے لیکن مجھے تو اس بات پر اصرار ہے کہ علماء یہ ثابت کریں کہ حدیث پڑھنے سے وباء کس طرح دفع ہو جاتی ہے؟ اور یہ خصوصیت صرف بخاری شریف کو کیوں حاصل ہے؟ قرآن جس کی تلاوت عبادت ہے اس کو یہ مقام کیوں نہیں ملا؟ اگر غیر ذمہ دار علماء ایسا کام کرتے تو ہم ان کو اور ان کے اس عمل کو نظر انداز کر دیتے' لیکن یہ کام ایسے علماء کی طرف سے کیا جاتا ہے جن کی سرکاری ذمہ دارانہ حیثیت ہے' اس لئے ان کے کام کو اسی حیثیت سے دیکھا جائے گا' وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ۔

یہ مضمون جسے میں نے اوپر نقل کیا "متصنع" کے دستخط سے مذکورہ پرچے میں شائع ہوا تھا مضمون نگار نے طول کے باوجود اختصار سے کام لیا ہے' اگر انہیں علامہ عصام الدین طاشکبری کی کتاب "الشفاء لادواء الوباء" مل جاتی تو کافی تھا' کیونکہ

موصوف نے اس کتاب کے مقصد سادس میں سیوطیؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ طاعون کے دفعیہ کے لئے دعاء اور اجتماع دونوں بدعت ہیں۔ سیوطیؒ نے یہ دلیل دی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں طاعون کی وباء پھیلی تھی اس وقت صحابہ اور ان کے اکابر بکثرت موجود تھے، لیکن کسی سے یہ منقول نہیں کہ اس نے خود ایسا کیا یا کسی دوسرے کو ایسا کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح دوسری، تیسری اور چوتھی صدی میں بھی ہمیں اس عمل کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ ۷۴۹ھ میں طاعون کے دفعیہ کی دعاء کا ثبوت ملتا ہے، انتہیٰ (اس موضوع پر ہم نے پانچویں باب کے خاتمہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، یہاں بطور تاکید اتنا ذکر آگیا ہے)۔

۳۴۔ مساجد کی اصلاح کے لئے مدیر اوقاف کے نام دی جانے والی درخواست کی نقل

مصر کے "الجریدہ" نامی پرچے کے شمارہ ۵۲۱ ص ۳ پر میں نے ایک مضمون پڑھا تھا جس کا عنوان تھا "زنکلون کی مسجدیں" اس مضمون میں تحریر تھا کہ: "ہمارے یہاں مسجدوں کی حالتیں ہر طبق کی آہ وبکا اور حسرت و افسوس کی مقتضی ہیں، حالانکہ ان میں مرشدوں، عابدوں اور متقیوں کے لئے ذکر و عبادت کی جگہ ہے، مسلمانوں میں مکلف لوگوں کے لئے دین کی تعلیم اور ہر امیر و غریب کا اجتماع یہیں ہوتا ہے۔ جس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ قوموں کی زندگی ان کی زبان سے رہتی ہے، اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ دین فطرت کی زندگی مساجد کی زندگی سے برقرار رہتی ہے۔

زنکلون کی خوبصورت و ٹھوس مسجدوں کو ان اللہ والوں نے تعمیر کیا تھا۔ جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، جن کے دل نور ایمان سے منور اور خوف خدا سے بھرپور تھے۔ اس دور میں سازو سامان کی وہ فراوانی نہیں تھی جو آج ہے۔

آج یہ مسجدیں عمر کی آخری منزلوں میں معلوم ہوتی ہیں، چھتیں گر رہی ہیں، دیواریں پھٹ چکی ہیں، حشرات الارض نے انہیں اپنا ٹھکانہ بنا لیا ہے، ایسی مسجدوں

کو عمومی ادارۂ صحت کے لوگ گرانے کا حکم دے دیتے ہیں تاکہ ان سے کسی کو نقصان نہ پہونچ سکے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ان مسجدوں کے اوقاف سے جو آمدنی ہے اس سے انہیں بہت اعلیٰ پیمانہ پر تعمیر کیا جا سکتا ہے ہمارا یہ پرچہ (الجریدۃ الغراء) جو حق و انسانیت کی خدمت کے لئے معروف ہے۔ سعادت مآب مدیر اوقاف کی توجہ ان مساجد کی طرف مبذول کراتا ہے اور توجہ کی درخواست کرتا ہے' ہم بے صبری کے ساتھ اپنی مسجدوں کی تعمیر نو کے منتظر اور مدیر اوقاف کی خدمت میں شکر وثنا کا ہدیہ پیش کرتے ہیں"۔

۳۵۔ بعض مساجد کے قبلہ کی اصلاح سے متعلق عوام کی کج بحثی

کسی عام آدمی کی ایسے موضوع پر گفتگو جو اس کے دائرہ علم سے باہر ہو کبھی کبھی ملک و قوم کے لئے باعث مشقت ہو جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جامع مصلی کی دیواریں جب منہدم ہو گئیں تو متولی نے ان کی تعمیر کا ارادہ کیا' انہیں علم ہیئت کے بعض ماہرین نے یہ بتایا کہ سمت قبلہ کچھ منحرف ہے' متولی نے اس مشورہ کی روشنی میں مغربی دیوار تعمیر کرانی چاہی تو عوام میں سے بعض لوگ بپھر گئے اور پرانی تعمیر پر اصرار کیا' ان کا دعویٰ تھا کہ یہ مسجد "عمری" ہے صحابہؓ کرام نے اسی کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کا بیت المقدس آنا ثابت نہیں' آپ صرف دو مرتبہ "جابیۃ" تک آئے تھے جو اس زمانہ میں "حوران" کا دارالحکومت تھا' ایک مرتبہ 14ھ میں بیت المقدس کی فتح کے موقع پر' اور دوسری مرتبہ 18ھ میں فوجی وشہری ضرورتوں کے پیش نظر۔ تعجب انگیز امر یہ ہے کہ اس طرح کا ایک مسئلہ امام سبکیؒ کے زمانہ میں بھی اٹھا تھا جبکہ وہ دمشق کے منصب قضاء پر فائز تھے۔ انہوں نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ: جب انہیں یہ پتہ چلا کہ "جامع جراح" کا رخ سیدھا نہیں ہے تو اس کے لئے اہل خیر کی ایک جماعت نے مسجد کے

قبلہ کو صحیح سمت پر تعمیر کرنے کے لئے رقم اکٹھا کی۔ امام سبکیؒ نے ماہرین فن کی کتابوں سے مدد لے کر قبلہ کی صحیح سمت متعین کرنی چاہی' بعض نام و نہاد فقہاء اور عوام نے اس پر اعتراض کیا' امام سبکیؒ نے بتایا کہ اس طرح کے مسائل میں اہل فن سے رجوع کرنا ضروری ہے' امام الحرمین نے لکھا ہے کہ: اہل بصیرت علماء نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں' صحیح قبلہ کی تعیین کے لئے انہیں سے دلائل تلاش کئے جائیں گے۔ سبکیؒ نے مزید لکھا ہے کہ: اپنی فقاہت کے زعم میں جو لوگ ان کتابوں کی جانب مراجعت ضروری نہیں سمجھتے اور صرف اپنے آپ کو برحق سمجھتے ہیں انہیں اور جو علما شریعت پر بسبب جہالت اعتراض کرتے ہیں انہیں بھی شرم کرنی چاہیئے اور جن باتوں کا علم نہیں ہے ان پر گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے' حضرت عمرؓ کے دمشق آنے کی بات غلط ہے' آپ "حوران" کے گاؤں "جابیہ" تک آئے تھے' پھر امام سبکیؒ نے اس مسئلہ پر طویل بحث اور امام الحرمینؒ اور رافعیؒ کا مفصل بیان نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: جامع جراح کو منہدم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے قبلہ کو صحیح سمت پر متعین کر دیا جائے جو علمی اصول کے مطابق ہو' علمائے ہیئت جس وضع کو غلط سمجھ رہے ہیں اس میں رقم صرف کرنا مال کی بربادی ہے' انتہیٰ....

یہ فتویٰ بہت طویل ہے' اس کا خلاصہ ہم نے اپنی کتاب "تعطیر المشام فی مآثر دمشق الشام کی تیسری جلد میں درج کیا ہے۔ جو وجہ جامع جراح کی بتائی گئی ہے وہی "جامع مجد" پر بھی لاگو ہوگی۔ امراء و ملوک نے جو مسجدیں تعمیر کرائی ہیں ان کے قبلہ کی تعیین میں یقیناً غور و فکر سے کام لیا گیا ہے' چنانچہ سیوطی نے "حسن المحاضرۃ" میں لکھا ہے کہ مصر میں جامع عمر کے قبلہ کے تعیین اسی ۸۰ صحابہ کرامؓ کی مدد سے ہوئی تھی' اور جامع احمد بن طولون کے قبلہ کی تعیین کے لئے ماہرین علم ہندسہ کی ایک جماعت بلائی گئی تھی۔

خاتمہ

مساجد کے احکام سے متعلق جزئیات جو "الاقناع" اور اس کی شرح میں مذکور ہیں

شہر' گاؤں اور محلوں میں ضرورت کے مطابق مسجد کی تعمیر ضروری ہے- یہ کام فرض کفایہ ہے- مسجد کی تعمیر اور اس کے مفاد کے تحفظ سے متعلق بہت سی آیات' احادیث' اور اقوال وارد ہیں-

نبی ﷺ کے حکم کی بنا پر مسجد کو صاف' ستھرا' اور معطر رکھنا چاہیے-

مسجد میں کسی طرح کی گندگی' کھنکھار' ناخن' یا بال وغیرہ نہیں ڈالنا چاہیئے' اور لہسن ' پیاز یا دوسری بدبودار چیز کھا کر نا جانا چاہیے' اگر کوئی ایسی حالت میں مسجد میں چلا جائے تو نکال دینا چاہیئے-

مسجد کے اندر یا اس کی کھلی فضا میں تھوکنا نہیں چاہیئے' اگر ایسی غلطی ہو جائے تو تھوک کو وہاں سے پانی یا کپڑے سے زائل کر دینا چاہیئے- تھوک اگر مسجد کی دیوار پر ہو تو اسے بھی صاف کرنا ضروری ہے' ممکن ہو تو اس کی جگہ خوشبو مل دینا چاہیئے-

سونے یا چاندی سے مسجد کی آرائش حرام ہے' ایسی کوئی چیز مسجد میں لگی ہو تو نکال دینا چاہیئے (کعبہ شریف میں سب سے پہلے سونا لگانے والے' اور اسے اور دیگر مسجدوں کو آراستہ کرنے والے اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک ہیں)-

مسجد کی آرائش کسی ایسے نقش و نگار' رنگ یا تحریر سے نہ کرنا چاہیئے جس سے نمازی کو خلل ہو اور اس کی توجہ بٹ جائے- اگر اس میں وقف کا مال لگایا جائے گا تو حرام ہو گا' البتہ مسجد میں گچ بنانا یا سفیدی کرنا جائز ہے-

مسجد میں خرید و فروخت یا کرایہ وغیرہ کا کام حرام ہے' اگر کوئی اس میں خرید وفروخت کر رہا ہو تو اس سے کہنا چاہیئے کہ "لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ" یعنی خدا

تمہاری تجارت میں فائدہ نہ دے۔

مسجد میں کسی طرح کی دست کاری وغیرہ کا کام نہیں کرنا چاہیئے' اور نہ مسجد کو حصول معاش کی جگہ بنانا چاہیئے۔

دست کاروں اور مزدوروں کا مسجد میں بیٹھ کر کام دینے والوں کا انتظار کرنا بھی غلط ہے اس سے ان کو روکنا چاہیئے' مسجد سے باہر بیٹھ کر وہ لوگ انتظار کر سکتے ہیں۔

مسجد میں معمولی کام مثلاً کپڑے پر پیوند لگانا یا جوتا گانٹھنا جائز ہے۔ لیکن کتابت کے علاوہ کمائی کا کوئی دوسرا کام مسجد میں کرنا حرام ہے' اجرت پر اگر دوسروں کو مسجد میں کتابت کی تعلیم دی جائے تو جائز ہے' بشرطیکہ روشنائی سے فرش گندا نہ ہو یا کوئی اور نقصان نہ ہو۔

مسجد میں بے شعور بچہ' اور دیوانہ کو جانے نہیں دینا چاہیئے' وہاں پر شور' جھگڑا' بیہودگی' بچوں کا کھیل کود اور چیخ و پکار' تالی ودف بجانا' اور مرد عورت کا اختلاط سب غلط ہے۔

مصلیوں سے ہر طرح کی قولی و فعلی تکلیف کو دور کرنا چاہیئے' کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ: مَاأنْصَفَ القَارِی الْمَصِلِی: یعنی قاری سے مصلی کو انصاف نہی ملتا۔[1]

مدہوش و مست آدمی کو مسجد میں داخل نہ ہونے دینا چاہیئے۔

طلب حق کے لئے مسجد میں فقہی و اجتہادی مسائل پر بحث و مناظرہ جائزہ ہے' لیکن اگر اس میں غلبہ' نفرت اور جنگ و جدال کے جذبات شامل ہو جائیں تو ایسا مناظرہ جائز نہیں مسجد میں عقد نکاح' فیصلہ' جائز شعر خوانی اور تعلیم جائز ہے۔

مریض مسجد میں رہ سکتا ہے' اس کے لئے اس میں خیمہ نصب کرنا اور اونٹ لانا

---

[1] بایں الفاظ یہ حدیث بے اصل ہے' جیسا کہ "المقاصد الحسنہ" وغیرہ میں مذکورہ ہے' اس جگہ یہ حدیث پیش کی جا سکتی ہے: "وَ لَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الْقِرَاءَ ةِ" اور یہ صحیح ہے جیسا پہلے گذر چکا ہے۔

جائز ہے مسجد کو بغیر ضرورت راستہ بنانا مکروہ ہے' اگر کوئی ضرورت ہو تو البتہ کراہت نہیں رہتی۔

جنبی کا مسجد میں رکنا حرام ہے۔[1] اور اگر وضو کر لے تو رک سکتا ہے۔

معتکف اور دوسرے لوگ مسجد میں سو سکتے ہیں لیکن مصلیوں کے سامنے نہیں۔

مسجد کو قبیح اشعار سنانے' گمشدہ چیز تلاش کرنے' حد قائم کرنے اور تلوار سوتنے سے محفوظ رکھنا چاہیے۔

مسجد میں فضول دنیاوی بات چیت مکروہ ہے' اس کی کنکری یا مٹی کو تبرک کے خیال سے نکالنا بھی غلط ہے۔

مسجد کی چٹائیوں' لالٹینوں اور دوسرے موقوفہ سامانوں کو اپنی ضرورت کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔

اگر کوئی مسجد میں کھانا کھائے تو کسی بھی گری ہوئی ہڈی یا دانے کو وہاں چھوڑنا نہیں چاہیئے بلکہ اچھی طرح صاف کر دینا چاہیئے۔

مسجد میں درخت لگانا یا کنواں کھودنا جائز نہیں' اگر کوئی درخت لگا دے تو اکھیڑ دینا چاہیئے۔ مسجد کے اندر جماع حرام ہے اور اس کی چھت پر مکروہ ہے مسجد کی دیوار پر پیشاب کرنا یا اس سے پیشاب پونچھنا مکروہ ہے۔ اس فصد کھلوانا' پچھنا لگوانا اور قے بھی حرام ہے۔ اگر اعتکاف کی حالت میں کسی کو ایسی ضرورت پیش آ جائے تو مسجد سے باہر نکل آنا چاہیے۔ مسجد میں وضو اور غسل جائز ہے بشرطیکہ کسی کو تکلیف نہ ہو اور تھوک اور کھنکھار بھی کہیں نہ پڑے۔

نماز کے علاوہ دیگر اوقات میں مسجد کا دروازہ بند رکھنا مباح ہے تاکہ دیوانے' مدمست اور بچوں کے داخلہ کا اندیشہ نہ رہے۔

---

[1] میں کہتا ہوں کہ: اس کی حرمت کی کوئی صحیح حدیث نہیں' ہاں صحابہؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ مسجد میں رکنے کے لئے وضو کر لیتے تھے۔ (ناصرالدین)

کھٹمل یا جوئیں وغیرہ اگر کپڑے سے نکال لے تو انہیں مار دینا چاہیئے۔ نکال کر چھوڑ دینا حرام ہے۔

مکروہ یا معصیت کے علاوہ دوسرے کاموں کے لئے مسجد میں اجتماع جائز ہے۔ معتکف وغیرہ کے لئے مسجد میں کھانا پینا اور لیٹنا جائز ہے بشرطیکہ لباس ساتر ہو۔ مسجد میں صدقہ کا سوال اور ایسے سائل کو صدقہ دینا مکروہ ہے' لیکن سوال نہ کرنے والے سائل یا جس کے لئے خطیب سوال کر لے اس کو صدقہ دینا مکروہ نہیں مسجد میں داخلہ کے وقت دایاں پاؤں اور باہر نکلتے وقت بایاں پاؤں آگے کرنا چاہیے۔ مسجد میں جمعہ اور عید کے موقع پر خوشبو کے لئے دھونی کا انتظام کرنا یا ضرورت کے مطابق قندیل روشن کرنا جائز ہے' لیکن شعبان کی پندرھویں رات یا رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو جو روشنی ہوتی ہے وہ بدعت اور مال کا ضیاع ہے' اسی طرح اس سے مسجد میں شوروشغب ہوتا ہے جس سے مصلیوں کو خلل ہوتا ہے' رمضان میں اذان کے مناروں پر جو روشنی ہوتی ہے وہ بھی غلط ہے۔

مسجد میں فقہاء اور قراء کے حلقوں کے پار کرنے سے لوگوں کو روکنا چاہیئے تاکہ مسجد کی بےحرمتی نہ ہو۔

مسجد میں بیٹھنے والے کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا مستحب ہے اور اس کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ ہے۔[1]

مسجد' گھر' سرائے اور مدارس میں محراب بنانا مباح ہے۔

کسی مسجد کے پہلو میں تنگی یا کسی اور ضرورت کے بغیر دوسری مسجد بنانا حرام ہے۔ مسجد کی تعمیر میں ناپاک مٹی' یا ناپاک مٹی کی اینٹ لگانا مکروہ ہے۔

مسجد میں خیمہ یا چٹائی کا حجرہ بنانے میں کوئی حرج نہیں' حدیث سے یہ ثابت ہے۔ امام کے علاوہ کسی اور کو مسجد میں اپنے لئے مخصوص جگہ متعین نہیں کرنا

---

[1] میرے علم میں استحسان کے علاوہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔(ناصرالدین)

چاہیئے' اگر کسی جگہ کوئی شخص ہمیشہ نماز پڑھتا ہو تو بھی اس کو اس جگہ زیادہ حق نہیں' اس کے اٹھنے کے بعد وہاں دوسرا بیٹھ سکتا ہے۔ مسجد کی کسی جگہ سے کسی کو ہٹا کر خود نہیں بیٹھنا چاہیے اور نہ کسی اور کو بٹھانا چاہیے البتہ چھوٹے بچے کو پیچھے کر سکتے ہیں۔

اپنی جگہ سے بہ سبب عذر اٹھ کر جانے والا واپس آئے تو اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے لیکن اگر بلا عذر اٹھا ہے تو اس کا حق ساقط ہو جائے گا' البتہ وہاں پر کوئی کپڑا یا مصلی چھوڑ کر گیا ہو تو دوسرا وہاں نہیں بیٹھ سکتا۔

روزہ کی حالت میں مسجد کے اندر نماز وغیرہ کے لئے جانے والے کو اتنی دیر اعتکاف کی نیت کرنی چاہیئے۔

اگر کوئی اپنے گھر کے نچلے حصہ کو مسجد بنا دے اور اوپری حصہ سے خود فائدہ اٹھائے یا اس کے برعکس کرے' دونوں صحیح ہے' بعض لوگوں نے صرف دوسری صورت کو صحیح کہا ہے مسجد کے حریم سے فائدہ اٹھانے میں اگر مصلیوں کو تکلیف ہو تو منع کرنا چاہیئے' اور اگر تکلیف نہ ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ سب مسلمانوں کا حق ہے۔

قبرستان میں مسجد بنانا صحیح نہیں' اور نہ اس کے لئے مال وغیرہ وقف کرنا صحیح ہے' جس گھر میں قبر ہو اس کو بطور مسجد وقف کرنا یا قبروں وغیرہ پر روشنی یا اس کی خدمت کے لئے وقف کرنا بھی صحیح نہیں۔

مسجد میں کنگھا کرنے کے بعد اگر بال نہ چھوڑے تو صحیح ہے' اور بال کو وہیں چھوڑ دینا مکروہ ہے' کیونکہ ایسی گندگیوں سے مسجد کو پاک رکھنا ضروری ہے۔

وقف سے متعلق کچھ دوسری جزئیات

مسجد میں روشنی کے لئے تیل وقف کرنا جائز ہے کیونکہ مسجد کی روشنی کا انتظام مندوب ہے۔ (یہ ابن تیمیہؒ کا قول ہے)

قبر کی روشنی یا دھونی دینے یا اس کے خدام و مجاوروں پر خرچ کرنے کے لئے

وقف صحیح نہیں۔ مسجد قبر پر تعمیر کرنے یا قبر والے گھر کو مسجد بنانے کے لئے وقف صحیح نہیں' کیونکہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کی زیارت کرنیوالیوں' اور ان پر مسجد بنانے یا چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ ابوداؤد' ترمذی اور نسائی نے اس کی تخریج کی ہے۔ یہ حارثی کا قول ہے۔[1]

مسجد کی تعمیر کے لئے موقوفہ مال کو مسجد' اس کے منارے اور منبر کی تعمیر واصلاح میں خرچ کر سکتے ہیں اس سے چھت کے لیے سیڑھی یا سائبان بھی خرید سکتے ہیں' لیکن بیت الخلاء کی تعمیر یا مسجد کی بیجا آرائش و تزئین میں خرچ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بیت الخلاء کا شمار مسجد میں نہیں ہوتا اور آرائش و تزئین سے شریعت نے منع کر دیا ہے۔ ایسے مال سے جھاڑو یا صفائی کا دوسرا سامان بھی نہیں خرید سکتے کیونکہ یہ تعمیر کے اندر داخل نہیں ہے' البتہ اگر مال کو مسجد کی عام ضرورتوں کے لئے وقف کیا ہو تو مذکورہ امور میں اس کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ: بیت المال سے جو رقم لی جاتی ہے وہ بدلہ' یا اجرت نہیں بلکہ اطاعت پر اعانت کے لئے رزق ہے' یہی حال اس مال کا ہے جس کو نیک کام کے لئے وقف کیا جائے' یا کسی کے لئے وصیت یا نذر کیا جائے' یعنی اس مال کو اجرت یا مزدوری کی حیثیت نہیں دی جا سکتی' انتہیٰ' اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادتوں پر اجرت لینے سے جو لوگ منع کرتے ہیں وہ موقوفہ چیز میں مشروط کو لینے سے منع نہیں کریں گے' اس لئے حارثی کا مدعا یہ ہوگا کہ جب وقف بیت المال سے نہ ہو۔ لیکن وقف اگر بیت المال کی جانب سے ہو تو وہ حقیقی وقف نہیں' لہٰذا جن کے لئے بیت المال سے کھانا جائز ہوگا وہ اس وقف سے بھی کھا سکتے ہیں' جیسا کہ جامع ابن طولون وغیرہ کے اوقاف سے متعلق شیخ الرملی وغیرہ کی تائید میں صاحب

---

[1] میں کہتا ہوں کہ اس کی اسناد ضعیف ہے اور "السرج" کے لفظ کے بغیر یہ حدیث صحیح ہے' ملاحظہ ہو "سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ" (۲۲۵)

المنتھی کا فتویٰ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ: ناجائز مال کھانے والے وہ بھی ہیں جنہیں بیت المال سے ضرورت سے زیادہ تنخواہ ملتی ہے' اور وہ بھی جن کے مختلف وسائل ہیں اور ان میں معلوم وسائل بہت زیادہ ہیں' یہ لوگ ان کے لئے معمولی معاوضہ پر دوسروں کو نائب مقرر کر دیتے ہیں' ایسا کرنا وقف کرنے والوں کے مقصد کے خلاف ہے۔ جنازے وغیرہ کا انتظار کرنے والے کے لئے مسجد کی چٹائی وغیرہ باہر نکالنا جائز نہیں۔ وقف کی چیز کا بیچنا' ہبہ کرنا' اور بدلنا جائز نہیں' اس لئے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَ لَا تُوْهَبُ وَ لَا تُوْرَثُ۔[1]

"وقف کی اصل چیز کو بیچنا' ہبہ کرنا' یا اس کا وارث بننا جائز نہیں"

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ علماء کا اسی حدیث پر عمل ہے اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے البتہ اگر وقف کی چیز اس حالت کو پہونچ جائے کہ اس سے کسی طرح کا فائدہ نہ حاصل کیا جا سکے' اس کی اصلاح ممکن نہ ہو' کوئی مسجد تنگ ہو جائے اور وہاں پر اس کی توسیع ممکن نہ ہو تو اس کو بیچنا صحیح ہے' اس کی قیمت اسی جیسے کام میں خرچ ہو جائے گی۔ کیونکہ بلا فائدہ چھوڑ دینے سے کوئی نتیجہ نہیں۔

ابن رجبؒ کہتے ہیں کہ امام احمدؒ سے زیادہ وضاحت سے جو قول منقول ہے کہ ایسی مسجد بیچ کر اس کی قیمت سے دوسری مسجد تعمیر کی جائے گی۔ اور اگر اس گاؤں میں ضرورت نہ ہو تو دوسرے گاؤں میں تعمیر کی جائے گی۔

جس مسجد کا بیچنا جائز قرار پائے اس کا ملبہ یا دوسرا سامان نئی تعمیر ہونے والی مسجد میں منتقل کر دیا جائے گا' جیسا کہ ابن مسعودؓ نے تمارین کی مسجد کے بارے میں کیا تھا' ایسے سامان کو بوقت ضرورت دوسری مسجد میں منتقل کرنا اس کو بیچنے سے بہتر ہے۔

---

[1] صحیح حدیث ہے' ملاحظہ ہو "الارواء" (۱۵۸۲)

مسجد کے سامان کو کسی مدرسہ' سرائے' کنویں' حوض یا پل میں یا اسی طرح ان چیزوں کے سامان کسی اور جگہ نہیں لگائے جا سکتے البتہ امام عبادہ نے ایک جگہ کا سامان دوسری جگہ لگانے کی اجازت دی ہے' ابن رجبؒ نے اسے طبقات میں لکھا ہے اور "الانصاف" میں مذکور ہے کہ اسی پر لوگوں کا عمل ہے اور یہ رائے قوی بھی ہے۔ انتہٰی کسی مصلحت سے مسجد کی نئی تعمیری جائز ہے' حضرت عائشہؓ کی حدیث صحیح میں مروی ہے کہ:

لَوْ لَا قَوْمِكَ حَدِيْثُ عهد بِجَاهِلِيَّةٍ لَاَمَرْتُ بِالْبَيْتِ نَهَدَمَ فَاَدْخَلْتُ فِيْهِ مَا اُخْرِجَ مِنْهُ۔[1]

"لوگوں سے جاہلیت کا زمانہ قریب کا نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو گرا کر نئی تعمیر میں وہ حصہ داخل کر لیتا جو نکال دیا گیا ہے۔

کسی جدکود کے ذریعہ دو حصوں میں تقسیم کرنا صحیح نہیں' کیونکہ اس تبدیلی کا کوئی فائدہ نہیں۔ حفاظت و مضبوطی کے لیے مسجد کے منارے کو توڑ کر دیوار میں شامل کر لینا جائز ہے۔

کسی مسجد کی ضرورت سے فاضل چٹائی' تیل' غلہ' ملبہ وغیرہ کو دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے۔ فقراء پر اس کا صدقہ بھی کر سکتے ہیں۔

کسی مسجد یا حوض پر موقوفہ مال کو ان سے فائدہ ختم ہونے کے بعد دوسری مسجد' یا حوض پر لگا سکتے ہیں۔ ضرورت کے لئے مسجد میں کنواں کھودنا جائز ہے بشرطیکہ اس سے تنگی نہ ہو۔

اکثر مصلیوں کی خواہش پر مسجد کو اونچی کرنا جائز ہے' نچلے حصہ میں دکانیں یا پانی پینے پلانے کی جگہ بنا سکتے ہیں۔[2]

---

[1] صحیح حدیث ہے' ملاحظہ ہو "الصحیحہ" (43)

[2] ماخوذ از "الاقناع و شرحہ"۔

کچھ اور مسائل

اگر کوئی مسجد ویران ہو جائے اور لوگ وہاں جانا بند کر دیں تو امام ابو یوسفؒ کی رائے میں وہ وقف کرنے والے کی ملکیت میں واپس نہیں جاسکتی' بلکہ اس کا ملبہ بیچ کر اس کی قیمت دوسری مسجدوں میں لگا دی جائے گی۔

اگر کوئی عام راستہ کشادہ ہو اور اہل محلہ وہاں مسجد تعمیر کر لیں جس کی وجہ سے چلنے والوں کو کوئی تکلیف نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں' یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا خیال ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ راستہ اور مسجد دونوں ہی عوام کی چیز ہے' اگر راستہ سے مسجد کو یا مسجد سے راستہ کو کشادہ کرنے کی ضرورت ہو تو کر سکتے ہیں' بشرطیکہ اس سے کوئی نقصان نہ ہو۔

اگر مسجد تنگ ہو جائے اور اس سے متصل کسی شخص کی زمین ہو تو اس کو قیمت دے کر زمین زبردستی لے لی جائے گی تاکہ تکلیف رفع ہو' اور اگر وہ زمین مسجد ہی کی ہو تو قاضی کی اجازت سے مسجد کی توسیع کی جائے گی۔

اگر مسجد کا متولی مسجد کے آنگن یا کسی اور حصہ کو دکان بنوانا چاہے تو امام ابواللیث کا خیال ہے کہ ایسا نہیں کر سکتا۔

محلہ والے اگر اپنی مسجد کا دروازہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیں تو یہ جائز ہے۔ مرنے والا اگر کار خیر کے لئے ایک تہائی مال کی وصیت کرے تو اس سے مسجد کی روشنی کا انتظام جائز ہے۔ لیکن رمضان یا غیر رمضان میں ایک سے زیادہ چراغ نہیں جلانا چاہیئے کیونکہ اسراف ہو گا۔

اگر مسجد کی تعمیر کے لئے وصیت کرے تو آرائش کے علاوہ تعمیر کے تمام کاموں میں اسے خرچ کر سکتے ہیں۔ منارے کے لئے بھی خرچ کیا جائے گا کیونکہ وہ بھی مسجد کے حکم میں ہے متولی اگر مسجد کی تعمیر کے لئے وقف مال سے عمارت پر نقش و نگار بنوائے گا' تو اسے تاوان دینا ہو گا۔

اگر مسجد کی تعمیر اور اس پر خرچ کے لئے کوئی زمین وقف ہو اور اس میں یہ شرط ہو کہ تعمیر سے جو حصہ فاضل ہو گا وہ فقراء کا ہو جائے گا' تو ایسی صورت میں اگر محصول یعنی غلہ جمع ہو جائے اور مسجد کو ضرورت نہ ہو تو بلخی کے بیان کے مطابق اس محصول کو روک رکھا جائے گا کیونکہ ممکن ہے آئندہ پیدا وار نہ ہو اور مسجد کو ضرورت پڑ جائے۔ ابو جعفر کا قول ہے کہ کسی حادثہ کے وقت مسجد کو ضرورت پڑ جائے۔ ابو جعفر کا قول ہے کہ کسی حادثہ کے وقت مسجد کو جتنے غلہ کی ضرورت ہو سکتی ہے اس سے زائد غلہ فقیروں کو دیدیا جائے گا۔

اگر مسجد کا دروازہ ایسا ہو کہ بارش کے وقت آنے والے بھیگ جاتے ہوں تو وقف کی رقم سے اس کا سائبان بنا سکتے ہیں بشرطیکہ راستہ پر چلنے والوں کو سائبان سے کوئی تکلیف نہ ہو۔

مسجد کے متولی کے لئے جائز نہیں کہ مسجد کا چراغ اپنے گھر لے جائے۔[1]

الاقناع میں مذکور ہے: اگر کوئی مسجد پر سونے یا چاندی کی قندیل وقف کرے تو یہ وقف صحیح نہ ہو گا بلکہ حرام ہو گا۔ الموفق کا قول ہے کہ: یہ وقف مسجد کے لئے صدقہ ہو جائے گا' اسے توڑ کر مسجد کے دوسرے کاموں کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ مسجد کی چھت یا دیوار پر سونے یا چاندی کا استعمال اسراف و تکبر اور فقراء کے ساتھ نا انصافی ہے' اس لئے ایسے کام کو ختم کرنا ضروری ہے۔ انتہیٰ۔

مولف کہتے ہیں کہ: اس کتاب کی تسوید سے ۲۴ رمضان ۱۳۲۳ھ کو دمشق میں اپنے گھر پر فراغت ہوئی۔

---

[1] ماخوذ از "احکام الاوقاف" للبرہان الطرابلسی۔

پھر مؤلف نے مذکورہ تاریخ کے بعد کتاب میں بہت سے اضافے کئے' چنانچہ کہتے ہیں: ''بحمد اللہ تعالیٰ میں نے مسودہ اور اضافہ کا مقابلہ متعدد مجلسوں میں کیا' آخری مجلس کی تاریخ عید الاضحیٰ کا چوتھا دن 1330ھ ہے۔''

کتبہ مولفہ:

جمال الدین القاسمی

محمد ناصر الدین الالبانی فرماتے ہیں کہ: کتاب پر تعلیق اور احادیث کی مختصر تخریج سے ۲۳ / ربیع الاول ۱۳۸۹ھ کو مکتبہ ظاہریہ دمشق میں فراغت حاصل ہوئی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

قَدْ تَمَّ وَالِلّٰهِ الْحَمْدُ